کچھ اور عشق کا حاصل نہ عشق کا مقصود
جز اینکہ لطف خلش ہائے نالۂ بے سود

— اصغر گونڈوی

(سال اشاعت) ۱۹۸۳ء

پہلی بار ۱

تعداد اشاعت ۵۰۰

زیر اہتمام شری گوپال شیکھرن، سید شبیہ حسین اور مصنف

کتابت ریاست حسین

طباعت اعلیٰ پرنٹنگ پریس دہلی

قیمت ایک سو بیس روپے

ناشر

و

مصنف

دھرم سروپ

صدائے بازگشت

فہرست (*)

(*) شاعروں کے نام اور نظموں کے انگریزی عنوان اس فہرست کے بعد بالترتیب انگریزی میں درج ہیں

BHAGWAN SRI SATHYA SAI BABA:
SATHYAM, SIVAM, SUNDARAM, VOL. II PAGE 200.

MILTON: EXTRACT FROM 'PARADISE LOST,'
(183-4)

CARDINAL NEWMAN: LEAD KINDLY
LIGHT (644)

SHELLEY: EXCLUDED STANZA OF 'ODE
TO LIBERTY

VIOLET ALLEYN STOREY: A PRAYER AFTER
ILLNESS (1354-55)

SHAEMAS O'SHEEL: HE WHOM A DREAM
HAS POSSESSED (1298)

WORDSWORTH: FRAGMENT FROM THE RECLUSE

SHELLEY: TO A SKYLARK (569-70)
ODE TO INTELLECTUAL BEAUTY.
ADONAIS
ODE TO WEST WIND.
ALASTOR, OR THE SPIRIT OF SOLITUDE.

KEATS A THING OF BEAUTY IS A JOY FOR EVER

A SANSKRIT PRAYER

AUROBINDO: THE ROSE OF GOD.

A SONG: SING TO YOU

WORDSWORTH : THE OLD CUMBERLAND BEGGAR (EXTRACT)
: LINES LEFT UPON A SEAT IN A YEWTREE (EXTRACT)
: ADDRESSED TO MY __ INFANT DAUGHTER (EXTRACT)
: THERE WAS A BOY (EXTRACT)
: NUTTING (EXTRACT)
: PRELUDE (I) (407-8)
(II) (408 -9)
: LINES: COMPOSED A FEW MILES ABOVE TINTERN ABBEY ON REVISITING THE BANKS OF THE WYE.
: TO THE SKYLARK.

EDMUND SPENCER : SONNET (AMORETTI) (29)

WORDSWORTH : ON A HIGH PART OF THE COAST OF CUMBERLAND:

EASTER SUNDAY: THE AUTHOR'S 63RD BIRTHDAY.

MICHAEL DRAYTON : SUMMER'S EVE (55)
WORDS WERTH : A POETS' EPITAPH.
SHELLEY : TIME
KEATS : ODE TO NIGHTINGALE
BYRON : YOUTH AND AGE.
SHELLEY : EPIPSYCHIDION.
SHAKESPEARE : EXTRACTS.
(i) HAMLET ACT III SCENE II
(ii) SONNET (O. HOW MUCH MORE DOTH BEAUTY BEAUTEOUSSEEM.
(iii) KING JOHN : ACT IV SCENE II.
(iv) MACLETH ACT V SCENE V.
(v) MERCHANT OF VENICE ACT V SCENE I
(vi) HAMBET ACT- I, SCENE I.
(vii) MUCH A DO ABOUT NOTHING ACT V SCENE I.
(viii) MERCHANT OF VENICE ACT-II SCENE - II.
(ix) TEMPEST ACT IV SCENE-I.
JOSHUA SYLVESTER : THE GLORIOUS STARS OF HEAVEN (57)
JOHN DONNE : SONNET (133)

BENJONSON : THE PICTURE OF THE MIND (EXT. 128)
THOMAS CAMPION : THE MAN OF UPRIGHT LIFE (47)
SIR HENRY WOTTEN : THE CHARACTER OF A HAPPY LIFE (121)
JAMES STEPHENS : HATE (1273)
SIR EDWARD DYER : MY MIND TO ME A KINGDOM IS (27-28)
GEORGE HERBERT : A QUIP (172)
JOHN DONNE ABSENCE
SIR WALTER RALEIGH : (i) THE LIE (36-38)
(ii) HIS PILGRIMAGE (35)
(iii) THE CONCLUSION (39)
GEORGE HERBERT : THE PULLEY (172-73)
MILTON : PARADISE LOST (EXTRACTS)
(i) PART-III (184)
(ii) PART-V (185)
CLARK ASHTON SMITH : TRANSCENDENCE (1326-27)
WILLIAM BLAKE : AUGURIES OF INNOCENCE
THE DIVINE IMAGE (334)

HARRY KEMP : GOD THE ARCHITECT (1281)

DAVID MORTON : WHO WALKS WITH BEAUTY (1296)

LOUIS UNTERMEYER : HOW MUCH OF GOD HOOD (1292)

WILLIAM ROSE BENET : THE FALCONER OF GOD. (1296-7)

GEORRAGE HERBERT : DISCIPLINE (173-4)

HARRY KEMP : BLIND (1282)

MARGARET WIDDEMER : THE DARK CAVALIER (1351)

JESSIE B. RITTENHOUSE : TRANSFORMATION. (1350)

THOMAS CAREW : SONG (176)
: THE COMPLIMENT (176-77)

RICHARD CRASHAW : EUTHANASIA (214)
: IN THE TEMPLE (212)

WILLIAM BLAKE : LONDON (337-8)

LOUIS UNTERMEYER : CALIBAN IN THE COAL MINES (1292)

SEIGFRIED SASSOON : AFTERMATH (1301-2)

T.S. ELIOT : THE HOLLOW MEN

JOYCE KILMER : POETS (EXTRACT)(1300)
JESSIE B. RITTENHOUSE: DEBT (EXTRACT)(1350)
FRANCIS THOMPSON: ENVOY (388)

ABRAHAM COWLEY: SPORT (217-18)
SHELLEY : STANZAS WRITTEN IN DEJECTION NEAR NAPLES
SWAMI VIVEKANANDA: THE CUP

SHELLEY QUEENMAB

نہیں جو مرگِ اناچشیدہ وہ پائیں گے رس حیات کا کیا
مرے نہیں جو وہ کیا جئیں گے کہ زندگی موت ہی میں بسی ہے
نہیں خموشی کی لے سے واقف جو راگ وہ گائیں گے بھلا کیا
سکوتِ کامل میں ہی تو پیدا تمام راگوں کی نغمگی ہے

They shall not live who have not
tasted death
They only sing who are struck dumb
by God

Joyce Kilmer.

عرضِ حال

مجھے ادبی دُنیا میں کوئی نہیں جانتا۔ میں فطرتاً بہت ہی کم آمیز ہوں۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ میں خود ہی اپنا تعارف آپ سے کرا دوں۔ میں ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوا۔ لیکن میرے والد نے مجھے گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم دلوائی۔ جہاں انہوں نے خود تعلیم پائی تھی۔ ۱۹۳۷ء میں مقابلے کا امتحان پاس کر کے میں انڈین ڈیفینس اکاؤنٹس سروس میں داخل ہوا۔ پینتیس ۳۵ سال سرکارِ ہند اور پبلک سیکٹر میں مختلف عہدوں پر کام کرنے کے بعد میں اکتوبر ۱۹۷۲ء میں ایڈیشنل سکریٹری کے عہدے سے ریٹائر ہوا۔ سرکاری حلقوں میں مجھے لوگ ڈی۔ ایس۔ نگرہ کے نام سے جانتے تھے۔ میرے "اسمِ معرفہ" - "دھرم سروپ" سے کم ہی لوگ واقف تھے!

اُردو میں کچھ لکھنے کا شغل کالج چھوڑنے کے پندرہ بیس سال بعد اتفاقاً شروع ہوا اور پھر یہ شوق بڑھتا ہی گیا۔ اس سے پہلے سوامی وویکانند کی منتخب تقریروں اور مضامین کا نثری ترجمہ بعنوان "نعرۂ حق"۔ اُن کی نظموں کا منظوم ترجمہ بعنوان "ترانۂ حق"۔ اصغر گونڈوی کے کلام مشمولہ "نشاطِ روح" پر تضمینوں کا مجموعہ بعنوان "لبِ منصور" اور اپنی طبع زاد غزلوں اور نظموں کا مجموعہ بعنوان "نگاہِ شوق" شائع ہو چکے ہیں۔ "نعرۂ حق" کی ڈاکٹر ذاکر حسین نے تعریف کر کے میری حوصلہ افزائی کی۔ "ترانۂ حق" کی داد خواجہ غلام السیدین نے دی۔ "لبِ منصور" پر اتر پردیش اردو اکاڈمی نے مجھے انعام سے نوازا اور "نگاہِ شوق"

کی اشاعت کے لیے اُتر پردیش سرکار نے مالی امداد دی۔

ان کے علاوہ بھگوان شری ستیہ سائیں بابا کے ارشادات کا ایک مختصر منظوم مجموعہ بعنوان "سُرودِ الٰہی" بھی شائع ہو چکا ہے جسے بھگوان نے شرفِ قبولیت بخشا ہے۔

اب میں منتخب انگریزی نظموں کو اُردو کے قالب میں پیش کر رہا ہوں۔ اس سلسلے میں مجھے چند ضروری باتیں عرض کرنا ہے۔

اوّل یہ کہ انگریزی نظموں کے میرے متعدد ترجموں کو جناب حسن الدین احمد نے "سازِ مغرب" کے مختلف حصوں میں شائع کیا ہے۔ ضخامت اور خرچ کم کرنے کی خاطر ان میں سے بیشتر کو اس مجموعے میں شامل نہیں کیا گیا۔ ان نظموں کی فہرست اور "سازِ مغرب" کے متعلقہ صفحوں کا حوالہ کتاب کے آخر میں درج ہے۔

دوسرے یہ کہ میں نے یہ ترجمے ایک ادبی شغل کے طور پر نہیں کئے۔ میرے لئے ترجمہ اپنی پسندیدہ نظموں کے معنی کو اچھی طرح پانے کا ایک ذریعہ رہا ہے۔ اس لئے میں نے شاعر کی "موڈ" (MOOD) اور اصل کی "سپرٹ" کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ ہر زبان کا اپنا اسلوبِ بیان، محاورہ اور ماحول ہوتا ہے۔ اس کے الفاظ اور معانی کے خاص ماحول میں اس کے جمالیاتی اور سماجی پس منظر کا عکس بھی نمایاں مقام رکھتا ہے۔ مترجم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ان عناصر کو جہاں تک ہو سکے ترجمے میں پوری طرح اُبھارے۔ جہاں الفاظ ایک دوسرے سے ہم قدم ہو کر نہیں چل پائے وہاں میں ترجمے کو ترجمانی کی حد تک لے گیا ہوں۔ ترجمانی کی ضرورت وہاں بھی محسوس ہوتی ہے جہاں انگریزی شاعر کسی عام لفظ کو جلی حروف (CAPITAL LETTER) سے

شروع کر کے اس کے معنی کو بلند کر دیتا ہے۔ مثلاً (بیوٹی) "حسن" کو بیوٹی Beauty لکھکر اس سے "حسنِ ازل" اور Heaven کو 'ہیون' لکھکر اس سے "مادرِ گیتی" کے معنی پیدا کر لیتا ہے۔ اسی طرح مغربی ثقافت کے دوسرے مخصوص اشارات و کنایات اور اس کی خاص تمثیلات کو اپنے ثقافتی ماحول میں منتقل کئے بغیر ان کی اہمیت پورے طور پر واضح نہیں ہو سکتی میں سمجھتا ہوں کہ شعری ترجمے کا کمال اس میں ہے کہ اگر شاعر خود مترجم کی زبان میں نظم کہتا تو وہ کم و بیش ترجمے ہی کی صورت اختیار کر لیتی معنوی ہم آہنگی میرے نزدیک زیادہ اہم ہے اسی وجہ سے بیشتر ترجمے غیر مقفیٰ ہیں حالانکہ اصل نظمیں زیادہ تر مقفیٰ ہیں۔ البتہ کہیں کہیں قافیوں کی آمد آمد ہو گئی ہے میں اُسے اپنے مالک کی خاص رحمت و بخشش سمجھتا ہوں جس کی نظرِ عنایت سے مجھے شعر کی نعمت عطا ہوئی ہے۔

تیسرے مجھے اس بات کا اعتراف کرنا ہے کہ میں عروض سے قطعی ناواقف ہوں۔ میں آپ سے عروض کی تکنیکی غلطیوں کے لئے معافی کا خواستگار ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ کی خوش بین و خطا پوش نظر میری کمزوریوں پر نہیں بلکہ کامیاب ترجموں یا اُن کے کامیاب حصوں پر پڑے گی۔ ان ترجموں کو کتابی صورت دینے کی خواہش کی بنا میری یہ خوش فہمی ہے کہ ان میں سے کچھ تو ایسے ضرور ہوں گے جنہیں میرے ساتھ خاک ہونے سے بچا لیا جائے تو اردو زبان و ادب کی خدمت ہو گی۔ ہمارے دیش میں اب بھی ایسے اہلِ نظر ہیں جو اردو زبان کو اور بھی وسیع اور جامع دیکھنا چاہتے ہیں یہ کتاب ایسے ہی قدر دانوں کی خدمت میں پیش کرنا مجھے مطلوب ہے۔

اُن قارئین کی آسانی کے لیے جو اصل اور ترجمہ ساتھ ساتھ پڑھنا چاہیں میں
نے اُن نظموں کے مضمون کا حوالہ فہرست میں دیدیا ہے۔ جو انگریزی نظموں کے
مجموعے (GREAT POEMS OF THA ENGLISH LANGUAGE)
میں موجود ہیں۔

جیسے آیا حسن یہاں نظر اُسے آئے گا حسن وہاں نظر
کہ تمام جلوے جمال کے ہیں نظارے حسنِ نگاہ کے [1]

چونکہ کسی اور کتاب کی اشاعت میرے لیے بہت مشکل ہے اس لیے میں نے اپنی کچھ
غیر مطبوعہ طبع زاد نظموں اور غزلوں کو بھی اس مجموعے میں جگہ دے دی ہے۔

آخر میں مجھے جناب گوپال شیکھرن اور سید شبیہہ حسن کا شکریہ ادا کرنا ہے
جن کی مدد سے میرے بکھرے ہوئے مسودوں نے کتابی صورت اختیار کی ہیں
جناب ریاست حسین کا بھی احسان مند ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کی کتابت
بڑی جانفشانی اور لگن سے کی۔

۸ - منیرکا مارگ وسنت وہار نیو دہلی 110057
ٹیلیفون ۶۷۲۳۱۴

[1] " WITLER BYNNER
THE NEW WORLD "

کہتے ہیں ہم کو اہلِ نظر غائبانہ کیا

"جناب وائس پریذیڈنٹ (ڈاکٹر ذاکر حسین) صاحب نے آپ کی کتاب "نغمۂ حق جلد اوّل" کا بغور مطالعہ کیا ہے اور اسے بہت پسند فرمایا ہے۔ وہ (وید کا نند کی نظم کے) منظوم ترجمے سے خاص طور پر متاثر ہوئے ہیں۔ اُن کی خواہش ہے کہ آپ اُن سے ملیں تاکہ وہ آپ سے گھنٹہ بھر اطمینان کے ساتھ باتیں کر سکیں۔"

پرائیویٹ سکریٹری کا خط مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۶۷ء

مجھے اتنے دن کے بعد یہ موقع ملا کہ میں آپ کے منظوم ترجمے "ترانۂ حق" کو اطمینان کے ساتھ پڑھ سکا۔ چاہتا ہوں کہ اس بیش قیمت ادبی خدمت پر آپ کو دل کھول کر مبارکباد دوں۔ مجھے اندازہ ہے کہ نثر کا ترجمہ کرنا بھی کسقدر مشکل ہے پھر نظم کے بارے میں تو وہ مشکلیں اور بھی زیادہ ہو جاتی ہیں۔ آپ نے واقعاً زبان اور بیان کا حق ادا کر کے دکھایا ہے۔ آپ کو چاہیئے کہ اس خداداد ملکہ سے اور زیادہ کام لیں۔

خواجہ غلام السیدین ۲۴ مئی ۱۹۶۷ء

یہ ترجمے جو آپ نے "نغمۂ حق" کے نام سے شائع کئے ہیں لائقِ مبارکباد ہیں۔ آپ کو اردو نظم اور نثر دونوں پر اتنا عبور ہے کہ مجھے رشک آتا ہے۔ کم لوگ مشکل ادق

بامعنی مطالب کو اس خوبی اور روانی کے ساتھ ادا کر سکتے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ آپ اس ادبی شغل کو جاری رکھیں۔

خواجہ غلام السیدین ۹ ر اگست ۱۹۶۸ء

"ترانۂ حق"۔ یہ سوامی وویکانند کی منظومات کا مجموعہ ہے جس کا اُردو ترجمہ شری دھرم سروپ نے کیا ہے اس مجموعہ میں ۴۳ نظمیں ہیں اور سب کی سب ایک مخصوص مذہبی مزاج کی آئینہ دار ہیں اس میں بھگتی گیت بھی ہیں انسانی عظمت کے ترانے بھی، عرفان اور آگہی کے نغمے بھی ہیں اور حصولِ نجات کی آرزوئیں بھی۔ بادۂ وحدانیت کی سرشاریاں بھی ہیں اور احساسِ خودی کی سرمستیاں بھی۔ عبادت اور ریاضت کے ذریعہ اپنے معبود کے وجود میں ضم ہو جانے کی بے پناہ خواہش کو فنکارانہ اتنے والہانہ انداز میں بار بار پیش کیا ہے کہ اس سے قارئین بھی پوری طرح اثر انداز ہوتے ہیں سوامی جی نے صالح کردار کی بہتر نشو و نما، نفسانی اور شہوانی جذبات کی تہذیب و تربیت۔ دنیاوی آلائشات سے اجتناب اور زندگی کی پُر فریب چمک دمک سے علیحدگی کے لئے اپنی نظموں میں جا بجا تلقین و ہدایت کی ہے۔ مترجم کی پُر خلوص محنت و کاوش زبان و بیان پر قدرت اور عرق ریزی کا نتیجہ ہے کہ اس مجموعہ کی نظموں کی اصل روح قریب قریب برقرار رہ سکی ہے۔ ورنہ عام طور پر تو ترجموں میں یہ ہوتا ہے کہ الفاظ و بیان کا ڈھانچہ تیار کر دیا جاتا ہے اور اُن کا بنیادی حسن غائب ہو جاتا ہے۔ ترجمہ کے لئے صرف یہی ضروری نہیں کہ مترجم زبانوں کا ماہر ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ مترجم کو کسی طرح کی اندرونی ذہنی رکاوٹ کا

کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ بے جان ترجموں میں جان ڈالنے کا یہی ایک راستہ ہے۔ دھرم سروپ نے اس بڑے فرض کی ادائیگی بڑی خوبصورتی کے ساتھ کی ہے۔ الفاظ و تراکیب کی آمیزش۔ اسلوبِ بیان کا حسن۔ تشبیہات و استعارات کی جانداری اور فکر و خیال کے محسوس پیکروں کی تراش و خراش نے ان نظموں کو بہت دلچسپ بنا دیا ہے۔ اردو میں سوامی جی کا کلام پہلی بار پیش کیا گیا ہے اس لحاظ سے بھی "ترانۂ حق" کی اہمیت مسلّم ہے۔

قمر اعظم ہاشمی

(تبصرہ۔ آل انڈیا ریڈیو۔ پٹنہ)

آپ کے مرسلہ منظوم ترجمے ——— کے ذریعہ آج ہدایت ہوئے۔ پیاسے کو کنوئیں کے پاس آنا چاہیئے تھا۔ آپ نے اتنا ذخیرہ روانہ کیا مجھ پہ بڑا کرم کیا۔ میرے مجموعے کی وقعت ان منظوم ترجموں سے بڑھ گئی۔ آپ کے ترجموں کا اردو ادب میں اہم مقام ہے۔ مجھے اس کا احساس ہے......

...... آپ کے سب ترجمے اعلیٰ معیار کے ہیں...... میں دوبارہ آپ کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

حسن الدین احمد

۱۰ نومبر ۱۹۷۹ء

اُسے پہچان

تبسم میں جو ہے ہر غنچۂ رنگیں کے جلوہ گر ۔۔۔ فلک پر ہر ستارے کی چمک میں جو نمایاں ہے
اُسے پہچان وہ حاضر و ناظر ہے ہمہ جائی

محیطِ کُل ہے ساری کائنات اس میں سمائی ہے ۔۔۔ وہی ہر صورتِ ہستی کا حُسن و شعلۂ جاں ہے
اُسے پہچان ہے دم سے اُسی کے عالم آرائی

ہی سے خورشید بدامن ذرہ ذرہ ہے دو عالم کا ۔۔۔ وہی نورِ خودی جن کو ملے دل میں درخشاں ہے
اُسے پہچان وہ چشمِ بصیرت کی ہے بینائی

جہاں کی ہر خوشی کا ہے وہ خود ہی ماخذ و مصدر ۔۔۔ تبسم اُس کی نظروں کا نشاطِ جاں بداماں ہے
اُسے پہچان ہر گوپی کے دل کا ہے وہ کنہائی

تمنا وصلِ حق کی بھی۔ وہ تکمیلِ تمنا بھی ۔۔۔ وہی حُسنِ یقیں سوزِ دُعا و نورِ ایماں ہے
اُسے پہچان وحدت کی ہے وہ بے انت پہنائی

عالم تاب ہے پہچان شعلہ ہو کے سورج میں ۔۔۔ وہ فرحت بن کے دل کی قطرۂ شبنم میں لرزاں ہے
اُسے پہچان وہی ہیں شعلۂ و شبنم میں ہم جائی

قطرے قطرے میں بارش کے رقصِ جاوداں ہے ۔۔۔ ہوا کے جھونکے جھونکے میں وہ مستانہ خراماں ہے
اُسے پہچان اہلِ دو جہاں ہیں اس کے شیدائی

پہچان آنکھیں کھول کر اس کا نظارہ کر ۔۔۔ نظر آئے گی رنگیں و شگفتہ تجھ کو یہ دُنیا
جلالِ حق میں پھر ملبوس ہو گی زندگی تیری ۔۔۔ تری شانِ خودی کو پھر نہ کوئی خوف آئے گا

حیاتِ جاوداں۔ ہو کر کرے گی رقصِ مستانہ
دکھائی موت دے گی اک مقامِ خوشنما جس سے

اُسے پہچان وہ حاضر و ناظر ہے ہمہ جائی
اُسے پہچان وہ ہے خود نظارہ خود تماشائی
اُسے پہچان اُس کے فیض سے ہے عالم آرائی
اُسے پہچان وہ چشمِ بصیرت کی ہے بینائی
اُسے پہچان ہر گوپی کے دل کا ہے وہ کنہائی
اُسے پہچان محوِ گفتگو ہے اُس سے تنہائی
اُسے پہچان... اُسے پہچان.....

(گائیتری منتر)

اے نورِ ازل۔ اے آفتابِ جمالِ حق

اے کہ تجھ سے تمام کائنات روشن ہے

اے تجلیٔ مبارک

میں تیرے آگے سجدۂ نیاز کرتا ہوں

میری دُعائے اکتسابِ نور قبول کرو

میرے دل و دماغ کو منوّر کر دو

مجھے اپنی درخشانی کا جلوہ عطا کرو

اکتسابِ نور

اے روحِ ذوالجلال اے معبودِ کائنات
سب معبدوں سے بیشتر تیری نظر میں ہے
فیضانِ بخشش قوتِ تخلیق کو مری

تجھ ہی میں ہے خیالِ ابد، ذاتِ لازوال
اے راج ہنس[1] بیٹھا تھا اپنی خودی میں غرق
پیدا ترے ہی دم سے ہوا عالمِ وجود[2]

اور پستیوں کو میری طبیعت کی کر بلند
چشمِ بشر میں حسنِ بیاں سے کروں عیاں
لاؤں اُتار شیشۂ ندرت کلام میں

اے حسنِ ذاتِ دائمی کی سرمدی شعاع
تیرے جمالِ پاک کے ذکر و بیان میں

اے ذاتِ کبریا کہ دلِ پاک و باصفا
اے خالقِ مکان و زماں۔ ربّ العالمیں
میرے شعور کو دے ہدایت تو آپ ہی
تجھ ہی میں ہے ازل کا تصور۔ دوام بھی
بس تو ہی تھا ہے بھی تو ہی۔ ہوگا بھی تو ہی
تو ہی خلائے ہست پر پھیلائے اپنے پر
تیرے ہی نورِ پاک سے ہے جلوۂ شہود
تاریکیوں کو جبلت و فطرت کی جگمگا
توفیق دے کہ میں تری قدرت کے حسن کو
تیرے جمالِ پاک کی شانِ جلال کو

اے نورِ پاک مہرِ ازل مظہرِ حیات
توفیق دے کہ آنے نہ پائے کوئی کمی

ص۱ اصل کے مطابق یوں ہونا چاہیے "بیٹھا تھا فاختہ کی طرح اپنے ہی میں مست" عیسائی کلچر میں "فاختہ" "Dove" کا خاص مقام ہے۔ ہندوستانی کلچر میں اس سے بھی بلند مقام "راج ہنس" کا ہے۔ ص۲ اصل کے مطابق یوں ہونا چاہیے "تھا غیب کو تجھی سے ملا نطقِ وجود"

اے آفتابِ حسنِ ازل۔ اے شعاعِ عرش

روشن دل و دماغ کو میرے کر اس طرح — احساس اور شعور کی سب قوتیں مری
بس جائیں تیرے نور میں اور جگمگا اٹھیں — سب دھند عکسِ سحر تماشہ کی دور ہو
آنکھیں صفائے دل کی کھلیں اور مجھ پہ ہوں — ظاہر جمالِ غیب کی پُرنور صورتیں
قاصر ہے دیکھنے سے جنہیں دیدۂ بشر — تاب تجلیاتِ حقیقت کے ساتھ ساتھ
دے قوتِ بیان کا بھی آئینہ مجھے — جس میں ہو منعکس ترے جلووں کا حسن و رنگ

جیون جیوتی

ہاں اے مری رہبر مرے جیون کی جیوتی — اے رحمتِ رخشاں
ہاں مجھ کو دکھا دے مری رہ مشعلِ ہستی — اے لطفِ فروزاں
تاریکیاں گھیرے ہیں مجھے بیم و رجا کی — اے شفقتِ تاباں
سائے یہ ہٹا سکتی ہے بس تیری تجلی — اے برکتِ یزداں
تیرہ ہے مری رات نہیں تو کہیں کوئی — اے فیضِ درخشاں
مطلع ہے مری صبح کا رخشندگی تیری — اے لطفِ فروزاں
ہاں مجھ کو دکھا دے مری رہ مشعلِ ہستی — اے رحمتِ رخشاں

ہاں اے مری رہبر مرے جیون کی جیوتی

میں یہ نہیں کہتا کہ مری راہ کو یکسر — تو کر دے چراغاں
میں یہ نہیں کہتا مری منزل کا تو منظر — اب کر دے نمایاں

کچھ کم نہیں ہوگی یہ عنایت تری مجھ پہ — اے نعمتِ تاباں
ہر گام پہ اک نقشِ منوّر جو ہو رہبر — اے شعلۂ رقصاں

ہاں اے مری رہبر مرے جیون کی جیوتی

پہلے تو نہ تھا حال کچھ ایسا مرے دل کا — اے جلوۂ تاباں
سمجھا تھا میں اپنے کو بہت عاقل و دانا — انوار بداماں
ناموسِ خرد سے تھا منوّر مرا رستہ — ہر گام تھا رخشاں
کرتا تھا متعین میں خود انداز سفر کا — اپنے پہ تھا ایماں
مانگے سے آجائے کی رہتی نہ مجھ کو تمنّا — اے رہبرِ رخشاں
میں شوخیِ نیرنگِ تماشہ کا تھا شیدا — اے جلوۂ یکساں
اُٹھتا تھا کبھی گوشۂ دل میں کوئی خدشہ — تو زعم غلط خواں
دیتا تھا دبا اُس کو مری نخوتِ بے جا — تھی اپنے پہ نازاں
لیکن مجھے تو نے تری رحمت کی دکھایا — اے فیضِ درخشاں
ادراک کا ہے نور تو سالوں کا چھلاوا — اے شعلۂ عرفاں
آنکھوں سے مری اُٹھا ہے اب جہل کا پردہ — اے ذاتِ درخشاں
لیکن یہ نہیں تاب کہ وہ کاٹوں میں تنہا — اے سوزِ دل و جاں
ہر گام پہ ہر لمحہ ہے اب تیرا سہارا — اے رحمتِ یزداں
ایامِ جہالت کو مرے یاد نہ کرنا — اے عفوِ فروزاں
برکت تری ہوتی رہی ہے مجھ پہ ہمیشہ — اے بخششِ یزداں
یہ فیض ترا ہوتا رہے اور زیادہ — اے شفقتِ تاباں

ہاں مجھ کو دکھا دے مری راہ شعلۂ یکتا   اے لطفِ فروزاں

ہاں اے مری رہبر مرے جیون کی جیوتی

اس راہ میں صحرا بھی ہے دلدل بھی ہے بَن بھی   اور میں ہوں پریشاں

ہے اوج پہاڑوں کی بھی وادی کی بھی پستی   درماندہ مری جاں

ہاں مجھ کو دکھا دے مری رہ مشعلِ ہستی   کر نور کا ساماں

تاریکیاں جب تک ہیں مری ہجر کی شب کی   پھر صبح درخشاں

ہوگی جو نمودار تو یہ مشعلگی تیری   اے شمع فروزاں

خورشید جہاں تاب کی صورت میں اُبھرے گی   اے مہر رخِ تاباں

ہے جس کی مرے آئینۂ دل میں تجلّی   تبسّم و شاداں

اُبھرے گا لئے نور کا اک حلقۂ عرشی   برکات بداماں

اس نور میں بس کر کے مری جان بھی ہوگی   پاکیزگی رخشاں

ہاں اے مری رہبر مرے جیون کی جیوتی

ہاں مجھ کو دکھا دے مری راہ مشعلِ ہستی

بتِ رعنا

مکاں کی ہے نہ زماں کی ہے رہگزر جس میں؎۲ ۔۔۔ نہ عقل کی ہے نہ ادراک کی کوئی شہراہ

نہ علم کی ہے رسائی جہاں نہ عرفاں کی؎۱

اس اپنی روح کی گہری گپھا میں تخت نشیں ۔۔۔ ہے جلوہ اک بتِ رعنا کے حسنِ ازلی کا

وہ حسن اٹھتا ہے جس سے کمالِ تابانی

جو آ نکلتے ہیں اس شعلہ رو کے پاس کبھی ۔۔۔ تلاشِ رازِ حقیقت میں سرفروش خیال

تو کانپ کانپ سی جاتی ہے ان کی تابِ سوال

وہ سجدہ کرتے ہیں جھک جھک کے رشکِ رخشاں کو

جلالِ پاک کی کرنیں برستی ہیں اُن پر ۔۔۔ عطا لطافتِ احساس و فکر کو ایسے

جمالِ ذات سے زریں لباس ہوتا ہے

شعورِ ہست کا یہ نور پھر چمکتا ہے ۔۔۔ وجودِ حسنِ تصور کے ریشے ریشے میں

شرارہ جان کا بنتا ہے آفتابِ حیات

(تجلی اس بتِ رعنا کی عام ہوتی ہے)

؎۱ مقامِ جہل کو پایا نہ عقل و عرفاں نے (اصغر گونڈوی)

؎۲ اصل کے مطابق یوں ہونا چاہیے "کوئی نہیں ہے کہیں سے بھی رہگزر جس میں"
میں نے اس خیال کو پھیلا کر بیان کیا ہے۔

موسیقارِ ازل

خالقِ نغمگی۔ موسیقارِ ازل — اے کہ ہر راگ کی لے تری خامشی
سازِ دل کے سُروں کو ہم آہنگ کر — کر عطا اس کو پھر سے نئی زندگی
اس کے تاروں کو کس۔ اس کے پردوں میں بھر — صبحِ نغمہ کی روشن مدھر تازگی
گونج تسلیم و طاعت کی اُن سے اٹھے — انگلیاں اُن پہ چلتی چلیں جب تری
جیسے اٹھتی ہے سجدوں سے اشجار کے (ق) — عجز و تسلیم کی ایک لے مدھ بھری
دامنِ کوہ سے جب ہوائیں اٹھیں — پیار سے دیتی ہیں دعوتِ نغمگی
تیرے لمسِ مبارک کے اعجاز سے — ایک موجِ ترانہ بنے زندگی
بکھرے بکھرے پریشاں خیالوں کے سُر — ہم کے یکجا بنیں لذتِ سرمدی

II

خالقِ حسن و آہنگِ شعر و سخن — اے کہ تیری خموشی سرودِ ازل
جزو کو پھر سے کر کُل سے ہم قافیہ — بحرِ ہستی میں پیدا ہو شیریں غزل
ناتواں دھڑکنوں کو دلِ زار کی — مصرعہ ہائے فصیح و رواں میں بدل
نرم و نازک ہوا کی روانی بھی دے — تبسم سُروں کا شگفتہ کنول
اِن سُروں کی ہو لہریں بہشتِ سماع — موج در موج ہو جھیل کا جیسے جل

III

بانیِ ہست۔ فنکارِ حسنِ صور — خالقِ کثرتِ رنگ۔ سادہ قلم

رنگ تاب و تواں کے تنِ خستہ میں
پردۂ جاں پہ رنگینیاں حُسن کی
نیل پنکھوں کے اور سبزی پھولوں کے رنگ
روحِ پاکیزہ کے صفحۂ صاف پر

پھر سے بھر دے تو از راہِ لطف و کرم
پھر فراواں بکھیرے ترا مُو قلم
جسم و جاں میں اُبھر آئیں پھر دمبدم
نقش خوشیوں کے شوخ و قوی کر رقم

کیف و حیرت میں ہو غرق حُسنِ خودی
کہہ اُٹھے روح "ستیم شوم سُندرم" ٭

جسے حاصل ہے محویت حقیقت کے تصوّر کی

جسے حاصل ہے محویت حقیقت کے تصور کی
نہ دل میں موجزن ہوتی ہے تندی آرزوؤں کی
اُسے آب و ہوائے زیست متاثر نہیں کرتی
نہ پیچ و تاب سے باتیں ملوث اُس کی ہوتی ہیں
اُترتے ہیں نہ راتوں کے اندھیرے اُسکے جیون میں

کوئی شک و شبہ اس کیلئے باقی نہیں رہتا
نہ ہوتا ہے خیالوں میں نہ آنکھوں میں کوئی ابہام
وہ اُٹھ جاتا ہے اس آب و ہوائے زیست سے بالا
زباں پر اس کی ہوتا ہے ہمیشہ سچ ہی کا نعرہ
ہمیشہ سامنے رہتی ہے اس کے صبحِ رخشندہ

II

جسے حاصل ہے محویت حقیقت کے تصور کی
وہ بحرِ دہر کی راہوں سے فلک کی ہر گزرگاہ سے

نہیں کھاتا یونہی چکر وہ بے مطلب و آوارہ
ہے واقف۔ اس کی منزل۔ ہر قدم اس کا

٭ یہ شعر اصل کا حصہ نہیں لیکن ترجمہ مکمل ہوتے ہی وجود میں آیا اور ساری نظم کی زبان بن کر رہ گیا۔ اس لیے میں نے اسے شامل ترجمہ تو کر لیا ہے مگر واوین میں بند کر دیا ہے۔"

سفر میں زندگی کے ہے رواں وہ دیکھنے کو تو — مگر ہیں وسعتیں ہستی کی ساری اس کے زیرِ پا
نظر آتا ہے وہ آتے یہاں جاتے وہاں لیکن — اسی ہرجائی کو آنا ہے نہ اس کو ہے کہیں جانا

III

جسے حاصل ہے محبت حقیقت کے تصور کی — اُسے دنیا کے کاروبار کا غم چھو نہیں پاتا
غروبِ زندگی ہو یا خزاں ہو یا نزولِ شب — وہ ہر منظر کو کرتا ہے تبسم سے درخشندہ
یہ تقسیمِ زماں یہ حال و ماضی اور مستقبل (ق) — یہ آغاز اور یہ انجام یہ غیبت عروج کا
نہیں اس کے لیے اس کی نگاہِ پاک و کامل میں — یہ سارا سلسلہ ہے اک تماشہ ذاتِ یکتا کا
یہ مرگ و زیست بحرِ بےکراں ہے اس کی وسعت میں — تصور ہر دو عارف کا جزیرہ ابدیت کا

IV

جسے حاصل ہے محبت حقیقت کے تصور کی — پہنچتا ہے بلندی پر وہ مشکل راہیں طے کرتا
وہ خاکِ ارض سے جاتا ہے اٹھ کر نورِ انجم تک — نشاطِ روح کا بنتا ہے تارا خاک کا پتلا
فضائے ہستی میں تخلیق اور تخریب کے منظر — نشاطِ جاوداں ہی کی نظر آتے ہیں اک لیلا
خلا میں جب جہاں آباد اور برباد ہوتے ہیں — تو محرابِ ازل سے اس کا کرتا ہے وہ نظارا
پھر اپنے نور کے رکھ پر رضائے حق کے میداں میں — رواں ہوتا ہے ہر سو ہر کسی پر نور برساتا

گوشہ نشین

میں تنہائی میں اپنی جب کبھی غرقِ فکر ہوتا ہوں
ہے اپنی زندگی کا مدعا کیا - دہرِ فانی میں
ہے سرچشمہ کہاں قدرت کی بے انداز طاقت کا

تو اکثر سا[illegible]نکھوں کے میری جلوہ دیتے ہیں
کئے ہوتا ہے ہالہ ان نظر افروز جلووں کا

شعورِ خود شناسی دل میں ہوتا ہے مرے پیدا
جلالِ پاکِ یزداں کی بجوری کی سادہ عظمت کی
وہ یادیں جو مرتب ہیں نشاط و نورِ کامل سے
یہ دل جب نیک و بد پر زندگی کے غور کرتا ہے

شعورِ پاک کے عکسِ تجلی کی یہ تصویریں
کہ بیدار روح کی سرشاری و حسنِ خودی سے ہوں
انہیں تازہ بہ تازہ شعر میں لے کے اتاروں گا
جلال و عظمتِ ہستی حقیقت کی درخشانی

تو بس یہ سوچتا ہوں آدمی کی ہے حقیقت کیا
ہے رازِ حسنِ فطرت کیا ہے نیرنگِ تماشہ کیا

جو میں یہ سوچتا ہوں خلوتِ فکر و تحیر میں
نشاط انگیز و رنگیں قافلہ در قافلہ منظر
نشاطِ مطلق و کامل کا کیف پاک نور افشاں
مرے احساس کو ایسے میں غم چھو تک نہیں پاتا
ابھر آتی ہیں یادیں میٹھی روحانی حقیقت کی
وہ یادیں جن کے دامن سے برستا ہے سکونِ دل
وہ یادیں دل کو کرتی ہیں شناسا جو بلندی سے

یہ یادیں یہ لطیف احساس کی پُر کیف برساتیں
نزول ان کا ہو فطرت کے حسین و دلکش نظاروں سے
یہی یادیں بنی ہیں شاعری کا میری سرمایہ
شروں سے میرے نغموں کے انہیں کے دم سے اٹھیں گے
مسرت کی امیدِ لازوال و حسنِ لافانی

محبت کا سرورِ سرمدی و کیفِ روحانی
اٹھا پائیں گے سر اپنا نہ دردو غم کے اندیشے ((
(سہارا جن کا ہر مشکل گھڑی میں دل کو ملتا ہے)
دلِ خوددار و خودمست و خود اندیشی و خدا آگاہ
وہ پندارِ خودی ہے سارا عالم جس کی وسعت میں
ظہور و غیب کا سب سلسلہ یہ جس سے جاری ہے

ہوئے جس کے مبارک شوق سے ہر دو جہاں پیدا

ملیں کچھ اہلِ دل۔ اہلِ نظر۔ اہلِ سخن ایسے
مجھے ہے علم بھی احساس بھی اس بات کا پورا
سعادت یہ نصیب ہوتی ہے خود خالق کی برکت سے

کمالِ فن کی آیا ہوں ترے در پہ دُعا لیکر
مجھے کرنا ہے آئینہ گری حق و صداقت کی
مجھے اس کام میں تیری مدد درکار ہے دیوی
اگر آکاش میں تجھ سے بھی بڑھ کر ہے کوئی ہستی
دیا اس نے کے فیضِ غیبی سے بھی مالا مال کر دیا دے
بیاں عرفانِ حق کا ہو نہ پائے گا کبھی مجھ سے

یقینِ راسخ و ایمانِ کامل اِسلئے جس کے
بشر کی قوتِ اخلاق۔ طاقتِ فکر و دانش کی
نشاطِ زندگی۔ بس کر زمانہ جس میں جیتا ہے
ضمیرِ حق شناس و حق پرست و حق شنو حق گو
بنائے زندگی۔ قانونِ قدرت جس پہ قائم ہے

میں یوں اس خالقِ ارض و سما کے گیت گاؤں گا

جو زندہ ہیں اُسی کے ہی شعورِ پاک میں بس کر
دُعا یہ مانگتا ہوں میرے نغموں کی سماعت کو
زباں کو جو مری سمجھیں مرے معنی کو جو پائیں
کہ آساں تو نہیں تخلیق نغماتِ حقیقت کی

سُن اے "پوری نیا" اے شعر و فن کے حُسن کی دیوی
میں سائل ہوں کرم کا۔ مُلتجی نظرِ عنایت کا
بیاں کرنا ہے رازِ خود شناسی و خُدا یابی
دماغ و دل میں میرے بس کے میری رہنمائی کر
جمالِ شعر و فن کی۔ تو مجھے اپنی وساطت سے
کہ مجھ پر جب تلک ہو گی نہ نازل برکتِ عرشی
نہیں ہے تاب میری قوتِ تخلیق کو اس کی

عنایت مجھ پہ کر۔ دیوی کمالِ شعر و نغمہ دے
طلب تو ہے مری محدود دامانِ تمنا سے

مجھے اس کے لئے تاریک رستوں سے گزرنا ہے
مجھے اس کے لئے گہرائیوں میں غرق ہونا ہے
مجھے تنہائیوں کے خوف زاروں سے نکلنا ہے

ہیں ہفت افلاک جس اوجِ حریمِ ناز کا پردہ
نظر سے میری گزریں گی وہ ساری صورتیں جن میں
جلال و قہر کے سائے جمال و مہر کے پُتلے
گریشتے دیوتا اور عالمِ بالا کے شہزادے
نہ کچھ مرعوب کر پائیں گے مجھ کو تخت و تاج اُن کے
کہ میری منزلِ مقصود اوجِ خود شناسی ہے

تہوں میں پردہ در پردہ اندھیرے ہیں جیسے اس میں
ٹھہر سکتی نہیں ان ظلمتوں کے سامنے دم بھر
سیاہی بے بصر پہنائیوں کی منجمد ہو کر
ڈرا سکتی نہیں ہے آدمی کے دل کو ان جیسا

جو لمبی سانس لیکر اندھا دھند لیتا ہے انگڑائی

طلب سے بھی کہیں بڑھ کر عطا مجھ کو سعادت کر

نشاں بنتا ہے میرے شعر کو انوارِ منزل کا
فضائے عرش تک پرواز کرنا ہے تخیل کو
جہاں رُکتا ہے وہم۔ جاتا ہے حیرت کو وہاں میری
مجھے کتنی ہی دُنیاؤں سے امکاں کی گزرنا ہے
پہنچنا ہے مجھے آخر وہاں۔ اس سے مگر پہلے
ہوئی ہے شکتی مجسّم ذاتِ باری کے تصور کی
فرشتے شورِ طاعت برزباں سجدہ کناں پیہم
ہیں سب کو دیکھتا گزروں گا بے خوف و خطر آگے
نہ ہوگا اُن کی شوکت سے مجھے احساسِ کم ظرفی
جسے پاتا ہے خود اپنے ہی من میں ڈوب کر جینے
یہ من روشن ہے جو کرنوں سے ہوش و فکر و دانش کی

مہیب و دیو صورت خوفناک و پُر خطر سائے
گھنی تاریکیاں تحت الثریٰ کی قعرِ دوزخ کی
بھیانک سے بھیانک خواب کی سنگین صورتیں

ہیولے بے رُخ و بے صورت و تاریک ہستی کا
تو اُٹھتی ہیں جو لہریں خوف و دہشت کی فضاؤں میں

اُبلتے کھولتے چشموں کے جوشِ غیض کی مانند
مگر بے خوف میں تاریکیوں سے اُن کی گذروں گا
کہ خورشیدِ جمالِ ہستی میرے ساتھ ہے ہر دم
جمالِ زندہ و پایندہ و رخشندۂ دائم
بسا ہے جس میں ہر ذرہ جو ہر ذرے میں پیدا ہے
جو آتے ہیں وجود آب و رنگ و سنگِ خارا میں
ہیں عکسِ خام حسنِ ذات کے رنگ و لطافت کا

زرے ہمزہ ہے اور اُس کے عالم تاب جلوے سے
اُسی کے نور سے کاشانۂ دل جگمگاتا ہے
قدم اپنا سفر میں جیسے جیسے میں اُٹھاتا ہوں
یہ میری ہمدم و ہمساز و ہمسایہ ہے ہر ساعت
مقامِ دور افتادہ نہیں کوئی کہیں جنت
جزیرہ ہے نہ فردوسی کوئی دامانِ قلزم میں

حقیقت میں تو سچا پیار ہی جنت بداماں ہے
وفا۔ بے مدعا بے لوث الفت۔ بے غرض صحبت
گذشتہ کے سنہری عہدِ ماضی پہ ملمع ہیں
حقیقت ہے بس اتنی ہی کہ انساں کے تخیل کو

کہیں بڑھ کر ہے ہیبت ناک اُن سے جن کی تاریکی
بالآخر کونہ کونہ اُن کا شعلہ بار کر لوں گا
ظہورِ زندگی ہے ارتعاشِ نور سے جس کے
وہ حسنِ پاک عالم کی ہر اک شے جس سے رنگیں ہے
بشر کی بہترین تخلیقِ فن نقش و نگار و بت
دلِ حساس و نازک سے نگاہِ پاک و رنگیں سے
تجلی بار ہے جو دیدۂ شوق و تخیل میں
وہ خورشیدِ جمالِ ذات ۔ وہ سرچشمۂ ہستی
حیات و مرگ کی راہوں کا چپہ چپہ روشن ہے
اُسی کے نور سے اک کہکشاں ہر سانس ہے میری
یہ تنویرِ تجلی میرے آگے آگے چلتی ہے
میں اس کی روشنی میں دیکھتا ہوں اپنی آنکھوں سے
نہیں بستی کوئی یہ عالمِ بالا کی وسعت میں

یہ لازم تو نہیں ہو کوئی جنت دور دنیا سے
جہاں صدق و صفا ہے دوستی ہے اور ہمدردی
وہیں خود اپنی ہی دنیا میں جنت کی بہاریں ہیں
خیال آرائیاں خلدِ بریں کی خود فریبی ہے
شعور و عقل کو احساس کو فکر و تصور کو

محبت سے ملی حب پاک یعنی پاک پنداری
تو رنگیں ہو گئی ہستی ہماری ارضِ سادہ پر

بہشتِ کیفِ وصلِ حق کو کرنا ہے یہیں حاصل
لئے دل میں۔ کروں گا میں دعائے خیر روز و شب
حبیب احساسِ احد میں غرق ہو جائے گی سب دنیا

میں تنہائیوں میں اس کے نام ہی کے گیت گاؤں گا
جنونِ شوق کو جوشِ بلاغت اور تغزل سے
کہ احساسِ حقیقت جاگ اٹھے گا ہر اک دل میں
پڑے ہیں موت کی چادر لئے دامن میں دنیا کے
مگر دو سر خودی کے نے کر لیا مغلوب ہے جن کو

مرے اشعار یہ پیغام دیں گے سارے عالم کو
اور اپنے من سے ساری کائنات ہست و اصلی ہے
یہی ہے حسنِ فطرت چشمِ بینا میں جو درخشاں ہے

مراقب ہو گا اس کے دوسرے رخ کا بھی آئینہ
تقلید سازی و تفریقِ نسل و قوم سے انساں

سرور و کیفِ بے پایاں میں حب روحِ بشر ڈوبی
تصورِ عالمِ بالا کی جنت کا ہوا پیدا!
نشاطِ روح کی جنت کو پانا ہے یہیں مجھ کو
ملن کا یہ مصمم عزم یہ امید کیف آگیں
بالآخر وہ گھڑی پاک و مبارک آ ہی پہنچے گی

رہے گا انتظار اس ساعتِ مسعود کا جب تک
دعائے وصل کو میں شعر میں اپنے اتاروں گا
سرودِ شعر میں اپنے میں کچھ ایسے ابھاروں گا
خودی بیدار ہو گی ان کی بھی جو خوابِ غفلت میں
نشاطِ ہست کی موجیں اٹھیں گی ان کے بھی دل میں
سرورِ کیف کے احساس سے عاری ہیں جو یکسر
صدا نغموں کی گونجے گی مرے بانگِ خودی بن کر
کہ من اپنا شعورِ کل میں داخل اور شامل ہے
یہی رازِ حقیقت بے بصر آنکھوں سے پنہاں ہے
یہی نورِ ازل ہے جو دو عالم میں پریشاں ہے
جلال و حسن ہستی ہے مگر اک رخ حقیقت کا
جہاں یہ نور چھپ جاتا ہے ظلمت میں جہالت کی
اخوت اور وحدت کی حقیقت کھو دیا تا ہے

مظالم آدمی پر آدمی ہی کرنے لگتا ہے
عناد و بغض سے غیض و غضب سے خوف و دہشت سے
مناظر زندگی کی جانستاں مجبوریوں کے بھی
دکھائی دیں گے دہقاں سوختہ جاں اپنے کھیتوں میں
غم و اندوہ میں ڈوبی ہوئی محنت کی تصویریں
دھواں اٹھتا نظر آئے گا ناداروں کی آہوں کا
اسی کے ساتھ آئیں گے نظر شعلے ہوس کے بھی

جمالِ ہست کی رنگینی و شانِ جلالِ ہست
وسیع تاریکیاں ہستی کی۔ لاتعداد تنویریں
ابھرتا ہے انہیں پوری طرح گر شعر میں میرے
نہ چھائے رعب کچھ اور ہو نہ مایوسی مرے من کو

تبھی ہوگا یہ ممکن جب تری نظرِ عنایت سے
بصیرت جگمگائے گی حقیقت آشنا ہو کر
تری برکت سے دیوی کشفِ رازِ ہست ہوتا ہے
سمو لیتی ہے سینے میں بشر کی روح۔ کلِ عالم
حریمِ دل میں جس شاعر کے بنتا ہے ترا مندر
اسے ہوتی ہے حاصل عظمت و شہرت زمانے میں

مرے شعروں میں ہوں گے منعکس جانسوز نظارے
غم و غصہ کے درد و کرب کے آہوں کے گریہ کے
صدائے دردِ انسانی اٹھے گی مصرعے مصرعے سے
پریشاں حال آئیں گے نظر مزدور شہروں میں
مجسم زحرک نیم جاں محرومیاں یکسر
سلگتی زیست کی تنہائیوں سے دمبدم چھن کر
جو اٹھیں گے طرب گاہوں سے برقِ آشیاں بنکر
یہ خوب و زشت منظر اپنی اس دنیائے انساں کے
غریبی بے کسی بے چارگی مظلومی و ذلت
سمونا ہے مجھے گر ان کو اپنے فن کے دامن میں
تو لازم ہے کہ مجھ پہ زندگی کے ان مناظر کا

سن اے روحِ رسالت۔ شعر و فن کے حسن کی دیوی
دماغ و دل مرے ہوں گے منور اور آنکھیں بھی
دعا تیرے نزولِ پاک کی میں لے کے آیا ہوں
عنایت سے تری الہامِ حق ہوتا ہے آدم کو
سعادت تجھ سے حسنِ شعر کی ملتی ہے شاعر کو
نظر میں جس کے بس جاتی ہے تیری موہنی صورت

مرے دل کو بھی اپنی کہکشانی سے چراغاں کر
مرے نغمے ہوں سرچشمہ سعادت اور برکت کا
ہوا پامال کی ہرگز نہ اس کے پاس آ پائے
اسے آکاش کی پاکیزگی نور و لطافت دے

کیا تھا جسمِ فانی میں بقا کو جلوہ گر جس نے
شعورِ پاک میں جس کے تھا احساسِ خودی ہر دم
جمالِ ذات تھا فکر و نظر میں جس کے ضو افشاں

مری آنکھوں کو بھی نورِ بصیرت کر عطا۔ دیوی
کہ میرے شعر سے رخشندگی برسے ستاروں کی
مری تخلیق کو محفوظ رکھ ہر اثرِ بد سے تو
بگاڑ اس کا نہ کر پائے کوئی تخریب کی قوت
اسے دنیائے فانی میں ثباتِ جاودانی دے
بیانِ حق میں اک درویش کا بھی ذکر آئے گا
تجلی بار تھا حسنِ حقیقت جس کی آنکھوں میں
نشاطِ روح سے معمور تھے قلب و جگر جس کے

کہوں گا میں کہ تھا وہ کون رہتا تھا کہاں اور کیسے رہتا تھا

یہ معمولی سی باتیں ہیں بظاہر یہ بیاں ان کا
وہ معراجِ خودی مقصد جو میری زندگی کا ہے
مطابق ہے رضا سے تیری اے دیوی تو پھر مجھ کو
تری برکت ہی سرچشمہ ہے اظہارِ حقیقت کا
حقیقت کو درخشاں شعر میں کرنا ہے گر میں نے
تو رنگِ آگہی دے میرے دل کی ہر تمنا کو
مرے جذبات کو آزاد کر بندِ تعلق سے
خیالاتِ "خودی" کا بنے دل میرا آئینہ

نہیں بے سود ہیں یہ منسلک معراجِ آدم سے
جو میرے شعر کا موضوع ہے میرے فکر کی غایت
اگر موضوعِ پاک اس اعلیٰ النصب العین کا میرے
عطا فیضانِ حق کر شعر و نغمہ کی سعادت دے
تری نظرِ کرم سے ہی دماغ و دل منور ہیں
تو میری زندگی میں پہلے اس کو منعکس کر دے
مرے اخلاق میں حق و خلوص و سادگی بھر دے
مری فکر و نظر کو روشنی صدق و صفا کی دے
مجھے احساس دے کہ ہر نفس تو ساتھ ہے میرے

کہ حاصل رہنمائی ہے تری ہر کام پر مجھ کو
کرم تیرا تری برکت عطا تیری مدد تیری
شعورِ "من" میں بھی تنہا "تو ہی" "تو" کارفرما ہے

کہ میرے حال میں شامل ہے فیضانِ نظر تیرا
کہ تو موجِ نشاطِ مست بن کر ہے رواں دل میں

جمالِ فکر و نظر اے وجودِ نورانی ۱؎

I

جلالِ طاقتِ غیبی کا ایک عکسِ لطیف
صبا بہار میں چلتی ہے جیسے شاخ بہ شاخ
ہر ایک شے پہ جہاں کی ہے وہ اثر انداز
رُخِ بشر پہ ہے رونق اسی کے جلوے سے

بقدرِ حُسنِ نظر اس کے قرب کا احساس

صنوبروں کی قطاروں پہ جیسے ہوتی ہو
چمک ستاروں کی یا بادلوں کی چلمن میں
کسی کے پیار کا یا میٹھا میٹھا وہ جھونکا
نشاطِ زیست کا پیغام جانفزا لے کر

نظر سے ہو کے نہاں درمیاں ہے اپنے رواں
کلی کلی کو چمن میں نہال کرتی ہوئی
تمام صورتوں میں کائنات کی پیدا
دل و دماغ اسی کے اثر سے ہیں روشن
اگرچہ آنکھ سے اوجھل ہے وہ مگر پھر بھی
اک ارتعاش کی صورت میں سب کو ہوتا ہے
وہ ارتعاشِ رگِ جاں کہ ہے کچھ ایسا لطیف
کسی پہاڑ کے دامن میں چاندنی کی پھوار
نہاں ہوں شام کے سائے میں جیسے نغمہ و رنگ
سُریں خموش ترانوں کی یا فضاؤں میں
جو آئے زندگی کے فاصلوں سے چھن چھن کر

۱؎ میں سمجھتا ہوں کہ شیلے کا INTELLECTNAL BEAUTY کا تصور "سرسوتی" دیوی کے تصور کے بہت قریب ہے۔

II

شعاعِ حسنِ ازل۔ روحِ آفتابِ جمال
جہاں جہاں بھی ترا نورِ پاک برسا ہے
ہوئیں تجھی سے طہارت مآب فکر و نظر
ترے ہی لمس سے پیدا ہے حسنِ ہر صورت

تو اپنے رنگ میں ہر شئے کو رنگ دیتی ہے
نشاطِ زیست کی رنگینیاں چمک اُٹھیں
تری ہی کرنوں سے اِن کو ملی درخشانی
وہ حسن نورِ کشش بن کے جو دمکتا ہے

کہاں چلی گئی تو، چھپ گئی نظر سے کیوں
وسیع و تار جہاں زندگی کا ہو نہ گذر
جھلس گئی ہو جو آہ و فغاں کی گرمی سے

ترے بغیر یہ دنیا ہے ایک وادیٔ غم
کسی خوشی کی نہ جس میں کہیں ہو ہریاول
سرشکِ خوں کے جہاں اُٹھتے ہوں سدا شعلے

میں پوچھتا ہوں کہ سورج کی رنگ زا کرنیں
کیوں ایک قوس و قزح دائمی نہیں بنتیں
جہاں میں کیوں نہیں قائم وہ اپنی صورت پر
ہماری دنیا میں روشن ہے آفتابِ حیات
یہ زندگی کی درخشاں مسرّتوں کے سنگ
یہ کیوں ہیں ساتھ سنہری حسین خوابوں کے
بشر کے دِل میں محبّت ہے بے کنار جہاں
جہاں اُمیّد کے کھلتے ہیں روز تازہ پھول
جہاں ہیں کرنیں مرادوں کی رات دن رقصاں

وہ سامنے کی پہاڑی ندی کے منظر پر
میں سوچتا ہوں کہ ہر شئے جو ہے ظہور پذیر
ہر ایک صورتِ رنگیں کی کیوں ہے منزل خاک
مگر یہ نور سے دامن میں سمائے ہیں کیسے
ہیں کیسے موت کے اندیشہ ہائے دہشت ناک
جہاں میں خوف و خطر کے ڈراؤنے سائے
بھری ہے کیوں وہیں بے انتہا کدورت بھی
وہیں نکلتے ہیں کیوں نا اُمیدیوں کے غبار

وہاں اندھیرے ہیں مایوسیوں کے کیوں پیدا

III

صدائے غیب کسی ارفع تر جہاں سے کوئی

جواب دے کے نہیں آئی ان سوالوں کا — یہ راز شاعر و صوفی سے کبھی رہا ہے خفی

نہ پا سکی اسے پروازِ عقل و عرفاں بھی[1] — بشر نے کی ہے ازل سے قیاس آرائی

مِلا نہیں اُسے لیکن پتہ حقیقت کا[2] — نشان چھوڑ گئی ہے یہ سعیٔ لاحاصل

خیالِ صورتِ یزداں میں شکلِ شیطاں میں — اک اور عالمِ بالا کے خوابِ رنگیں میں

لطیف و پاک و منور شرارۂ جاں میں — ہماری روح کے روشن جبیں تصور میں

خیال بافِ تصور کے یہ نقوشِ حسیں

زبانِ خلق پہ جاری ہیں منتروں کی طرح — نہیں ہے اُن میں مگر قوتِ طلسم شکن

دل و دماغ پہ اپنے شعور کا جادو — چڑھا ہے ایسا اُترنے کو ہی نہیں آتا

ہماری حدِّ نظر حدِّ فکر حدِّ خرد — ہیں اتفاق و گماں و تغیرِ دائم

گماں سے آگے خرد اپنی جا نہیں سکتی — کھلا نہ عقدہ تغیر کا فکر سے اپنی

نہ اس سوال کا اپنی نظر نے پایا جواب — کہ کائنات ہے کیا اتفاق پر مبنی

تری نگاہِ کرم سے مگر کھلا یہ راز — کہ حدِ فکر و نظر حدِ عقل و دانش سے

اگر کسی کو گزرنے کی ہے مجال تو وہ — ترے جمال کی پردہ شگاف کرنیں ہیں

ص۱ "مقامِ جہل کو پایا نہ عقل و عرفاں نے + میں بے خبر ہوں باندازۂ فریبِ شعور"
اصغر گونڈوی

ص۲ یہ شبلی کا خیال ہے ورنہ انسان نے حقیقت کو ضرور پایا ہے البتہ یہ حقیقت بیان میں نہیں آسکتی اور اسے پانے والے بہت کم ہیں۔

لطیف ہوتا ہے جن کا نزول کچھ ایسے
کہ جیسے تیرتی ہو ڈھند دامنِ کوہ میں سے
خوش ساز کے تاروں سے یا کوئی نغمہ
بکھر رہا ہو شبِ تار کی فضاؤں میں
ہو سطحِ آب پہ یا جوئبار کی شب کو
بہت ہی ہلکی، بہت ہلکی چاندنی کی پھوار

انہیں جمال کی کرنوں سے زندگی کو ملا
سرورِ برکت و رحمت شعورِ راز صور
حیات خوابِ پریشاں تھی نور سے تیرے
چمک اٹھی ہے حقیقت ہٹے ہیں سب بلے

۱۷

جمالِ آگہی۔ اے روحِ حسنِ فکر و نظر
نہ آسکا کبھی تجھ تک شعورِ انسانی
ترا جلال ترے حسن کا نگہباں ہے

مگر جو تو دلِ آدم میں آکے بس جائے
تو دور ہوش کی ہو جائیں ظلمتیں ساری
یہ ذرہ دیکھنے میں ہے جو بے بس و مجبور

جو تیرے نور کی کرنیں یہاں بنالیں گھر
یہ ذرۂ خاک کا ہو جائے زندۂ جاوید
اسی کو قدرتِ مطلق نصیب ہو جائے
تری نگاہِ کرم کے بغیر دنیا کی

تمام نعمتیں اُڑتی ہوئی گھٹائیں ہیں
یہ خلدِ حسن و محبت یہ جنتِ امید
جنونِ عشق کی مستی و لذتِ احساس
شرابِ شہرتِ دنیا و کیفِ خودداری
ہیں چند لمحوں کی تفریحِ طبع کے ساماں
وہ چند لمحے جو ملتے ہیں مستعار ہمیں

ترے وجود کا ہے اک معمر وبار پیام
ترے خیال کی تابندگی سے ہوتی ہے
چھپا ہے ظلمتوں میں نورِ لبستہ تہ بہ تہ
لپک لپک کے اٹھا کر بلند سر اپنا
ترے جمالِ ندیدہ کو جذب کر کے بشر

ترے بغیر مری زندگی تھی تیرہ و تار
منوّر اور درخشاں ہوا ہے دل میرا
منوّر اور درخشاں اسے یونہی رکھیو
نہ گھیر لیں مجھے پھر ظلمتیں فضاؤں کی

کہ مرنے والوں کی روحیں لطیف صورت میں
کچھ ایسی روحیں ہیں جو اپنے سیدھے رستے سے
اور ایسی روحیں بھی ہیں نیک پاک و نورانی
میں ڈھونڈتا رہا بچپن میں ایسی روحوں کو
اندھیرے جنگلوں میں روشنی میں تاروں کی
تھا دل میں خوف مرے پاؤں بھی جھجکتے تھے
میں چاہتا تھا کہ ارواحِ رفتگاں کے ساتھ

یہ میٹھے پیار کی موجوں کا مد و جزر دوامی
جو حسن و عشق کی آنکھوں میں رقص کرتا ہے
جہاں میں نشو و نمائے شعورِ انسانی
وہ نور جس کو نگل کر دیئے کی لو جیسے
فضائے تار کو کرتی ہے اور بھی روشن
دل و دماغ کو کرتا ہے ویسے ہی تاباں
جمالِ فکر و نظر اے وجودِ نورانی
گھنے تھے خوف و خطر کے ڈراؤنے سائے
ترے جمال کے انوارِ پاک و اطہر سے
مزار بن کے نہ رہ جائے وسعتِ ہستی
نہ جا، نہ جا تو نہ جا اے وجودِ نورانی
سُنے تھے میں نے لڑکپن میں قصّے بھوتوں کے
ہماری دنیا میں چکّر لگاتی رہتی ہیں
بھٹک کے گھومتی ہیں ظلمتوں میں آوارہ
برستی جن سے ہمیشہ ہیں برکتیں ہم پر
عمیق وادیوں میں کھنڈروں میں غاروں میں
میں بھوت اور پریتوں کی جستجو میں رہا
مگر تلاش کو میں نے نہ اپنی ترک کیا
حیات و موت کے اسرار کی کروں کچھ بات

مری تلاش مجھے لے گئی تھی اس حد تک
کہ نام لے کے بلاتا رہا میں اُن کو بھی
ہے نام ہی میں بھرا جن کے زہر ناپاکی
مگر مری نہ کسی نے سُنی مجھے نہ آیا نظر
کسی بھی اچھی بُری روح کا لطیف وجود
میں اپنے آپ میں ہی غوطہ زن ہوا آخر
نکال لانے کو وہ گوہرِ رموزِ حیات
وہ کیفِ بے خودی اور وہ سرورِ بے خبری
ہے جس میں بس کے ہی قائم یہ کائنات تمام

اسی تلاش میں غرقِ خودی تھا میں اک شب
گھڑی تھی پاک و مبارک وہ صبحِ کاذب کی
ہوائیں عنبریں زلفوں سے شب کی خوشبوئیں
اُڑا کے ہوتی ہیں جس دم فضا میں نکہت بار
ہر ایک روح کو دیتی ہیں تازگی کا پیام
ہر ایک مہرِ طلب آنکھ کو نوید سحر
ہر ایک بُلبلِ شیدا کو نغمۂ شیریں
یہ تھی مبارک و اطہر و نور پاش گھڑی
ترے جمال کی مجھ پر پڑیں تھی جب کرنیں
پھر ایسے دفعتاً جلوا ترا نظر آیا
کہ ایک نعرۂ بے ساختہ مسرت کا
مری زباں سے نکلا۔ نشاط کی اک لہر
اُتر گئی رگ و پے میں مرے۔ میں اپنے ہاتھ
بکھر کے رہ گیا۔ ہو کر خوشی سے بے تابہ
میں تیرا ہو گیا یکسر کہ تو ہے جانِ نشاط

VI

میں تیرا ہو گیا یکسر وجیہِ نورانی
کروں گا بھینٹ تری اپنی قوتیں ساری
کیا یہ عہد کہ ہو کر رہوں گا تیرا ہی
نثار تجھ پہ کروں گا ہے اپنا جو کچھ بھی

بسی رہی ہے سدا تو ہی میری آنکھوں میں
خیال تیرا ہی سر میں رہا مرے ہر دم

دھڑکنے لگتا ہے دل اب بھی تیز تیز مرا
جو یاد کرتا ہوں میں اُن دنوں کو جب دن رات
حسیں خیال میں سرشار و مست رہتا تھا
تو جاگ جاگ کے شب بھر پکارتا تھا تجھے

کہ تجھ سے مجھ کو عقیدت بھری محبت تھی
یہ گھڑیاں وقت کے مدفن میں سو رہی ہیں اب
زبانِ حال سے اپنی تجھے بتائیں گے

ترے خیال کی لذت سے دل میں اٹھتی تھی
ترے جمال کے انوار سے تھی وابستہ
یہی تھا میرا عقیدہ یہی مرا ایمان
ہیں جس کو جکڑے ہوئے ظلمتوں کی زنجیریں
جلالِ حسنِ ازل، نگہ کرم سے تری
جو ہے شعور سے بالا - بیان سے باہر

تو جانتی ہے نبھایا ہے میں نے عہد اپنا
تری ہی یاد ہمیشہ رہی ہے دل میں مرے

اک آنسوؤں کی ندی اب بھی بہہ نکلتی ہے
جو تازہ کرتا ہوں لذت ترے تصور کی
تری ہی کرتا تھا پوجا۔ ترے ہی جلوے کے
جو ہونے لگتا تھا مجھ سے خیال دور ترا

ہزاروں گھڑیاں مری زندگی کی ہیں شاہد
کہ خود سپردگی میری تھی صادق و کامل
اُنہیں جگاؤں تو اُٹھ کر یہ عکس ہائے حسیں
کہ ہو چکا تھا میں تیرا بس ایک تیرا ہی
نشاطِ روح کی اک ایک موجِ کیف و سرور
سرورِ جاں کی درخشندگی جبیں پہ مری
مری حیات تھی بس اس اُمید پر مبنی
کہ یہ جہاں جو شکنجے میں ہے جہالت کے
یہ ہوگا تیری عنایت سے ایک دن آزاد
ملے گی نعمتِ عرفان و آگہی وہ تجھے

VII

بکھرتا جاتا ہے امن و سکونِ جاں بن کر
تو حُسنِ سادہ خزاں کا نکھرنے لگتا ہے
نہ ذکر جس کا سُنا ہو، کبھی نہ دیکھی ہو
وہ صاف صاف فضا، نیلی نیلی وہ وسعت
سکون ہو گئے درخشاں برستا ہو جیسے

جو ڈھلنے لگتا ہے دن تو فضا میں کیفِ سکوت
شباب ڈھلتا ہے جب موسمِ بہاراں کا
جھلکتی روشنی ہے آسمان سے ایسی
خیال تک نہ ہو جس کا بہار میں ممکن
اور اس سے نقرئی کرنوں کی ہلکی ہلکی پھوار

جلالِ حسن ترا برقِ آگہی بن کے
چمک اُٹھی تھی حقیقت تمام فطرت کی

سکونِ قلب کی نعمت تو اب عنایت کر
ترا پجاری رہا ہوں ترا پجاری ہوں
دکھائی دیتی ہے تو ہی ہر ایک صورت میں
جو دل میں میرے محبت بھری تھی قدرت نے
نظرِ کرم کی رہے مجھ پہ بس یونہی قائم

جمالِ فکر و نظر اے وجودِ نورِ الٰہ
ہوا تھا میری جوانی کے طُور پر نازل
مرے شعور میں طوفانِ نور اُٹھا تھا
دیا تھا جوشِ عقیدت شباب میں مجھ کو
تو جا بجا ہے جلوہ فگن ہر کسی بھی صورت میں
تری نگاہ نے مجھ پر کیا ہے وہ جادو
میں رنج کے اپنی انا سے جہاں میں چلتا ہوں
لیا ہے بانہوں میں اُس نے تمام دُنیا کو
یونہی برستے رہیں مجھ پہ شانتی اور پریم

+ انگلینڈ کے موسمِ گرما (SUMMAR) میں وہ بات ہے جو ہمارے موسمِ بہار میں ہے
اس لئے میں نے SUMMAR کو موسمِ بہار کا شباب باندھا ہے۔

لوے سے خطاب

مرحبا، صد مرحبا، اے نغمہ سنجِ آسماں
مرحبا، اے قالبِ روحِ نشاطِ سرمدی
میں کہوں کیوں کر کہ تو ہے محض مشتِ بال و پر
سرمدی نغموں کا سرچشمہ تری آواز ہے
منتقل بے ساختہ ہو کر ترانوں میں ترے

لذتِ کامل سے ہستی کی ہے تو جب آشنا
رفعتِ افلاک سے فرطِ مسرت کی پھوار
اُتری آتی ہے فضا کی وسعتوں میں دمبدم
مرحبا... صد مرحبا......

ہے بلندی سے بلندی پر تری پروازِ شوق
نیلگوں پھیلاؤ میں آکاش کے جیسے کہیں
کیسے کرتے منزلِ معراجِ ہستی کی تلاش
گاتے گاتے تو اُڑا جاتا ہے اور اُڑتے ہوئے

سر خوشی کے شہپروں پر اُڑتا ہی جاتا ہے تو
اونچا اونچا اُٹھتا جائے اک سحابِ آتشیں
ہے ترانہ تیرا البتہ تری پرواز سے
نغمۂ شیریں کو شیریں تر کئے جاتا ہے تو
مرحبا... صد مرحبا......

لے رہا ہے پہلی انگڑائی اُفق پر آفتاب
ہے دمک اُن کی سنہری، شعلگی جاگی نہیں
اور تو اے جانِ نغمہ اس فضائے پاک میں
تیز تر کرتا ہے اپنی عرش رس پرواز کو
قالبِ ہستی سے ہو کر جو سراسر بے نیاز

ہیں رُخِ تاباں کی کرنیں نیم خوابیدہ ابھی
ہو رہا ہے بادلوں پر اک ملمع نور کا
تیرتا جاتا ہے بے خود ہو کے یا پھر جوش میں
جیسے تو ہو انبساطِ زیست کی روحِ لطیف
کرتی ہو آغاز اپنی بے کرانی کا سفر
مرحبا... صد مرحبا......

اور کچھ پھیلیں شعاعیں جلوۂ خورشید کی
ہو گئے جلتے ہیں تیرے نورانی پر منظر میں جذب
جس طرح دن کو ستاروں کا ہجوم بے کراں
سن رہا ہوں میں مگر تیرے ترانے کی صدا

جتنا بڑھتا ہے ترے دل میں سرِ دیدِ نغمگی
رات کی پنہائیوں سے سن ہے کے جس طرح
گونجتی ہے ایسے کانوں میں ترے نغمے کی لے
صبح پو پھٹنے سے پہلے ہی چراغِ ہر کی لَو
سر بسر ہوتی ہے گم۔ گر چاند ہوتا ہے وہیں
ڈوب کر کیف خودی میں ہے کہیں نغمہ سرا

کُل فضائے دہر میں پھیلا ہے آہنگِ نشاط
جان اک ننھی سی ہے تو نغمگی لیکن تری
سارے عالم کو منور جیسے کر دے چاندنی
خود نگر شب اپنی عریانی میں ہو سرشار جب

علم کچھ مجھ کو نہیں تو کیا ہے تیری اصل کیا
جن گھٹاؤں کو ملے توسِ قزح کے ہفت رنگ

آسماں کا اُودا اُودا رنگ پھیکا پڑ گیا
تو مجھے اب تو دکھائی بھی نہیں دیتا کہیں
آنکھ سے ہوتا ہے غائب باوجود آب و تاب
مدھ بھری مستِ سرور و کیفِ پروازِ خودی

مرحبا۔ صد مرحبا ۔۔۔۔۔۔۔

اٹھتی ہی آواز ہوتی ہے تری تیز و بلند
نقرئی ناوک اُترتے ہیں زمیں پر تیز تیز
میری آنکھوں کو مگر تو خود نظر آتا نہیں
جیسے ہو جاتی ہے مدھم صد دن چڑھتے ہی پھر
تو بھی ہو سیقار گردش۔ دور نظروں سے مری

مرحبا۔ صد مرحبا ۔۔۔۔۔۔۔

تیری آوازِ طرب زا سے جہاں معمور ہے
چھا رہی ہے یوں زمین و آسماں پر ہر طرف
جیسے کہ اک آوارہ بادل کی ردائے پاک سے
اور بارش کر رہا ہو ماہِ کامل نور کی

مرحبا۔ صد مرحبا ۔۔۔۔۔۔۔

کوئی شے ایسی نہیں دوں جس سے میں تیری مثال
اُس کے امرت میں کبھی وہ آنند رس تو نہیں

جو ہے تیرے نغمۂ سیال کی برسات میں

ہر طرف بکھرے ہیں سُر تیرے مگر غائب ہے تو
مستِ کیفِ بےخودی غرقِ جلالِ آگہی
آج سُننے کی نہیں ہے تاب دُنیا کو مگر
اور اُن کی نغمگی پر سر دُھنے گا کُل جہاں
سچی ہمدردی کا جلوہ بےغرض الفت کا رنگ
برقِ حق و آگہی کے شعلہ ہائے خوف سوز
جلوتِ روحِ بشر کا خود درخشاں حسنِ ذات
تیرے نغموں میں رواں ہے نورِ وہ الہام کا

ہیں پریشاں سُر ترے ہر سُو مگر غائب ہے تو
بُرج میں اپنے محل کے بیٹھ کر سب سے الگ
اپنی تشنہ روحِ محبوبی کی تسکیں کے لئے
جس کے سُر دیوار و در کی بندشوں کو توڑ کر

دامنِ شبنم میں یا اک وادیٔ سرسبز کے
اور آئے دمبدم شانِ لطافت کی جھلک

مرحبا۔ صد مرحبا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جیسے چھُپ کر کے کوئی شاعر اکیلے ہی کہیں
خود بخود ہی گنگناتا جائے وہ نغمے جنہیں
کل کریگا اُن کی عظمت کا زمانہ اعتراف
دیکھ کر اُن میں حقیقت کا جمالِ نور پاش
ہمتِ انساں کی عظمت، عزمِ انساں کا جلال
لَو محبت کی۔ اخوت کی تجلّیٰ، نور ہست
ہے تری آواز میں اُس شعلگی کا ارتعاش
شاعرِ تنہا کے ہیں جس سے ترانے برق پاش

مرحبا۔ صد مرحبا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جیسے دوشیزہ کوئی۔ اعلیٰ نسب، عصمت مآب
اور تنہا ساعتوں کی گونگی چلمن کھول کر
چھیڑ دیتی ہے کوئی پُر سوز نغمہ پیار کا
گھول دیتے ہیں فضا میں ہر طرف رس پریم کا

مرحبا۔ صد مرحبا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

چھُپ کے کوئی کرمکِ شب دے رہا ہو اپنی لَو
سبزہ و گُل کے تلے سے ہلکے نیلے نور کی

مرحبا۔ صد مرحبا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

یا کوئی گل چھپ کے پتوں کے حریمِ ناز میں
اور اُمگر کے دبے پاؤں نسیمِ صبح واں
پی کے پھر اس کے بدن کی مدبھری خوشبو بہار میں
صحنِ گلشن میں کرے اس کو ہر اک سو منتشر

کیفِ رنگ و بو میں اپنے ہی سراسر مست ہو
اُس کو دے اک بوسۂ جوشِ محبت سے جگا
جھونکا جھونکا لڑکھڑاتی ڈگمگاتی جھومتی

عشق کا کیف و سرور اور حسن کا نور و جلال
ہے بہشتِ گوش نغمہ۔ خلدِ نظارہ بھی ہے
صحنِ گلشن میں نسیمِ صبح گاہی کی مہک
موسمِ برسات کی بارش کا شیریں جل ترنگ
ہر وہ شے جس سے ابھرتا ہے سرور و تازگی
ہر وہ شے اُٹھتی ہے جس سے دل میں موجِ نغمگی

مرحبا۔ صد مرحبا......
شعلگی اور نغمگی میں ہے تری آواز کی
شاخِ تر پہ غنچہ ہائے نو دمیدہ کی چٹک
نوکِ سبزہ پر درخشاں قطرہ ہائے آب پر
ہر وہ شے جس سے جھلکتی ہے نشاطِ زندگی
ہر وہ شے پیدا نظر میں جس سے ہے پاکیزگی
سب کا میٹھا رس ٹپکتا ہے ترانے سے ترے

جو بھی ہے تو۔ طائرِ ارضی کہ ہے روحِ سما
کس حقیقت کی حلاوت ہے خیالوں میں ترے
نیک اندیشی، محبت، دوستی، صدق و صفا
پر کسی میں بھی نہیں ہے وہ سرورِ سرمدی
موجزن ہے جس کا اک طوفاں تری آواز میں

مرحبا۔ صد مرحبا......
کھول دے تو آج ہم پر رازِ کیفِ زندگی
تو نے پائی ہے کہاں سے پاکیٔ فکر و نظر
سینکڑوں میں نے سنے نغمے شرابِ عشق کے
والہانہ مستی و کیفِ نشاطِ بے خودی

فتح و نصرت کے ترانے ہوں کہ "کورس" حمد کا

مرحبا۔ صد مرحبا......
سامنے نغموں کے تیرے کھوکھلے سے ہیں سبھی

CHORUS

اُن کو سنتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہیں
جوشِ جذبہ ہے کہاں، اُن میں کہاں شانِ سرود
رہ گئی ہے ان میں جیسے کوئی انجانی کمی

ہاں بتا ہے سرخوشی کا تیری سرچشمہ کہاں
کن مناظر کی جھلک ہے تیری چشمِ شوق میں
کون سی ہیں وہ زمین و آسماں کی صورتیں
اصل کیا ہے اس محبت کی جو تیرے دل میں ہے
جو ہے عرفانِ حقیقت جو ہے طوفانِ نشاط

مرحبا۔ صد مرحبا.........
کس نشاطِ جاوداں کی دل میں ہیں موجیں رواں
کوہ، دریا کون سے ہیں بحر و بر ہیں کون سے
جن سے تیری نغمگی آتی ہے اپنے جوش پر
وہ محبت درد سے یکسر نہیں جو آشنا

یہ نشاطِ روح یہ سرمستی یہ رقصِ حیات
بے دلی کا اس مسرت میں نہیں ہوتا گزر
عشق میں تیرے نہ سیری ہے نہ ہے تشنہ لبی
تو ہے عرفانِ محبت تو ہے طوفانِ نشاط

مرحبا۔ صد مرحبا.........
جو سدا ہر حال میں ہے مسرت کی معراج پر
پاس تک تیرے پھٹک پاتی نہیں آزردگی
عشق ہے تیری حقیقت حسن کی ہستی ہے تو

میں اگر تجھ کو سمجھ پایا ہوں تو لازم ہے یہ
جاگتے ہی میں نہیں سوتے میں بھی سپنے میں بھی
موت سے تیرے لئے ہوتی نہیں ہستی فنا
موت کی رہ سے گزر کر ہی تو ملتی ہے بقا
پائیدار و ارفع و اعلیٰ حقیقت کا پتہ

مرحبا۔ صد مرحبا.........
ہم سے ہوگا مختلف تیرا تصور موت کا
تجھ کو تو آتا نہ ہوگا خوف، کوئی موت سے
زیست کے لمبے سفر کا موت ہے اک مرحلہ
ہم سمجھتے ہیں حقیقت جس کو اس سے بھی کہیں
ہے ترے احساس کو۔ تجھ کو نہیں مرنے کا ڈر

ہے یقیں کامل تجھے اس کا کہ لافانی ہے تو
اور نغمے میں ترے ہوتی نہ اتنی آب و تاب

ہم گذشتہ اور آئندہ میں جیتے ہیں سدا
کرتے ہیں اس کی تمنا جو نہ حاصل ہو سکے
اُٹھتا رہتا ہے ہمارے قہقہوں کے درمیاں
تیری دُنیا میں نہیں ہے رنج و کلفت کا نشاں
فکر کی گہرائیوں سے اُٹھ کے بنتا ہے غزل

یہ اگر ممکن کبھی ہو جائے کہ کر دیں ترک ہم
اور ایسا بھی اگر ہو جائے کہ احساسِ درد
دل نہ ہو غم سے نہ آنکھیں آنسوؤں سے آشنا
کہ میسر ہو ہمیں وہ کیفِ ہستی وہ سرور

حسنِ تخلیق و تخیل صوت و صورت کا جمال
سرمدی نغمے کی تیرے ہے وہ معراجِ کمال
کاش حاصل مجھ کو ہوتا وہ کمالِ نغمگی
ہے دماغ و دل کو تیرے جس کا احساس و شعور
اس کا اک حصہ کبھی حاصل مجھ کو ہو جائے اگر

ورنہ تیرے شعر نہ ہوتے اسقدر شیریں و پاک

مرحبا۔ صد مرحبا..........

غم گذشتہ کا ہمیں ہوتا ہے آئندہ کی فکر
ہم اگر ہنستے بھی ہیں تو دل سے انجانا سا درد
ہیں خوشی کے بھی ترانے غم سے آلودہ یہاں
سب سے میٹھے ہیں جو ہی نغمے ہمارے جن میں غم
دردِ غم سے ہیں مگر نغمے ترے نا آشنا

مرحبا۔ صد مرحبا..........

نفرت و خوف و غرور و خود ستائی و حسد
ہو چکتم ہی سے نہ شامل فطرتِ انسان میں
پھر بھی تو مجھ کو یقیں آتا نہیں اس بات کا
جو بہم ملتا ہے ترے نغمے سے اے روحِ نشاط

مرحبا۔ صد مرحبا..........

ان سے بھی بڑھ کر کبھی۔ اے مطربِ اوجِ سما
جس سے بن جاتی ہے خود شیریں ترانہ زندگی
وہ نشاطِ بے خودی وہ سرمدی کیفِ حیات
راز ہے اس کے اگر کر دے شناسا تو مجھے
میرے لب سے بھی ہوں مترشح وہ ہم آہنگیاں

جوشِ نغمہ کی جنہیں سُننے کو دنیا ہمہ تن
گوشِ برآوازہ ہو، ایسے ہی جیسے آج ہیں

سُن رہا ہوں تیرا نغمہ سرخوشی میں ڈوب کر
مرحبا، صد مرحبا........

"اڈونِس"+

(مرثیہ شاعرِ جواں مرگ۔ کیٹس)

"ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما" حافظ

وہ جس نے سوز و کیفِ نغمہ بخشا سازِ عالم کو
عطا جس نے کیا رنگِ تبسم حسنِ فطرت کو

حقیقت آشنا، وہ رازدارِ اسرارِ قدرت کا
وہ میرا ہم زباں، ہمسازو ہمدم وہ جواں شاعر

بہانے اس کی مرگِ ناگہاں پر خون کے آنسو
دل و دیدہ میں طوفانِ غمِ جاں لے کے آیا ہوں

تو اے مادرِ فطرت بہائے اشکِ خوں تو بھی

+ شیلی کی نظم میں یونانی ادب اور مائیتھالوجی (دیومالا) کے خصوصی اشارات اور کنایات کا ایک خاص مقام ہے لیکن انہیں ترجمے میں شامل نہیں کیا گیا کیونکہ انگریزی ادب سے واقفیت رکھنے والوں کو چھوڑ کر بیشتر پڑھنے والوں کے لئے ان اشارات و کنایات کی تشریح و توضیح لازم ہو جاتی ہے اور اس سے نظم کے اثر انداز ہونے میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ اس ترجمے میں کوشش اس بات کی کی گئی ہے کہ شیلی کی نظم کی روح اُردو ادب کے محاورے اور ماحول کو اپناتے ہوئے جہاں تک ممکن ہو اس نئے قالب میں اپنی اصلی درخشندگی کے ساتھ جلوہ گر ہو اور اس کی معنویت میں فرق نہ آنے پائے۔

گیا ہے تیری دنیا چھوڑ، تیرا بے مثل بیٹا +
ہمارے سوگ میں شامل ہو آکر ارضِ خاکی پہ
لئے اشکوں میں ڈوبے مرثیوں کے ہار ہاتھوں میں
تمہاری شاعری کی شان تھا عظمت تھا جو شاعر
اُسے چھینا ہے ظالم موت کے ہاتھوں نے اب ہم سے
چلو ہم فرطِ غم سے اُس کو بھی غم آشنا کر دیں

وہ نازک، زرد رو گل بیتیوں میں خون ہو جس کی
جسے سینچا گیا ہو رات کی حساس گھڑیوں میں
ملا ڈالا ہے جس کو خاک میں بے رحم ہاتھوں نے
نئی اور تازہ تخلیقوں کے رنگیں خواب وہ اُس کے
جو احساسِ ترنم زا کے دامن میں فروزاں تھے
ہوئیں رنگینیاں سب غرق طوفاں میں اندھیروں کے
اُٹھیں گی خاک سے نا آفریدہ صورتیں اب کیا
دماغِ نورزا سے کوئی کرنیں اب نہیں اُٹھتیں
وہ تخلیقیں جو تھیں اس کی مسیحائی کا آئینہ
وہ زندہ خواب، تصویریں وہ جیتی جاگتی ہنستی
جنہیں رقصاں کیا تھا اس کے اعجازِ ترنم نے
وہ سب کی سب کھڑی ہیں سر جھکائے اس کے سرہانے

تم اے جنت رسیدہ شاعروں کی غمزدہ روحو
اکٹھے ہیں یہاں ہمدرد و ہمدل ہم عصر شاعر
ہمارے ساتھ آ کر گریہ و ماتم کرو تم بھی +
جمالِ ہست کا شاعر سرودِ حُسن کا خالق
وہ ہنستی ہے ہماری بے کسی پر نارسائی پر
چلو ہم موت کی آنکھوں کو بھی نمناک کر ڈالیں
ہمارا شاعرِ نوخیز تھا اک نیم وا غنچہ
کسی مہجور دوشیزہ کے اشکِ غم کی شبنم سے
ابھی جو شاخ پر پوری طرح کھلنے نہ پایا ہو
مَسل کر دستِ گلچیں خاک کر دے پھول کو جیسے
جو نورانی فضاؤں میں تخیّل کی درخشاں تھے
ہوئے ہیں سرد وہ سارے دماغ و دل اکیسا ہے
پریشاں ہو گئی ہیں موت کے تاریک دامن میں
نہیں گرمی اب اس دل میں جو دیتا تھا انہیں گرما
مگر ہاں جن خیالوں کو وہ دے پایا تھا جسم و جاں
دمِ جاں بخش نے روحِ نغمگی کی جن میں پھونکی تھی
جنہیں سچی محبت کا دیا تھا سوز و ساز اس نے
درخشندہ و تابندہ وہ حُسن و نور کی پریاں
لئے ہر ایک لڑیاں موتیوں کی اپنی آنکھوں میں۔۔

وہ اک دوشیزۂ تخلیق غم سے ہو کے بے قابو
لیا تھام اس کا سر اور سسکیاں بھرتے ہوئے بولی
وہ دیکھو اس کی پلکوں پر بھی اک آنسو درخشاں ہے
مگر در اصل وہ آنسو تھا اس کا اپنا ہی آنسو
پری اک دوسری اُٹھی لئے اک ظرفِ نورانی
چھڑک کر جسم پر اس کے وہ قطرے نور کے بولی
"وہ خالق زندۂ جاوید تخلیقوں کا زندہ ہے"
ستاروں کی طرح اشکوں کے موتی جن میں روشن تھے
وفورِ غم نے اُس کی بند کر دی تھی زباں۔ لیکن
وہ شعلہ برقِ نغمہ بن کے جو ہوتا تھا نور افشاں
لبِ محبوب تک پہنچا مگر برفا گیا یکدم
لکیرِ اک دُھند کی پھیلی فضائے غم کی وسعت میں
مگر شعلہ حقیقت کا کبھی بجھنے نہیں پاتا
بہت سے نور پارے اب بھی اس کے تخیل کے
کیا تھا اس نے جلوہ گر لباسِ شعر و نغمہ میں
زبانِ خامشی سے کہہ رہے ہیں سب کے سب مل کر

اُٹھی ہے صبح اپنے ساتھ لے کر چیختی کرنیں
ٹپکتے آنسوؤں کی خامشی میں غرق، رات آئی

جھکی اور اپنے نازک، کانپتے حساس ہاتھوں میں
"مرا محبوب زندہ ہے ۔ مرا محبوب زندہ ہے
دُرِ شبنم ہو خوابیدہ کلی پر جیسے نور افشاں"
وہ آنسو جس میں اس کی زندگی کا راز مضمر تھا
وہ شبنم آسمانی جس میں لائی تھی ستاروں سے
"مرا محبوب زندہ ہے وہ ہرگز مر نہیں سکتا"
پری پھر تیسری اُٹھی اور اپنے عنبریں گیسو
پریشاں کر دیئے اُس پیارے پیارے زرد چہرے پر
سلگتی آگ دل کی شعلہ بن کر آئی ہونٹوں تک
شہابِ سوزِ غم یہ دردِ جاں کا شعلۂ پراں
شعاعیں اس کی بکھریں ایک ہلکا سا دھواں بن کر
جو کہتی جا رہی تھی "نور چھپ سکتا ہے دم بھر کو
"مرا محبوب زندہ ہے مرا محبوب زندہ ہے"
جنہیں صورت و نامِ رنگ و بو تے زندگی دے کر
جو ہیں موجود اُس کی موت پر آنسو بہانے کو
"مرا محبوب زندہ ہے مرا محبوب زندہ ہے"
وہ مشرق سے شفق کا خوں لئے آنکھوں میں بکھرے
غم آلودہ ستاروں کا ہجوم نوحہ خواں لے کر
فضا میں کرب سے کراہ رہے ہیں آج سب طوفاں

گئے ہیں بھول اپنی تیزی و تندی کو وہ یکسر
اُسے لیکن یہاں بھی چین تو حاصل نہیں ہرگز
فضائے زندگی کی وسعتوں پر چھایا سناٹا
ہیں دریا بے صدا چھائی پہاڑوں پہ ہے خاموشی
نہیں دامن میں وادی کے کوئی آواز اب باقی
پرندوں کی صداؤں کا نہ دریاؤں کی شورش کا
دمِ جاں بخش سینے میں صبا کے رہ گیا گھُٹ کر
ہوئی ہے غم سے پاگل اپنی فطرت بھول بیٹھی ہے
کمر دل گی اب ہیں کیا کیسے کھلیں گے پھول گلشن میں

سمندر فرطِ غم سے اپنی گہرائی میں ڈوبا ہے
مچلتا ہے یہاں بھی دل میں اس کے درد کا طوفاں
ہوائیں سر پٹک کر اپنا آہیں بھرتی جاتی ہیں
زباں اپنی کٹے ہے بندِ غم میں گورنج کی دیوی
جوابِ بازگشت آتا نہیں ہے کہساروں سے
نہ تیز و تند طوفاں زا ہواؤں کے تھپیڑوں کا
بہارِ گلستاں نے کھو دیئے ہوش و حواس اپنے
کہے جاتی ہے وہ "جانِ بہاراں اب آئے گا"

جبینِ نُور زا پر ہے غمِ جانسوز کا سایا
وہ یوں مجبور و بے بس ہو کے یکسر بین کرتی ہے
ابھی تو روپ بھی تیری جوانی کا نہیں نکھرا
نہ بن پایا جواب اُن کے ستم کا تیری فطرت سے
تو کرتا جا رہا تھا جلوہ گر حسنِ حقیقت کو
تھی تیری روحِ عالمتاب میں رخشندگی تو کیا
کہ تو تاریکیوں سے برسرِ پیکار بھی ہوتا
مری ما تو ذرا رُک جاؤ۔ جانے کی ہے جلدی کیا
جو پہنچی شدتِ غم مادرِ گیتی کی اس حد تک

وہ اُتری خلد سے آنسو بہاتی مادرِ گیتی
وہ دیوی ہر نفس سے جس کے کیفِ زندگی پیدا
"سُن اے لختِ جگر ماں کی۔ نہ مجھ کو چھوڑ کر تو جا
کیا احساس دل کو تیرے چھلنی اہلِ دنیا نے
تو خورشیدِ ازل کا نور اپنے ساتھ لایا تھا
تجھے ارض و سما کو نور سے معمور کرنا تھا
طبیعت کو مگر تیری گوارا تھا نہ یہ ہرگز
کنارا ظلمتوں سے اس جہاں کی کر لیا تو نے
تجھے اک بار میں پھر پیار کر لوں تو چلے جانا"
تو آیا جوش پر اس کا جلالِ ذات دفعتاً

ہوئی مرعوب موت اور ہٹ گئی پیچھے گھڑی بھر کو
گئی پھر کوند برقِ سوزِ دم شاعر کے ہونٹوں پر
وہ لمحہ زندگی کا ایک دھوکا تھا چھلاوہ تھا
یہ اندازِ جنوں لیکن نہیں منظور قدرت کو
صدا یہ درد کی گہرائیوں سے یک بیک اُٹھی
بدلتی ہیں مسلسل صورتیں ہی حُسنِ جلوہ کی
ہے اس کا غم یقیناً لیکن مٹ جائے گا یہ غم بھی
وہ جانِ شعر و نغمہ جو رواں تھا درمیاں اپنے
کبھی سوچا ہے کیا ہیں ہم کہاں سے آئے ہیں منزل ہے کیا اپنی
جہاں چھوٹے بڑے سب کو بالآخر موت آتی ہے
جہاں رنج و الم کی آئے دن تجدید ہوتی ہے
سنو اے غمزدہ نوحہ گرو - یہ رازِ سر بستہ
یہ درد و غم جہاں کے جسم ہی سے ہیں وابستہ

بھیانک موت کا جو خوف چھایا تھا لگا ہٹنے
مجرد النفس، روحِ لطیف و ارفع و اعلیٰ
نظر نے جس کی عریاں کر دیا تھا حُسنِ فطرت کو
(رسائی عرش تک تھی جس کے بے پایاں تخیّل کی)
تھی جس کی لغزشِ پا ارتقائے زیست کی منزل

لگا ایسے کہ لوٹ آئی حیاتِ رفتہ پھر واپس
ہنسی تھی موت کی سحرِ اُمیدِ خود فریبی پر
غم و اندوہ کی یہ جاں گسل ادراک کا صورت
کہ ہے ہر حال میں صبر و سکوں قانون فطرت کا
"جو ہے وہ مر نہیں سکتا حقیقت مٹ نہیں سکتی
وہ صورت اب نہیں باقی ہمیں جس سے محبّت تھی
جو تم اس بات کو پا جاؤ گے کہ اب بھی زندہ ہے
وہ زندہ ہے، وہ زندہ تھا - وہ زندہ تا ابد ہے گا
ہیں میدانِ عمل میں گامزن یا ہیں تماشائی
جہاں دن رات کے چکر ہیں ماہ و سال چکر ہیں
کبھی سوچا بھی ہے آخر کوئی شئے ہے جو باقی ہے؟
ہمارا جسم فانی ہے ہماری روح لافانی
نشاطِ جاوداں ہے اصل اپنی روحِ اطہر کی"
صدائے غیب سُنتے ہی چھٹے غم کے سیاہ بادل
اُٹھا نوحہ گروں میں ہی سے اک نوحہ گرِ واحد
لطافت جسمِ مادی سے بھی اُس کی پھوٹی پڑتی تھی
نکل کر وسعتِ ارض و سما سے بھی کہیں آگے +
تھی جس کی ناتوانی بے پناہ طاقت کا سرچشمہ
تجلی جس کی پردوں سے ہکاں کے - نور افشاں تھی

محیطِ جاں میں جس کے تھیں زماں کی وسعتیں ساری
مجازِ صورتِ ہستی کو جس نے خود ہی اپنایا

دکھانے کو جھلک ہلکی سی اک حسنِ حقیقت کی
تھی تنہائی میں جس کی رونقِ ہر دو جہاں پیدا

سکوتِ لب میں جس کے نغمگی کی روح تھی رقصاں
محبت جس کی تھی کیفِ سرورِ زیست کا مخزن

دیا اُس نے یہ پیغامِ بقا کچھ اس طرح سب کو
شہاب اپنی ضیا دے کر ہو جیسے آنکھ سے اوجھل

چمن سے جا رہا ہو گُل رخصت چمن کو دے کے رنگ و بو
کہا اُس نے "سنو نوحہ گرانِ شاعرِ رفتہ

میں لایا ہوں تمہارے واسطے پیغام تسکیں کا
یہ مانا زہر دے کر حاسدوں نے بغض و نفرت کا

جوانی ہی میں یارِ آشنا کو مار ڈالا ہے
مگر یہ جسم ہی کی موت ہے وہ خود تو زندہ ہے

امر تھا وہ امر ہے موت اس کو آ نہیں سکتی
ہے سچ تو یہ کہ وہ خوابِ گراں سے جاگ اُٹھا ہے

یہ وہ خوابِ گراں ہے زندگی کہتے ہیں ہم جس کو
کبھی اس خواب میں ہم سرخوش و سرشار رہتے ہیں

کبھی طوفان ہم پر ٹوٹ پڑتے ہیں الائم کے
گذرتے روز و شب ہیں مبتلائے کشمکش ہو کر

خیالی مشکلوں سے آئے دن ہم جنگ کرتے ہیں
فتح کرتے ہیں ہم موہوم و بے بنیاد قلعوں کو

بسا اوقات ہم حدِ جنوں تک پہنچ جاتے ہیں
اسی میں صرف ہو جاتی ہے سب تاب و تواں اپنی

اُمید و بیم کرتے ہیں ہمارے جسم کو چھلنی
غم و غصہ ہماری ہڈیوں کو پیس دیتے ہیں

بالآخر سلسلہ لاحاصل و بے سود کاوش کا
ہمیں برباد کر دیتا ہے اور ہم جیتے جی مر کر

یونہی بس دیکھتے رہتے ہیں خود اپنی تباہی کو
یہی ہے زندگی اپنی جسے خوف اور مایوسی

مسلسل ہر گھڑی گھُن کی طرح بس کھاتے رہتے ہیں
مگر اس جیتے جی کی موت سے ہم چھوٹ سکتے ہیں

ہم اِس خوابِ پریشاں کُن کا جادو توڑ سکتے ہیں
نکل آئیں اگر اپنی انا کی بندشوں سے ہم

حدودِ زعمِ علم اور سدِ راہِ خود پرستی سے
حصارِ وقت سے قیدِ مکاں سے بندِ ہستی سے

ندیم اپنا ہوا آزاد چل کر موت کی رہ پر
نجات اُس کو ملی چھوٹا وہ ہر بندِ تعلق سے

حسد اور بغض، نفرت اور عداوت سے وہ گزرا ہے
ہماری برق یا خوشیاں کبھی اُس تک جا نہیں سکتیں
جہاں وہ ہے وہاں پیدا ہے تابانی ہی تابانی +

نہیں موت اُس کو آئی، موت کو یہ موت آئی ہے
وہ جس کی رحلتِ بے وقت پر ہم سب ہیں نوحہ خواں

ہر اک قطرے کو شبنم کے آنسو بن کے تم بنا موتی
وہ روحِ شعر و نغمہ درمیاں ہے آج تم سب کے

سبق دیتی ہے اُس کی روح تم کو سربلندی کا +

چھپاؤ درد کی گہرائیوں میں، غم کے پردوں میں

نہ آنے دو ذرا بھی گردِ غم اپنے تبسم پر
فضا میں چار سو پھیلی ہے خوشبو اسکے گیتوں کی +

یہ چادر سوگ کی جو پہن رکھی ہے فضاؤں نے
نشاطِ زیست کا خاکِ زمیں تک نور آنے دو +

ستا سکتا نہیں اسکو عذابِ عیش و عشرت بھی
گیا ہے وہ نکل آگے شبِ تاریکِ ہستی سے

وہ ہے بیدار و خود آگاہ، زندہ ہے وہ زندہ ہے
نہ تم آنسو بہاؤ سوگ میں اُسکے جو زندہ ہے
وہ روحِ پاک و اطہر ضوفشاں ہے حسنِ فطرت میں
اُٹھو اے دوشیزگیِ صبح، سورج سے ضیا لیکر
نہ تم آہیں بھرو اے کہسارو، وادیو، غارو
کیا سو بار رہبر تم جہانِ شوق کو جس نے +
نہ اپنا سر جھکاؤ سوگ میں، شاخِ شجر تم بھی

نہ تم اے چشمہ ہائے کوہ اپنے نقرئی نغمے
سنو تو کون ہے نغمہ سرا پھر ان فضاؤں میں +
چمن کے واسیو، اے تازہ پھولو، نیم وا کلیو
کیا ہے اس کے حسنِ شعر نے رنگیں بہاروں کو

ہواؤ تازہ دم ہو کر اٹھو اور پھینک دو لیکر
ہے اُس کی روح نور افشاں فلک پر کہکشاں بنکر

دوئی اس کی ملی وحدت میں وہ فطرت سے ہے واصل
وہ ہے نغموں میں بلبل کے وہ ہے شورش میں طوطی فاختہ کی
اندھیروں کی سیاہی میں۔ اجالوں کی شعاعوں میں
وہ ہر ذی روح کے احساسِ ہستی کا ہے آئینہ
وہ جزو ہے کُل میں شامل ہے وہ قطرہ واصلِ دریا
وہ ہے حاضر و ناظر بس کہ اس ذاتِ منور سے
محبت وہ ہوئی تخلیق جس سے سارے عالم کی
وہ اس حسنِ ازل میں بس رہا ہے جس کے جلوؤں کو
ہر اک ہے صانعِ عالم کی قدرت میں وہ ہے شامل
دیا ہو نرم و نازک ڈال کر سانچوں میں صورت کے
کبھی لطف و کرم سے اور کبھی تعذیب سے کلفت سے
نفاست اور لطافت میں سدا تبدیل کرتی ہے
اور احساسِ خودی دیتی ہے اس کو سوزِ الفت سے
نمایاں ہے جو حیواں میں درخشاں ہے جو انساں میں
حقیقت جس میں اپنے حسن کا دیدار کرتی ہے
انا الحق کی شعاعیں پھیل جاتی ہیں دو عالم میں
زماں کی وسعتوں میں وہ ستارے بن کے ڈھلتے ہیں
وہ چھپ سکتے ہیں نور انکا مگر یکساں ہی رہتا ہے
چھپا لیتا ہے انکے جلوۂ تاباں کو آنکھوں سے
وہ ہیں نورِ احد کی جاوداں کرنوں کے آئینے ۔

ہوئی آواز شامل اسکی فطرت کی صداؤں میں
وہ ہے موجود ہر جا ہر وہ پیدا ہے ہر اک شے میں
رگِ ہر سنگ میں ہے وہ۔ وہ ہر شاخ و شجر میں ہے
وہ مظہر ذاتِ باری کا کرشمہ قدرتِ حق کا
اسے ادراکِ کل ہے وہ ہمہ بیں ہے ہمہ داں ہے
کرم ہے بیکراں جس کا اتھاہ جس کی محبت ہے
کرم وہ جس سے ساری کائناتِ زیست قائم ہے
کیا اس نے حسین تر شعر کے آئینہ خانے میں
جو قدرت ڈھالتی ہے مادۂ تخلیقِ عالم کو
جو قدرت ارتقا کے راستے سے جس کثافت کو
کبھی شبنم کی نرمی سے کبھی طوفاں کی سختی سے
لطیف اجزائے ہستی میں عیاں پھر روح کرتی ہے
وہ احساسِ خودی شاخ و شجر میں جو جھلکتا ہے
یہی احساسِ روشن ہی تو ہے آئینہ قدرت کا
جمالِ غیب اور حسنِ نمو دوچار ہوتے ہیں
جو انساں جذب کر لیتے ہیں ان کرنوں کو اپنے میں
یہ ممکن ہی نہیں کم ہو کبھی ان کی درخشانی
ہے اُن کی موت بھی ہلکا سا اک پردہ جو دم بھر کو
مگر کچھ فرق تابانی میں ان کی آ نہیں پاتا

یہ پیغام بقا سنتے ہی آنسو تھم گئے سب کے

وہاں چھائے تھے جتنے غم کے بادل چھٹ گئے سارے
وہاں جو آشنا و دوست تھے ڈوبے تھے غم میں

جھکائے سر کھڑی تھیں وہاں جو پریاں شعر و نغمہ کی
وہاں جو پاک روحیں عالم بالا سے اتری تھیں

مٹا ان سب کا غم پھیلیں نشاطِ روح کی موجیں
بقا کا یہ ترانہ گونج اٹھا آسمانوں میں

"ایک جو ہے وہ ہے امر
دائم و لازوال ہے

بس ہے اسی کو ہی ثبات
باقی تمام صورتیں

حسنِ تجلیات کی
بنتی بگڑتی ہیں سدا

پردۂ غیب نور پاش
جلوہ گہِ جمال ذات

لیک نمو کی روشنی
سایوں کا اک ہجوم ہے

چادر زیست پر رواں
ہرگز نہیں جسے ثبات

نام و صور ہیں اصل میں
خاکوں کا ایک کارواں

منزل سے اپنی بے خبر
رنگ و جمال زیست ہے

شیشہ گری کا اک طلسم
شیشے کا چتر ہے حیات

پیدا ہے جس سے سحرِ رنگ
ورنہ ازل کا نور تو

رنگ سے بے نیاز ہے
رنگِ نمو کا یہ طلسم

قائم ہے موت تک فقط
موت کے ہاتھوں چتر یہ

ہوتا ہے ٹکڑے ٹکڑے جب
نور احد بشانِ خود

آتا ہے رقص وجد میں
پاتا ہے رازِ زندگی

اس تک پہنچنا ہے اگر
جس کی تجھے تلاش ہے۔

تو تُو فنا سے مل گئے

تو خاموشی کے پردوں سے اٹھی آواز پھر اسکی
وہ مست و بے خود و سرشار ہو کر گائے جاتا تھا
وہ حسن جس میں بسی ہے جہان کی ہر شئے
تجلیات سے معمور ہے درخشاں ہے
وہ حسن جس کی کشش زندگی کی حرکت ہے
وہ حسن جس کی شعاعیں ہیں برکتوں کا ہجوم
وہ حسن جو ہے ہمیشہ عروج پر اپنے
وہ حسن جس کے سہارے ہے زندگی قائم
وہ شعلگی جو درخشاں ہے جسم حیواں میں
وہ وسعتوں میں فضا کی شرارہ ہائے حیات
نشاطِ زیست کی سرمستیوں سے رنگیں ہے
بفرقِ شیشہ کم و بیش نور افشاں ہے
وہ نور جس کی ہے ہر ایک کو تلاش یہاں
ہے کائنات کا ہر ذرہ تشنہ جس کے لئے
مٹے ہیں موت کے سارے ڈراؤنے سائے
ہے ذرے ذرے میں ہیروں کی روشنی کا طلوع
نہا کے نور میں نکلی ہے روح ہر شے کی

اپنی خودی کو دے مٹا "

بقا کے اس ترانے کی جو کچھ مدھم ہوئیں لہریں
جو لایا تھا پیام راحت و تسکین و دلجمعی سے
"وہ حسن جس سے بہار نمو عبادت ہے
وہ حسن موج تبسم ہے جس کی سب عالم
وہ حسن جس کے دم جاں نواز سے ہے حیات
وہ حسن جس سے ہیں گردش میں آسمان و زمین
وہ حسن جو ہے سدا زندہ اور پائندہ
وہ حسن جو دل گیتی میں عشق بنتا ہے
وہ برق نغمہ جو روح بشر میں رقصاں ہے
وہ بحر دہر میں حیات آفریں تموج ہے
وہ نور جس کی شعاعوں سے ہے کائنات تمام
ضیائے عرش وہ جس سے چراغ ہر قالب
وہ نور اپنی نظر سے نگر ہے جو بنیاں
وہ موج آتشِ سیال و شرارۂ تاب
وہ نور برسا ہے مجھ پر اٹھا ہے شدت
ہے آفتاب بقائے حیات نور افگن
اک ایک قطرے سے پیدا ہے جو تمنا کی چمک
جمال نور ہی غلطاں ہے نور رقص میں ہے "

وہ نغمہ زادِ جاں بخش فیض سے جس کے
نزولِ شعر ہوئے مجھ پہ میرے گیت ہے

نہ ایک شورشِ طوفان بن کے اٹھا ہے
مری حیات کی کشتی ہے اور یہ طوفاں

نکل گیا ہوں بہت دور ہیں بہت ہی دور
کنارِ آب کہیں ہے نہ ہے ہجومِ کنار

اندھیرا چاروں طرف اور دل میں خوفِ جاں +
فلک پہ چھائے ہیں تاریک تہ بہ تہ بادل

تمام ظلمتوں کو چیرتی ہوئی یکسر
مرے ندیم کی روحِ ستارہ وش کی ضیا

بکار رہی ہے مجھے عالمِ منور میں
وہ آشیانۂ ارواحِ پاک و تابندہ

جہاں سکونِ بقائے حیات میں بس کر
جہاں سرور خوشی اور نشاطِ مست میں غرق

وہ روحیں رہتی ہیں آزاد و جاوداں ہو کر"

بادِ خزاں سے خطاب

بادِ وحشی، تیز فطرت - تند خو اور خوف زا
جاں ستاں تیرا نفس اور دل شکنی تیری صدا

تو ہے پوشیدہ نظر سے لیک اے بادِ خزاں
ہو رہا ہے تیرے دم سے حشر اک ہر سو بپا

گرتے پڑتے اک وبا آلودہ مجمع کی طرح
جھڑ رہے ہیں ہر طرف پتے سیاہ و سرخ و زرد

اور گر کر بھاگتے ہیں سامنے سے یوں ترے
بھوت جیسے بھاگتے ہوں جادوگر کے خوف سے

تیری ہستی کا مگر تخریب تو مقصد نہیں
ہے حیاتِ نو کی ضامن بھی محافظ بھی تو ہی

اپنے شانے پہ اٹھا کر تو بہارِ نو کے بیج
خود سلا آتی ہے ان کو خاک کی چادر تلے

+ شبِ تاریک و بیمِ موج و گردابے چنیں حائل
کجا دانند حالِ ما سبکسارانِ ساحل ہا (حافظ)

سردیوں کے دن وہ یوں سوتے ہیں گہری نیند میں
جاگنے کو زندگی بے تاب رہتی ہے مگر
لے کے ساتھ اپنے نو بہ رنگ و بو و تازگی
تو وہ جاگ اٹھتے ہیں سب کے سب جنونِ خواب سے
اور مہک اٹھتی ہے خوشبو سے فضائے گلستاں
موت کی صورت کبھی ہے اور دامنِ ہستی بھی ہے
غیظ تیرا ہے اجل - تیرا کرم ہے زندگی
میں بھی طالب ہوں حیاتِ نو کی آب و تاب کا
سن تجھے سننا ہی ہوگی آج تو میری پکار
لے کہ تو ہے آسماں پر صورتِ دریا رواں
گرتی ہیں دامن میں تیرے جیسے سوکھی پتیاں
مل کے کرتی ہیں ہمارے سر پہ سایہ ہست کا
جو افق پر ہیں فلک کی اوج تک پھیلے ہوئے
شورشِ طوفاں کا یہ لہراتے بادل ہیں نشاں
آتشیں زلفیں کسی دیوی کی رقصِ غیظ میں
آخری دم جس کا ٹوٹا ہے ترے نغمے ابھی
سایہ تیرا ہو رہا ہے بن کر آسمانی مقبرہ
تند رو اپنا آزمائیں گے تری وہ طاقتیں
شعلہ دامن بجلیاں - اولے، سیاہ بوچھاڑیں

نعش جیسے ہو گڑی ٹھنڈے مزارِ تار میں
اور جب آتی ہے تیری بہن - بادِ نو بہار
اور صلائے عام بیداری کی ہونٹوں پر لیے
ہر طرف غنچے چٹکتے ہیں ہجوم اندر ہجوم
دیکھتا ہوں تب کہ تو اے تند خو بادِ خزاں
تو محافظ زندگی کی - تجھ سے تخریبِ حیات
روحِ ہست و نیست ہے تو - ہر جگہ موجود ہے
دے رہا ہوں میں تجھے لے قدرتِ کامل - مدد
المدد اے قادرِ مطلق کی مظہر المدد
نقل و حرکت سے فضا کی بادلوں کی ٹکڑیاں
ٹہنیوں سے بحر و بر کی، جو کھلے آکاش میں
برق و باراں کے فرشتے - یہ درخشندہ سحاب
نیلگوں موجوں کے شانوں پر تری ہیچ رواں
ایسا لگتا ہے پریشاں ہو رہے ہیں ہر طرف
تو ہے اس گزری بہارِ رنگ و بو کا مرثیہ
جس کے مدفن پر شبِ سرما کا گنبد سرد و تار
وسعتوں میں اب تو بس اس گنبدِ افلاک کی
سو رہی تھیں اب تلک محراب در محراب جو
دے کے تجھ کو تیری ان سب طاقتوں کا واسطہ

آج میں تجھکو صدا دیتا ہوں اے باد خزاں
المدد اے قادر مطلق کی مظہر المدد

خواب آگیں نرم بستر تھیں معاون ندیاں
تھے نظر کے سامنے ایوان و مینار و محل
تیرے ٹاپو پہ لگتا تھا کہ پائستہ ہیں سب
جنت نظارگی ہے جن کی رونق کا خیال
باد غیض انداز طوفاں خیز اور شورش بپا
چیر کر طوفاں زدہ لہروں کے سینے دمبدم
اور تیرے خوف سے ہلچل ہے زیر آب بھی
بے خبر لہرا رہی تھی تجھ سے ہو کر بے خبر
سنتے ہی آواز تیری دفعتاً گھبرا گئے
دشت آبی میں تلاطم مچ گیا تخریب کا
لوٹ کر آبی درختوں کی گریں سب ٹہنیاں

بحر و بر پہ شورش غیض و غضب تیری بپا
میں ترے غیض و غضب کے جوش سے خائف نہیں
ہوں پجاری میں تو تیری قوت بے باک کا
قوتوں کو تو مری اپنا سا دے جوش نمو

قوتوں کو تو مری اپنا سا دے جوش نمو

موسم گرما میں بحر روم تھا سستا رہا
غرق تھا عہد گذشتہ کے حسین سپنوں میں وہ
ٹھہری ٹھہری اس کی موجوں پر جو تھے لہرا رہے
کھل رہے تھے چاروں جانب انکے زنگار رنگ پھول
جن کی خوشبو کے تصور سے معطر ہے مشام
تو نے بحر روم کو آ کر دیا ہے پھر جگا
راستے اپنے بناتی ہے تو سطح آب پر
پہنے آبی پیرہن ساگر کی تہ پر زندگی
خرم و شاداں شجر تھے، پھول تھے مسرور و مست
اور تیرے خوف سے تھر تھر لگے سب کانپنے
پھول اپنے وقت سے پہلے ہی مرجھانے لگے

باد وحشی تیز فطرت، تند خو و خوف زا
میں تو ہوں قائل مگر تیرے جلال پاک کا
میں سمجھتا ہوں تیری تعمیر و تخریب کو
کر رہا ہوں میں اسی خاطر مگر التجا
المدد اے قادر مطلق کی مظہر المدد

تو لئے پھرتی اُڑا کر اپنے کاندھے پہ مجھے
دوڑتا پھرتا فضا میں میں بھی تیرے ساتھ ساتھ
بے پناہ قوت نہیں ہے دست و بازو میں مرے
ساتھ چلتا پھر بھی بن کر ایک موجِ زیرِ باد
ایک احساسِ خودی انگیز ہوتا یوں مجھے
گرچہ آزادی مری ہوتی نہ ہم پایہ تری

تو فلک کی وسعتوں میں سیر کرتا تیرے سنگ
جیت ہی جاؤں گا بازی آسمانی دوڑ کی
سوچ بھی سکتا نہ تھا اس وقت میں کہ ایک دن
خشک پتے کی طرح تجھ کو اُڑا تو اپنے ساتھ

خارزارِ زندگی میں آ گرا ہوں۔ المدد
اوجِ ہستی پر گزر میرا کبھی تھا تیری طرح
آہنی زنجیر میرے پاؤں میں ہے وقت کی
تھا کبھی میں بھی تری مانند خود سر، تندخو
المدد ہمدرد و ہمدل ہم نفس و ہمنوا
اور پھر لوٹے ہوئے تاروں میں اسکے پھونک دے

خشک پتہ میں اگر ہوتا تو لے بادِ خزاں
آسماں پر یا اگر ہوتا سحاب تیز گام
مانتا ہوں تندی و تیزی تری مجھ میں نہیں
ہو سکوں ہمگام تیرا اتنا مجھ میں دم نہیں
اور کرتا تجھ سے میں طاقت کا تیری اکتساب
اپنی آزادی کا پیدا دل میں ہو جاتا شعور

لوٹ کر بچپن مرا یا مجھ کو مل جاتا اگر
وہ زمانہ جب سمجھتا تھا کہ میں تجھ سے ضرور
تھا مجھے اس کا یقیں یہ کوئی خوش فہمی تھی
گڑگڑا کر اس طرح تجھ سے کروں گا التجا
یا مجھے بادل کی ٹکڑی کی طرح اوپر اُٹھا
ہاں اُڑا لے جا بلندی پر مجھے بادِ خزاں
کٹے فلک پیما یہی پر زخم خوردہ ہیں جواب
ہو کے بے بس خاک پر لیکن پڑا ہوں آج میں
اور دوہری ہو رہی ہے بوجھ سے غم کے کمر
تجھ کو بھی تیزی پہ اپنی تھا کبھی فخر و غرور
آ بنا لے آج میرے دل کو تو اپنا رباب
روح ہم آہنگیٔ فطرت کی جانِ اضطراب

اُٹھتا ہے جنگل میں شورِ نغمۂ بغض و غضب
رس بھی سوزِ زندگی کا اس میں ملتا ہے مگر
جس کے زیر و بم میں پیا ہے سوزِ حیاتِ نو بہار
بخش اپنی بے پناہ قوت مری آواز کو
خشک پتے بنتے ہیں گہوارۂ فصلِ بہار
ہو کے بے جان و خراب و خستہ حال بزرد رد
تو اُٹھا لے ان پریشان حال شعروں کو مرے
اُڑتی ہیں جیسے انگھیٹی سے دبی چنگاریاں
جی اُٹھیں گے پھر سے اور سوتے ہوئے اہلِ جہاں
مژدۂ اُمیدِ دائم ۔ نعرۂ روحِ نشاط

جب کبھی ہوتا ہے ترا بے برگ شاخوں سے گزر
ہوتے ہیں آلودہ غم سے سُر ترے اس راگ کے
چھیڑ سازِ دل پہ میرے تو ہی آہنگِ غم
روح میں میری سما جا ہمنوائے تند خو
جاں ستاں ہے تو مگر تیرے ہی دم سے آخرش
پتیاں میرے خیالوں کی پڑی ہیں خاک پر
اپنے دامانِ فنا رنگ و لقا انگیز میں
گوشے گوشے میں جہاں کے پھر انہیں ایسے بکھیر
پائیں گے اشعار میرے جب ترا زورِ وجود
سُن سکیں گے یہ حیات افزا پیامِ لازوال
"جورِ سرما ہے نویدِ آمدِ لطفِ بہار"

الاسٹر یا روحِ تنہائی

(انتقام کی دیوی)

یہ ایک مثالی نظم ہے جس میں انسانی شعور اور احساس کی ایک نہایت ہی اہم اور دلکش صورت کی عکاسی کی گئی ہے۔ اس میں ایک ایسے نوجوان شاعر کا کردار پیش کیا گیا ہے جس کا دل پاک اور پُر خلوص جذبات سے پُر ہے جس کا تخیل کائنات کی حقیقت پر غور و فکر کرنے کی بدولت اس کے حسن و جمال سے شناسا اور اس کے جلال سے آگاہ ہے۔ جس کا شعور و احساس شعلہ صفت تیز اور صاف ہے اور جو اپنے منور خیالات کو مشعلِ راہ بنائے حقیقت کی تلاش میں جان کی بازی لگائے ہوئے ہے۔

یہ نوجوان علم و آگہی کے سرچشمے سے متواتر اپنی پیاس بجھاتا ہے لیکن اس کی تشنگی کم نہیں ہو پاتی۔ اُسے علم کی گہرائیوں میں بھی سطحیت کا احساس ہوتا ہے۔ خارجی مناظر کا حسن و جلال اس کے دل و دماغ میں جذب ہو کر اس کے خیالات کی تشکیل کرتا ہے اور انھیں نت نئی تازگی اور رنگت بخشتا ہے۔

جب تک ایک لازوال اور لا انتہا حقیقت اس کے خیالات کا مرکز اور اس کی خواہشات کا مقصود بنی رہتی ہے اُسے کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ اس کے دل میں سکون اور اس کی روح میں نشاط کی لہریں موجزن رہتی ہیں۔ اور وہ اپنے آپ میں مست رہتا ہے

لیکن پھر اس کی زندگی کروٹ لیتی ہے۔ اس کے ذہن میں اچانک ایک نئی

+ یہ دیباچہ شیلے کا خود اپنا لکھا ہوا ہے

بیداری اُبھرتی ہے۔ اَب اُسے غیر مرئی حقیقت کے تصوّر محض سے تسکین نہیں ملتی، اس کا دل اس حقیقت کو خود اپنی ہی بَشری صُورت میں اپنے مقابل چاہتا ہے تاکہ وُہ اُسے اپنا پیار دے سکے، وُہ اسے انسانی پیکر میں مجسّم دیکھنے اور پانے کے لیئے بے تاب ہو جاتا ہے۔ اُس کا تخیّل جو زندگی کی اعلیٰ ترین رفعتوں سے واقف اور فطرت کی بہترین باکمال صورتوں سے آشنا ہے ایک ایسے ہی انسانی پیکر کی تخلیق کرتا ہے جس کی سرشت میں یکجا کر دیتا ہے۔ نُورِ جمال کی وہ تمام رنگینیاں جو شاعر کی نگاہِ شوق میں جلوہ گر رہتی ہیں، علم و آگہی کی وہ تمام تجلیاں جو فلسفی کے منوّر شعور میں درخشاں ہوتی ہیں اور عشق و محبّت کی وہ تمام نغمگیاں جو عاشق کے سُرور آشنا دِل میں موجزن رہتی ہیں۔

ہر انسان اپنی دماغی قوتوں کی بالیدگی، اپنے تخیّل کی وسعت اور اپنے احساسات کی لطافت کے مطابق دوسروں سے ہمدردی اور قدر شناسی کا طالب ہوتا ہے۔ وہ ایسے انسانوں کو ڈھونڈتا ہے جو اس کے مقامِ ارتقاء کے قریب ہوں۔ اس نظم کا مثالی نوجوان شاعر اپنے ذہنی اور جمالیاتی مطالبات کو ایک ہی پیکر میں منتقل کر لیتا ہے اور پھر وہ اپنے تخیّل کی اس صفت مآب مکمل تخلیق کی تلاش کرتا ہے۔ یہ بے سُود تلاش ناکام ثابت ہوتی ہے، وہ مایوس ہو جاتا ہے اور آخرکار یہی مایوسی اُسے جوانی میں موت کی نیند سُلا دیتی ہے۔

اس مثالی المیہ سے گوشت و پوست کے عام آدمی بھی یہ سبق لے سکتے ہیں کہ طبعی ذات کو کسی خود مرکز انسان کی تنہا روی اور کنارہ کشی گوارا نہیں۔ انتقام کی اُس غضب ناک دیوی[+] (طبعی فطرت) نے المیہ کے نوجوان شاعر کو عام روش سے انحراف کی

[+] یونانی دیومالا میں Furies "غیظ و غضب کی وہ دیویاں" ہیں جن کے بال سانپوں کی طرح ہوتے ہیں اور جو انتقام لینے اور سزا دینے پر مقرر ہیں۔ میں نے ترجمہ کرتے وقت اسے طبعی فطرت کی غضب ناک دیوی کا مخصوص نام دے دیا ہے۔ میرے خیال میں اس سے شیلے کے معنی زیادہ واضح ہو گئے ہیں۔

سزائیں دی کہ اس کے رگ دپے میں اپنے غیبی و تصوری محبوب کے لئے ایک ایسی جاں گسل اور ولولہ انگیز شعلگی بھر دی جس کی لپیٹ سے وہ نکل نہ پایا اور جس نے اُسے وقت سے پیشتر جلا کر خاک کر ڈالا۔

برعکس اس کے اس واقعہ کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ جو غیبی طاقت ہماری دُنیا کے روشن خیال اور پاک دل انسانوں کو اپنی لطیف منوّر حقیقت سے روشناس کرتی ہے اور ان درخشاں ستاروں کو اپنی تجلّیات سے معمور کر کے اور انھیں شعلۂ جوالا بنا کر دفعتاً غیب کے پردوں میں چھپا لیتی ہے وہی طاقت اُن کم منظر عام آدمیوں کو جو محض طبعی سطح پر جیتے ہیں اور جو اس طاقت کی ہستی سے انکار کرتے ہیں آہستہ آہستہ گھُلا کر اُن کی مسموم زندگی کو برباد کر دیتی ہے۔ ایسے لوگوں کی دُنیا بھی خراب ہے اور عاقبت بھی۔ جیتے جی وہ ایک مہلک جہالت اور خطرناک غفلت کا شکار ہوتے ہیں اور مر کر ہمیشہ کے لئے گمنامی کے گڑھے میں گر جاتے ہیں۔ اس سے زیادہ قابلِ رحم مُقدّر اور کیا ہو سکتا ہے+ مادی حقیقتیں ٹھوس سہی لیکن اُن میں قطعیت نہیں ہے۔ انسانی زندگی کا سارا لطف ہی مادّی حدود سے باہر نکل کر محبت اور ہمدردی کی لطیف فضاؤں میں سانس لینے میں ہے، اگر فوق الفطرت کا تصوّر غلط بھی ہے، اگر اس حقیقت کا احساس محض وہم ہے اور اگر اس کی آگہی فقط غیر شعوری قیاس آرائی اور خود فریبی ہی ہے تو بھی یہ قیاس، یہ وہم، یہ خطا مبارک ہے کیونکہ اس سے دل کو کشادگی ملتی ہے، اس خیال سے کہ ہم سب اُس ایک حقیقت میں بسے

+ اس مقام سے آگے ترجمہ عمداً آزاد اس لئے ہے کیونکہ اس کے بغیر شیلے کے معنی مبہم سے رہ جاتے ہیں۔

ہیں۔ ہمدردی اور محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، زندگی کا مدار انہی جذبات پر ہے۔ ان لوگوں کا جینا بھی کیا جینا ہے جو محبت کے جذبات سے عاری ہیں۔ جو کسی سے لگاؤ نہیں رکھ سکتے جو کسی سے پیار نہیں کر سکتے۔ جن کے دل میں دوسروں کے لیے ہمدردی نہیں ہے جو دوسروں کی خوشی میں شامل اور دوسروں کے غم میں شریک نہیں ہو سکتے۔ ایسے لوگ اپنے خیال میں کسی شعوری خطا کے مرتکب نہ ہوں یا کسی وہم یا خود فریبی میں مبتلا نہ ہوں تو نہ سہی لیکن اُن کی زندگی ایک لعنت سے کم نہیں، وہ اوروں سے دُور رہتے ہیں تو دوسرے بھی ان سے کتراتے ہیں اور وہ اپنی خودساختہ علیحدگی ہی میں گھلتے رہتے ہیں۔ حال تو حال اُن کا ماضی بھی تاریک ہے اور مستقبل بھی نہ وہاں کسی روحانی یاد کی کرن ہے اور نہ یہاں کسی ارتقائی اُمید و یقین کی روشنی سچ تو یہ ہے کہ وہ جیتے جی مرچکے ہوتے ہیں وہ اپنے جذباتی جمود کے باعث نہ تو کسی سے سچی دوستی کر سکتے ہیں اور نہ خود سپرد پروانہ وار محبت ملک اور قوم کی خدمت کر سکتا وہ اپنے بچوں کے حق میں والدین کے فرائض بھی اچھی طرح انجام نہیں دے پاتے اُن سے ایک اچھے شہری ہونے کی توقع ہی نہیں ہو سکتی کیونکہ ان میں بھلائی کے کاموں کی امید نہیں رہتی۔

نیک خیال، پاک طینت اور نرم دل آدمی ایسے بے حس اور بے قدر لوگوں کے درمیان زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتے۔ ان کی انسانی ہمدردی کی وسعت اور تلاشِ حق کے شوق کی شدّت اس بے جان اور تنگ ماحول میں اپنا دم توڑ دیتی ہے اور دُکھ کی بات تو یہ ہے کہ دُنیا کے لوگوں کی اکثریت خود غرض اور اندھی ہے۔ لوگوں کے خون میں گرمی نہیں، دل میں درد نہیں، آنکھوں میں نور نہیں، اس بے بصر اور بے جان

ہجوم میں دردمند اور حسّاس انسانوں کے لیئے کوئی جگہ نہیں۔ وہ اس دنیا میں بستے ہوئے بھی اکیلے ہیں۔ یہی اکیلا پن، یہی ہمساز و ہم نوا کا نہ ملنا ہی ان کی زندگی کا جان لیوا دُکھ بن جاتا ہے۔ وہ جلد ہی دنیا سے اُٹھ جاتے ہیں اور یہاں لڑکھڑاتے رہ جاتے ہیں۔ وہ لوگ جو بس اپنے ہی لیے جیتے ہیں اور جن کی بے ثمر زندگی آخر ایک بے نور بے قدر کی خاک میں مل جاتی ہے۔

محبت جن کے دل میں ہے مروت جن کی فطرت میں
ضیائے فکر و نظر میں ہے بلندی ہے خیالوں میں

یہاں خود کتے ہیں کم ملتے ہیں وہ اٹھ جاتے ہیں دنیا سے
شرارے ہو کے بس جاتے ہیں وہ تو آسمانوں میں

مگر وہ لوگ جن کے دل میں تپتی آگ صحرا کا
وہ دنیا کی فضائے خشک میں سالوں سلگتے ہیں

اور آخر راکھ بن کر قعر گمنامی میں گرتے ہیں +

(شیلے)
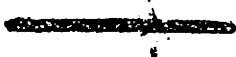
مادرِ گیتی کہ ہے عظمت مآب
اُس کا ہے لطف و کرم بے انتہا
ذات اس کی حسن کی رخشندگی
اُس نے میری روح کو بخشی صفا
اُس نے دل میرا کیا درد آشنا
گونج اُٹھے عشقِ صادق کی کہیں

اے اراکینِ محبت عناصرِ مہر و وفا
اُم اکبر مادرِ گیتی کی عظمت کے امیں

سر بسر شان و شکوہ، رعب و جلال *
رحمت و شفقت ہے اس کی بے کنار
اس کی قدرت شاہسوار کی پاکیزگی +
عشق کی دی میری آنکھوں کو ضیاء
سوزِ الفت کے کیے نغمے عطاء
ناچتے ہیں میرے سازِ دل کے تار
اے زمیں اے بحر اے بادِ رواں
اے مرے ہمزاد و ہمدم ہمنوا و ہم زباں
اس کی برکت اور رحمت کا یہ بھی اک نشاں

---

* اس نظم کے خود [illegible]

میرا دل محسوس کرتا ہے تمہارے پیار کو
پیار وہ جس میں سما جاتی ہے ساری کائنات +
ہر حسین نظارۂ فطرت سے الفت ہے مجھے

اُس کے پاکیزہ قطروں میں نہائی صبح سے
ڈوبتے سورج کی کرنوں سے شفق کے رنگ سے
رات کے کھلتے ہوئے گیسو کے ہلکے سائے سے
میٹھی میٹھی گھنٹیاں بجتی ہیں جس آواز میں +
خشک اور افسردہ جنگل کے غمِ بے برگ سے
خشک شاخیں اور سوکھی گھاس جس کو پہن کر
جس لباسِ پاک سے نیکن ستاروں کی طرح
اور اس جوشِ محبت پہ بھی میں قربان ہوں
بے تحاشہ چومتی ہے ہر نئی پتی کا منہ +
مجھ کو بھاتے ہیں پرندوں کے بھی رنگیں بال و پر
مجھ کو ہمدردی ہے حیوانوں سے بھی، میں نے کبھی
میں نے سب کو ہمدم و ہمراز جانا ہے سدا

تلذذ نکہت میں بسی رنگیں فضائے نور سے
شام کے ٹھنڈے دھندلکے کے سکوتِ راز سے
نیم شب کی خامشی کی پُرسکوں آواز سے
سرد آہوں سے خزاں کی بھی محبت ہے مجھے
موسمِ سرما کے برفانی لباسِ پاک سے
اپنی ناداری و عریانی کو سب لیتی ہیں ڈھانپ
جھلملاتا ہے بہارِ حسن کی عصمت کا نور
ہو کے جس سے سربسر مغلوبِ بادِ نوبہار
کرمکِ ناچیز بھی شامل ہے الفت میں مری
دعوتِ معراج ان کی رفعتِ پرواز ہے
دُکھ کسی ذی جاں کو دانستہ نہیں ہرگز دیا
پیار اپنا سارے عالم میں لٹاتا ہی رہا +

آج دیتا ہوں تمہیں اس پیار کا میں واسطہ
اے زمیں اے بحر اے بادِ رواں !
اے اراکینِ محبت ضامنِ مہر و وفا
وسعتِ الفت کے دعوے کو مرے کر دو معاف
عشقِ عالمگیر کی اس لاف سے ہرگز مجھے
اپنی تعریف و خود ستائش تو نہیں منظور ہے
آج تو اس کائناتی عشق کو اپنے مجھے
ڈھلنا ہے قالبِ رنگین میں حسنِ شعر کے

آج بخشو دان میرے ہمدمو دل کھول کر — اپنی برکت کا سعادت کا، محبت کا تجھے
زندۂ جاوید ہو جائے یہ نغمہ پیار کا،

اُم اکبر، رازدارِ عالمِ غیب و نمو — اے کہ تجھ سے ہستیٔ لاانتہا کا ہے وجود
میری فکرِ رازجو کو قوتِ پرواز دے — اپنی برکت آج نازل کر مرے اشعار پر
اس طلب کا اور گیتی تجھے ہے خاص حق — جان و دل اپنے سدا میں نے کئے تجھ پر نثار
بن کے تیرا ہی فقط تیرا رہا ہوں عمر بھر — ایک تیرا ہی فقط تیرا لیا ہے آسرا
شبستانِ ہستی میں سدا دیکھا کیا ہوں بس تجھے — راز کی تاریکیوں میں ہیں سدا تیرے قدم
ان ہی قدموں پر رہیں آنکھیں لگی میری سدا — راز کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہے دل مرا
چشمِ حیرت دیکھتی ہے راز کی اک ایک رو — لیک پھر بھی پا نہیں سکتی وہ تیری ذات کو
کچھ اگر پایا تو بس اتنا کہ ہر شے کا وجود — پیکرِ فانی ہے عکسِ حسنِ باقی کا ترے

میں نے راتیں مُردہ خانوں میں گزاری ہیں کئی — موت کالی اور بھیانک دندناتی ہے جہاں
اور ہاتھوں سے ترے چھینی ہوئی ارواح کا — فاتحانہ فخر سے گن گن کے کرتی ہے حساب
پاس تابوتوں کے بھی بیٹھا رہا ہوں بار ہا — موت کی ظلمت میں چھپ جاتی ہے جس جا زندگی

؂ اگر وقتاً فوقتاً بحر رواں کے ایک رُکن کا گرا دینا معیوب نہ ہو تو یہ تینوں مصرعے یوں ہو سکتے ہیں:
میں سدا کرتا رہا ہوں تجھ سے پیار — بن کے تیرا ہی رہا ہوں عمر بھر — ایک تیرا ہی لیا ہے آسرا
لیکن میں نے اس خیال کو عملی جامہ نہیں پہنایا — اس طرح میں سمجھتا ہوں کہ کبھی کبھی ایک رُکن کا بڑھا دینا بھی قابلِ اعتراض نہیں ہونا چاہیئے

میں نے سوچا تھا کہ شاید کوئی روحِ غمگسار
تجھ کو ڈھونڈنے کے لیے ہو جائے آمادہ کبھی
میں نے سوچا تھا کہ شاید اس طرح مل جائے گا
ہے تعلق جس کا تخلیقِ جہاں کے راز سے
مل سکا لیکن مجھے اپنا نہ کچھ تیرا پتہ
دُھن کا پکا کیمیاگر ہار کر بھی جس طرح
رات دن میں نے بھی اپنے کر دیئے ویسے ہی ایک
میں نے کیں خاموش تنہائی میں شب بیداریاں
خوف پر غالب تھی لیکن پیار کی پاکیزگی

دل کی گہرائی سے آیا میری پلکوں پر اُبھر
اور پھر آئی نظر ہلکی سی اک تیری جھلک
تاب گو اب بھی نہیں ہے برقِ جلوہ کی مجھے
ہو گیا ہے لیک کچھ احساس تیری ذات کا
جو بیاں کی بندشوں میں آ نہیں سکتا کبھی
رُوح کی گہرائیوں میں عکسِ مہرِ نیم روز
اُمِّ اکبر، مادرِ گیتی، خدائے کائنات
وہ نفس جو ہے سراسر تازگی و نغمگی
جو مری سچی دعاؤں کا ہے پاکیزہ جواب

میرے شوقِ جُستجو کو دیکھ کر۔ تیرا پیام
اور کہہ دے مجھ سے افسانہ ہماری اصل کا
مجھ کو میری عقل کے ان سب سوالوں کا جواب
اُٹھتے ہیں جو میرے ناآسودہ دل میں بار بار
جستجو اپنی مگر میں نے نہ پھر بھی ترک کی
جان کی بازی لگا دیتا ہے خالی آس پر
لے کے لب پر اور آنکھوں میں من و تُو کا سوال
خوف زا تھی رات کے تاریک سنّاٹے کی لَے
پیار جو صدیوں سے تیرے ہے جگت ماتا مجھے +
آخرش میری محبت اور عقیدت کا خلوص
نور کے دھاروں سے ٹوٹا ظلمتِ شب کا طلسم
تیری جلوہ گاہ ہے گو اب بھی پردوں میں چھپی
گو ابھی کامل تجلّی سے تری محروم ہوں
ہے یہ احساسِ حقیقت صورتِ خوابِ لطیف
تیرا احساسِ منوّر پیکرِ حسنِ خیال
اس جمال و نور کے احساس کو دل میں لیے
تیرے فیضانِ نفس کا کر رہا ہوں انتظار
جس سے پیدا دل میں ہوتا ہے مرے وجدانِ شعر
جس سے میری نظم کے ہر شعر کو ہو گا عطا

مصرعہ ہائے روز و شب کا نغمۂ حمد و ثنا
دشت و صحرا کی گھنی تاریک خاموشی کی لے

"مالکونس" گردشِ انجم کا آہنگِ ضیا
مد و جزرِ بحر کی تانوں کا شیریں زیر و بم

زمزمہ آبِ رواں کا بادِ صرصر کا سرود
جاودانی زندہ آوازوں کی موسیقی کے شعر

طائرانِ خوش گلو کے چہچہوں کی نغمگی
بانگِ حیواں کے تموّج کا ملن آہنگ نال

اور نغماتِ بشر کا مدبھرا کیف و سرور
قلبِ انساں کے ترانوں کی نشاطِ جاوداں

اُمِّ اکبر مادرِ گیتی مرے اشعار میں
نغمۂ فطرت کے ان اجزا کو مرکوز کر

اور پھر تو از رہِ لطف و کرم
بخش اپنے پاک قدموں میں انہیں شرفِ قبول +

کر رہا ہوں المیہ اک ایسے شاعر کا بیاں

موت نے جس کو جوانی ہی میں کر ڈالا تھا خاک
قبر تک بھی جسم کو جس کے نہ ہو پائی نصیب

مرتے دم ساتھی نہ سنگی کوئی بھی تھا جس کے پاس
اپنے ہاتھوں سے جو دفناتا اسے با احترام

دشت کے اک گوشۂ ویراں میں اس کی ہڈیاں
غسل بن اور بے کفن ہی ڈھیر ہو کر رہ گئیں

دامنِ بادِ خزاں سے برگ ہائے خشک و زرد
گر کے اس کی ہڈیوں پر بن گئے تھے اک سرم

اور پتے ہی تھے بستر اس کے خوابِ مرگ کا
اس جوانمرگِ جمیل و خوبرو کی خاک پر

کوئی نوحہ خواں نہیں تھا آہ ریز و اشکبار
کوئی محبوبہ نہ تھی جو روتے روتے سر جھکاتے

پیار سے آ کر چڑھاتی کانپتے ہاتھوں سے پھول
شاعرِ آتش نفس کوئی نہیں تھا سوگوار

جو شرارِ دل کو غم اندوہِ سینہ سوز کے
ڈھال دیتا اپنے دم سے شعلگی میں شعر کی

وہ جیا تنہا یہاں تنہا ہوا نغمہ سرا
اور وہ تنہا ہی آخر اس جہاں سے اٹھ گیا

اس کے نغموں میں بلا کی شدتِ احساس تھی
اُن کو سن کر آنکھ غیروں کی بھی بھر جاتی تھی نم

اجنبی سا وہ گزرتا تھا کبھی جو شہر سے
اضطرابِ شوق کو آنکھوں میں اس کی دیکھ کر

دل کو بھاتے آہ بھرتی تھیں کنواری لڑکیاں
چھپ گیا تاریکیوں میں آج اُن آنکھوں کا نور
بس گئے ہیں اس کے نغمے اب سکوتِ راز میں
اُس کی آوازِ ترانہ ساز کو یکسر چھپا +

اُس کو بچپن ہی میں عرفاں کی تجلی تھی نصیب
خواب میں بھی اُس کے کرنیں نور کی تھیں ضوریزن
نورِ حق سے تھا درخشاں اس کا احساسِ حیات
تھیں نظر میں اس کی رقصاں حُسن کی رنگینیاں
بن کے موجِ نور و نغمہ کیف و سرمستی بدوش
چشمۂ سرِّ حقیقت کی شرابِ ناب سے
آئینے میں اس کے احساس و شعورِ پاک کے
جس میں پیدا تھی جمالِ حق کی نورانی جھلک
جس سے مترشح تھا فیضِ رحمتِ پروردگار
جس میں دلکش تھے تقدس برکت و پاکیزگی
ذکر جن کا دیومالا میں ہے یا تاریخ میں +
جستجوئے حق میں یکسر ہو گیا گرمِ سفر
وسعتوں میں دشت و صحرا کی رہا وہ گھومتا
تیرہ و تاریک تھیں جنگل کی گو تنہائیاں

اس پریشاں حال وحشی کی محبت کے لئے
مل گئی ہے خاک میں اس کی نظر کی شعلگی
خامشی نے اپنے دامانِ محبت میں لیا

آج میں کرتا ہوں تازہ اس کی رنگیں یاد کو
پاکیٔ انوار سے اُس کی ہوئی تھی پرورش
جگمگاتا تھا شعور اُس کا ضیائے راز سے
پاک تھے جذبات اسکے عرش بیں تھا اُس کے خیال
ہر تجلی حسنِ فطرت کی نظارے کی ہر صدا
اُس کے قلبِ پاک کو دیتی تھی پیغامِ نشاط
اُس کے لب جرعہ بہ جرعہ دمبدم سیراب تھے
عہدِ رفتہ کی ہر اُس شے کا تھا اک عکسِ حسیں
تھی عیاں جس میں جلالِ حق کی عظمت اور شان
تھا مجسم جس میں کیفِ سجدہ و لطفِ دعا
دل میں اس کے جلوہ گر تھیں وہ ساری صورتیں
جب لڑکپن نے جوانی میں قدم رکھا تو وہ
چھوڑ کر گھر بار اس نے جنگلوں کا رُخ کیا
گھاٹیوں میں وہ پہاڑوں کی بھی سرگرداں رہا
دل میں اُس کے خوف کا ہلکا سا بھی سایہ نہ تھا

وہ کشش تھی اُس کی آنکھوں میں زبانیں وحشی کس
اپنے ہاتھوں لا کے دیتے تھے اُسے خوراک وہ
جس طرح چلتا ہے سایہ آدمی کے ساتھ ساتھ
حُسنِ فطرت کی تجلّی اور تنویرِ جلال
وہ پہاڑوں کے دہانِ آتش افشاں تک گیا
کھولتا لاوا جہاں سے بن کے آتش یا دھواں
وادیاں سرسبز ہوں یا چوٹیاں ہوں برف پوش
رنگتی ہیں بھاری پتھر کھولتی لہریں جہاں
پاس جن کے آتشیں زہریلے چشمے ہیں رواں
جا نہیں پائے جہاں تک سر بکف سیاح بھی
تہ بہ تہ تاریکیوں کی۔ اور اُن میں جا بجا
ہیں ستون جن کے بلوریں اور زریں جن کی چھت
اور حقیقت میں ہیں جو اسرار ہیرے بولتے ہیں
جھلملاتے ضو فشاں تاروں کا انبوہِ کثیر
موتیوں کی ضو فشاں لڑیاں لٹکتی ہیں وہاں
پاکیٔ خلوت کی خوشبو میں بسے ہیں معبد سے
ایسے ایسے دور افتادہ مقاموں پر مگر
نور برساتی رہیں اور اس کے شوقِ دید سے
سادہ و مانوس نظاروں کی بھی رعنائیاں

جھٹ سے کر لیتی تھی جو جنگل کے لوگوں کو بھی رام
اور کرتے تھے بہم آرام کا سامان بھی
وُہ رہا فطرت کے سنگ ہر گام پہ ہر راہ پر
اس کو اسرارِ نہاں سے آگہی دیتے رہے
شعلہ بن کر غیضِ فطرت کا اُبھرتا ہے جہاں
پھیلتا ہے ہر طرف کرتا ہوا ہر شئے کو راکھ
ہمال کی جھیلوں کے وہ چلتے کناروں تک گیا
اور وہ ان بپھرے درد غاروں میں گیا
لالچی دولت کے دیوانے جہاں پہنچے نہیں
جن کی گہرائی کے دامن میں نہاں ہیں وسعتیں
سر اُٹھاتے ہیں کھڑے فطرت کے پوشیدہ محل
خندہ زن ہیں ظلمتوں کی وسعتوں پر یہ ستون
گنبدِ گردوں میں ہو جیسے اندھیری رات کو
تخت مرمر اور زمرد کے لگے ہیں فرش پر
پاس ان محلوں کے اپنی انفرادی شان سے
شاعرِ وحشی تلاشِ رازِ فطرت میں پھرا
اس کی نظروں میں تجلیاتِ فطرت اور بھی
دادِ حیرت اور الفت کی انھیں ملتی رہی
اُس کی نگہِ شوق میں ہوتی رہیں جلوہ فروز

ان میں تھی اپنی ہی عظمت اور اپنا ہی جلال
موتیوں سے اور ہیروں سے زیادہ تھی دمک
آسماں آہستہ آہستہ مسلسل دمبدم
اپنے تن پر پہنتی ہے سبز مخمل کا لباس +
اس کو لے جاتی تھی ایسے ہی مناظر کی کشش
اس کو ملتا تھا یہاں دل کا سکون کیفِ حیات

ہر نفس میں اس کے تھی خوشبوئے عالم دوستی
خوف کھاتے تھے پرند اس سے نہ جنگل کے درند
اور کرتی تھی ہتھیلی پر گلہری ناشتہ
سُن کے ہو جاتے ہیں گہرائی میں جنگل کی ہوا
چشمِ حیرت سے رُخِ روشن کو تھے یوں دیکھتے
گویا ہے جس کا ہے خود ان سے کبھی نازک تموجوز

اس سے عالم گشت پاؤں کھنڈروں میں بھی گئے
سب ممالک کے وہ آثارِ قدیمہ میں گیا +
زندگی کے راز کو پانے میں وہ کوشاں رہا
مصر کے اہرام کو۔ جو اب بھی اپنی شان سے
خستہ میناروں پہ بابل کے بھی ڈالی اک نظر

سادگی میں اُن کی تھی سونے سے بھی بڑھ کر چمک
وہ حسین منظر۔ بدلتا ہے جب اپنا روپ رنگ
یا وہ منظر۔ جب نہلا دھو کر زمیں برسات میں

خلوتوں میں وادیوں کی چوٹیوں پر کوہ کی
گھومتا رہتا وہ ان تنہائیوں میں مدتوں
مل گئی ہو جیسے اس کو اپنی گم گشتہ بہشت +
ہر نظر میں تھی محبت اور وفا کی روشنی
فاختہ دانہ اٹھا لیتی تھی اس کے ہاتھ سے
وہ ہرن جو ہلکی پتہ ٹوٹنے کی بھی صدا
ساتھ ہو لیتے تھے اس کے اور باندھے ٹکٹکی
سوچتے جاتے ہوں جیسے یہ غزال خوش خرام
ہر لطافت ہو گئی جس میں مجسم سر بسر
رہنمائی میں خیالاتِ بلند و پاک کی
روم اور یونان، مصر، ایتھوپیا۔ وسطِ ایشیا
معبدوں میں مقبروں میں بُت کدوں میں پہنچ کر
غرق ہو کر سر بسر وہ سوچ میں دیکھا کیا
یوں کھڑے تھے جیسے ہوں وہ لازوال ولافنا
صورتِ سفنکس دیکھی جس کو ظالم وقت نے

+ ان آثارِ قدیمہ کی تفصیل کو بخوفِ طوالت حذف کر دیا ہے لیکن نظم کے معنوی تسلسل کو برقرار رکھا ہے۔

مسخ کر ڈالا تھا لیکن جو ابھی تک راز تھی
نقش ٹھروں میں معبدوں کے بکھرے تھے اندر قطار
طاقتیں ہیں آدمی کی جو کہیں تھی بیشتر
سنگ ہر مر میں مجسم خوف اور دہشت کا رعب

مقبروں کی گونگی دیواروں پہ کی اس نے نظر
صورتیں سی کچھ لطیف دیں نشاں دیے [illegible]
خوب اطمینان سے رُک رُک کے ہر جا دیر تک
سارا سارا دن رہا بیٹھے جا صورتیں دیکھا کیا
گرمیٔ جانسوز کی بھی اس نے کچھ پروا نہ کی
اور شب کو کھنڈروں میں چاندنی جب کھل گئی

وہ عظیم الشان ستون دیکھے جو اب تک سر اٹھائے
اور بت جن میں جھلکتی تھیں راز کی تربتیں
تربتیں جن کا بتوں کی صورتوں میں عکس تھا
پاسبانِ رازِ ہستی دیکھ کر جن کو بشر
کانپتا ہے اور اس سے لڑکھڑاتے ہیں قدم
رفتہ روحوں کے خیالوں کے جہاں کچھ تھے نقوش
اُس نے دیکھا ہر نشاں عہدِ گذشتہ کا بغور
گزری دُنیا کی جوانی کے نشاں تھے یہ نشاں +

شام کے سایوں میں بھی اُن پر رہی اس کی نظر
اس کی آنکھیں اور بھی ان صورتوں پہ جم گئیں +

پتھر دل کے یہ بُت کیا بتاتے اسے زندگی کیا ہے کیا زندگی کی بِنا
اُن کی گونگی زباں ان کے خاموش لب اُن کی آنکھیں تھیں بے آب اور بے ضیا
ان کو پھر بھی مسلسل وہ دیکھا کیا ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا ہی رہا
اس طرح دیکھتے دیکھتے آخرش۔ منظرِ دید ہی کلیتاً مِٹ گیا
اور اس کی نظارہ گئی ڈوب کر اپنے ہی آپ کی وسعتِ دیدیش

[illegible]

اک خلا سی اٹھی ہر طرف چھا گئی ابتدا تھی نہ اس کی نہ تھی انتہار
اُس کی عقل و خرد سر بسر سو گئی اُس کے احساس میں جان نئی پڑ گئی
اُس کو اپنی بھی پھر کچھ خبر نہ رہی رہ گئی ایک لمحے خودی کی خلار
اس خلا میں طلوع دفعتاً ہو گئی ذات کی اک ضیاء نور کی اک کرن
اپنی آنکھوں سے خود اس نے اب دیکھ لی، وقت کی ابتدا زندگی کی بنا
سازِ حسن ازل اس پہ سب کھل گیا، موت کی کوئی ہستی نہ باقی رہی
اس پہ سرِ خدا بھی عیاں ہو گیا رہ گئی بس بقا ہی بقا ہی بقا
روح سرشار ہو رقص میں آ گئی جل تے پایا سکون آنکھ کھلی ہوئی
اس کی خندہ جبیں نور میں بس گئی اک جلالِ حسین اُس کے رُخ پر کھلا
شعلگی جان کی جسم میں آ گئی شمع روشن ہو فانوس میں جس طرح
وہ وہاں سے اٹھا تو اٹھا اس طرح جیسے خورشید ہو جا کی ذات کا

یہ جلال رواں مست کیفِ خودی
پھر وہاں سے چلا لڑکھڑاتا ہوا +

اپنے والد کے خیمے میں بیٹھی ہوئی ایک دوشیزۂ عربی نے اُسے
دیکھا آتے ہوئے خرم و شادماں مست و سرشار اور غرقِ کیفِ خودی
اس کے پُر نور رخ پر اٹھی جو نظر، تو کھلی آنکھ اس کی کھلی رہ گئی
وہ اٹھی چھوڑ کر اپنا سب کام کاج، اجنبی کے سواگت کو آگے بڑھی
اور کھانا جو لائی تھی اپنے لیے - پیش خدمت میں اس کی کیا شوق سے
پھر چٹائی دی اپنی بچھا فرش پر اس جہاں گرد دلکش کے آرام کو

وہ جو بے خود و سرمست و سرشار تھا جسم کی اپنے جس کو خبر بھی نہ تھی
بیٹھے ہی ہوا غرق وہ نیند میں نہ رہا اس کو گرد و نواح کا پتہ
اس حسینہ کی آنکھوں میں لیکن کہاں نیند تھی وہ اُسے دیکھتی ہی رہی

بند آنکھوں میں اُس کی تجلی بھی کیا عکس کن پاک خوابوں کا تھا جلوہ گر
نور ماتھے پہ اس کے برستا رہا نیند میں بھی چمک اس کے چہرے پہ تھی
غرق تھی اک مسرت کے طوفان میں خودی روح پر اسکی چھایا تھا کیف
اس کے لب پر تبسم کی ہلکی ہوا رات بھر جیسے چپکے سے چلتی رہی
خود بخود پیار آتا تھا اس حسن پر وہ حسینہ اُسے دیکھتی ہی رہی
رعب اس کا مگر مانع عشق تھا جان میں کپکپی اس کی ہوتی رہی

"حسنِ خود آراستہ"

جو ترستا رہا۔ جسم جلتا رہا۔ سانس سوکھی رہی۔ آنکھ روتی رہی
رات بھر وہ یونہی بیٹھے بیٹھے اُسے دیکھتی ہی رہی پر نہ ہمت ہوئی
کہ جگا کر اُسے اس کے ارپن کرے اپنی دوشیزگی پیار کی شعلگی
دیکھتے دیکھتے آخر شب ہوا ندی جھیکی پڑنے لگی۔۔ رات جانے لگی
مانگ میں پھر شفق صبح خنداں اٹھی وہ حسینہ وہاں اب کہاں بیٹھتی
حسن کی رونقیں پیار کی حسرتیں چھوڑ کر سب وہیں وہ وہاں سے چلی
اپنے ارمان کا درد دل میں لیے سوز سینے میں سرد آہیں بھرتی ہوئی

"سوزِ محبت"

صبح دم اٹھا جو شاعر تو بہت مسرور تھا
موجزن دل میں سکون تھا تازگی تھی روح میں

اک نئی طاقت تھی اس کے پائے عالم گشت میں
نکلا صحرائے عرب سے۔ گذرا وہ ایران سے
چین کی برفانی گپھاؤں سے رواں تھیں ندیاں
رنگ و بوئے حسنِ فطرت کی بہارِ جانفزا
دامنِ کوہ میں جہاں تھی ایک چھوٹی سی گپھا
بیل بوٹوں کی تھی اک چلمن گپھا کے سامنے
جائے آرام و سکوں پائی تو شاعر کے قدم
غرق تھمر ہو گیا پھر دل میں گہری نیند کی

اپنی انجانی امیدوں ہی کا نادیدہ جمال
سامنے بیٹھی ہے اس کے اور نرم آواز میں
اس کی اپنی روح کی آواز یہ آواز تھی!
نرم و شیریں نغمگی تھی بے صدا آواز کی
جس میں میٹھے میٹھے اُن راگوں کے تھے سیال سُر
جن کی زرنگار رنگ تانوں کے حسیں آہنگ میں
اس حسینہ کی خموشی کہہ رہی تھی رازِ ہست
اس کے لہجے سے جھلکتا تھا سرورِ بے خودی
پھر دلِ شاعر میں جاگی آرزوئے وصلِ حق
اس کے جیون کا تھی سرمایہ یہی اک آرزو
جو ہمیشہ ہی دھڑکتی رگِ جاں کے قریب

سرخوش و سرمست سرگرمِ سفر وہ پھر ہوا
طے کیے اس نے بیاباں سر کیے اس نے پہاڑ
آخرش پہنچا بہشتِ وادیِ کشمیر میں
اس حسیں وادی میں دیکھا پھر حسیں تر اک مقام
اور اک ندی تھی پہلو میں گپھا کے نغمہ زن
ہر طرف پھیلی تھی خوشبو مہکی مہکی تھی فضا
خود بخود ہی رک گئے اور چند ہی لمحوں میں وہ
خوابِ راحت میں تجلی الگ سے آئی نظر
اس نے دیکھا اک حسینہ نور کا اوڑھے نقاب
میٹھا میٹھا زندگی کا گھولتی جاتی ہے رس وہ
اٹھ رہی تھی جس کی نے سازِ سکوتِ فکر سے
سرسراہٹ جس میں شامل تھی نسیمِ صبح کی
گنگناتی ہیں جنہیں دن بھر پہاڑی ندیاں
بس رہا تھا سر بسر شاعر کا احساس و شعور
لفظ اس کے آئینہ تھے پاکیِ کردار کا
اس کا اندازِ سخن تھا آبشارِ آگہی
لے کے انگڑائی اٹھی خواہش نجاتِ روح کی
زندگی کا اس کی مقصد تھی تو بس خواہش یہی
اور جو چھائے رہی اُس کے تصور پہ صدا!

دیکھا اس جذبے کو شاعر کے حسینہ نے تو وہ
شاعرہ تھی خود حسینہ جانتی تھی بالیقیں
کہتے کہتے یہ رسیلی میٹھی باتیں۔ دفعتاً
آتشِ سیال کی اُٹھی لپکتی شعلگی
سسکیوں کی زیر و بم اُٹھنے لگیں چنگاریاں
پھر جدا ہیں اس کے نازک ہاتھ یوں چلنے لگے
اُس کے ہاتھوں کی رگوں میں خون کی تابندگی
ارتعاشِ دل ہوا ہاتھوں میں اُس کے منتقل
اجنبی سا گیت اک ان سے عبارت ہو گیا
جس کے ٹھہراؤ نے پیدا اس کے دل کی دھڑکنیں
اس کے معنی ہی سمجھ پایا نہ تھا شاعر کہ یہ
ہو گئی کچھ یوں کھڑی جیسے کہ اس کے دل سے اب
شعلگی سوزِ دروں کی جسم تک آئی اُبھر
ہلکا جھلکا وہ نقابِ شعلہ پوشی و حُسنِ بار
چاند کی کرنوں سے جھونکوں سے نسیمِ صبح کی
اُس کی زلفیں بھی لگیں کھل کر ہوا میں تیرنے
اُس کے ہونٹوں پر نمایاں ایک لرزش سی ہوئی
شاعرِ سادہ یہ سمجھا صورتِ محبوب میں
جس کا کیفِ حسنِ جلوہ جس کا احساسِ لطیف

ذکرِ حسنِ شعر و نغمہ لائی اپنی بات میں
راہِ حق و آگہی میں شعر کا ہے کیا مقام +
جوش میں جذبات آتے اور اس کے جسم میں
اُس کی آوازِ ترنم زا میں وحشت آ گئی +
اور اُس کے ساتھ اُٹھا اس کی آہوں کا دھواں
بربطِ ناپید کے تاروں پہ ہوں جیسے رواں
دل کا ناگفتہ فسانہ کہہ رہی تھی برملا
سُر اُلجھے پھر لگے ہر سو فضا میں پھیلنے
ایک موسیقی نرالی - ایک آہنگِ عجیب
جس کا زیر و بم تھا مد و جزر اُس کی سانس کا +
نغمۂ وحشت ہوا بند اور وہ اُٹھ کر وہاں
اور رہ سکتا نہیں برداشت اپنا بارِ غم +
انگ انگ اس کا دمک اُٹھا تہِ نورِ نقاب
جس کو فطرت نے لطیف ہاتھوں سے اپنے تھا بنا
اُس نے پھر بانہوں کو اپنی سامنے پھیلا دیا +
شوقِ تاباں کو چھپائے اس کی آنکھیں جھک گئیں
کپکپاتے ہونٹ پھر اس کے کھلے ہی رہ گئے +
ڈھل گئی ہے وہ حقیقت جس کا ادراک و شعور
بے خودی میں اُس نے پایا تھا نشاطِ روح کی

اُس نے یہ سمجھا مجسم آب و گِل میں ہو گئی
جلوۂ حُسنِ حقیقت، نورِ علم و فلسفہ
ظلمتِ عصیاں نے پہنا تھا تقدیس کا لباس
شعلگی تھی آرزوئے جسم کی لیکن اُسے
یہ غلط فہمی تھی جس نے اُس کی ساری زندگی

عکسِ آئینہ مگر نورِ حقیقت تو نہیں
اُس کے کیفِ آگہی پر برق بن کر آ گری +
پیدا اعضا میں ہوا اک اجنبی سا ارتعاش
خود بخود باہوں کو اپنی اس نے بھی پھیلا دیا
لمحہ بھر کو وہ جھجکتی سی نظر آئی اُسے
کر دیا اس کو نشاط انگیز باہوں کے سپرد +
اُس کی باہوں میں نہ تھا کوئی نہ کوئی اسکے پاس
جس میں پیدا ہو چلی تھی اک نئی میٹھی کسک

ایک لمحۂ خوابِ رنگیں کے لئے وہ پھر اُٹھا
نیند میں لیکن نہیں تھا اب وہ پہلا سا سکوں

روشنیٔ عرفانِ حق کی اور تنویرِ حیات
بن گیا ہے پیکرِ محبوب کا حسن و جمال
اس نے سمجھا نور میں ملبوس ہے صدق و صفا ⎫
وہ سمجھ بیٹھا تھا نورِ آفتابِ آگہی ⎭ *
کر کے برباد و تباہ دستِ اجل میں سونپ دی
آئینہ ہے گو حقیقت ہی کا نیرنگِ مجاز
شعلگیٔ حُسنِ برافروختہ کے شوق کی
بے پناہ طوفان اُٹھا اس کے دل میں پیار کا
ہو رہی تھی بے ارادہ سانس ناہموار و تیز
شعلۂ رُخ آتش بجاں حسنِ فروزاں کے لئے
لیک فوراً ہی تمنائے سرورِ وصل نے
یہ چھلاوا تھا مگر جس کی حقیقت کچھ نہ تھی
اک دھڑکتا دل تھا۔ ہر دھڑکن میں تھی اک تڑپ
جستجوئے بے سُراغ و بے نشاں کی آرزو
نیند کا تاریک طوفاں تھم گیا تھا جو ذرا
اور شاعر کو لیا موجوں میں دوبارہ لپیٹ
یادِ اس خوابِ جنوں زا کی ستاتی ہی رہی +

---

* یہ چار مصرعے اصل کے بیان اور خیال کے مطابق نہیں ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان سے شیلے کے معنی واضح ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ بات کچھ یقینی نہیں ہے۔ قارئین انہیں ترک کر سکتے ہیں۔

حسنِ فطرت (۱)

نیند کے سکتے سے نکلا تو نظر آیا اُسے
جا رہا تھا چپکے چپکے دامنِ کہسار میں
ہر طرف آہستہ آہستہ نمودِ صبح کی
اور ساری وادیاں بھی صاف آتی تھیں نظر
کھلنے والا تھا افق پر غازۂ رنگِ شفق
لیک خُلدِ دید سے غافل تھی شاعر کی نظر

حُسنِ فطرت کا وہ دلدادہ پڑا تھا سوچ میں
جس کے سائے میں گذشتہ شب تھی اسکی خوابگاہ
جن سے اُسکی نیند نغموں میں بسی تھی سر بسر
اب کہاں نورِ مجسم ہے وہ چشمِ شوق کا
جو سراپا سرخوشی تھی مستیٔ کیفِ حیات
لمحہ بھر کو پا کے اُس نے لمحہ بھر میں کھو دیا
آنکھ میں اس کی نہ تھا پہلے سا رنگِ نور آج
مٹ گئے رنگین نظاروں کے رنگ اُس کے لئے
چاند کا عکسِ پریشاں جیسے سطحِ بحر پر
ویسے ہی وہ منظرِ ماحول کو دیکھا کیا
حُسن کی شعلہ بداماں جو تجلّی خواب میں
اب اُسی کی بس، اُسی کی تھی تلاش و آرزو
زندہ کرنا چاہتا تھا بس اُسی کے خواب کو

پھیکی نیلی چادرِ شب میں چھپائے چاند مُنہ
اور پھیلی جا رہی تھی ہلکی ٹھنڈی روشنی
آ رہی تھی چوٹیوں پر بھی پہاڑوں کی چمک
لے رہے تھے جنگلوں میں پیڑ سب انگڑائیاں
حُسنِ فطرت کھِل رہا تھا یوں نہا کر نور میں
دیکھ کر بھی بے خبر تھا اُس کا احساسِ لطیف
سوچتا تھا ہے کہاں ہیرے دل جڑا وہ نیاں
اب کہاں آوازہ بیٹھی وہ خوش آیند سُر
اب کہاں جا کر چھُپی ہے حُسن کی شانِ جلال
وہ تجلی جو نشاطِ روح کی تھی آبشار
اب کہاں ہے وہ سرودِ نغمۂ ہستی جسے
غرق تھا اس سوچ میں گرد و نواح سے بے خبر
صبح کے نظارۂ دلکش کی جو دیتا تھا داد
ہو گئیں کم حُسن کے جلووں کی سب تابانیاں
دیکھتا رہتا ہے خالی آسماں کے چاند کو
اس میں کچھ لطفِ تماشہ تھا نہ کیفِ دید تھا
روح نے عشقِ مجازی کی دکھائی تھی اسے!
جس محبت کو وہ ٹھکرا تا رہا تھا آج تک
مٹ چکی تھی وہ تجلّی تو ہمیشہ کے لیے

ہو چکی تھی نیند کے صحرا میں گم وہ کلیتاً
خواب کی دنیا میں اب بھی قائم و دائم ہے وہ
ہر نفس میں اس بہارِ حسن کی بوئے لطیف
جسم و جاں اس کے ہوئے محبوس سحرِ خواب میں +
حد سے وہ عقل و خرد کی بھی تجاوز کر گیا
وہ بہشتِ حسن، وہ خُلدِ محبت ہے کہیں
رہگذر سے موت کی ہو کر پہنچ سکتے ہیں واں
اور اس کے پُر سکوں پانی میں آویزاں پہاڑ
ہر قدِ آفاق کی ہے وسعت کوئی تیرہ و تار
یہ خیال آتے ہی یاد آئے اُسے وہ مقبرے
جانے کیسی کیسی روحیں سو رہی تھیں بے شمار
اُس بہشتِ خواب کو جاتا ہے کوئی راستہ
اس طرح کے وہ خیالوں میں الجھ کر رہ گیا +
لیک شک کی اور مایوسی کی کالی بدلیاں
اس سے بن پایا نہ کچھ اپنے سوالوں کا جواب
تیزیِ عقل و خرد اس حال میں سب رہ گئی
اپنے ہی بے چین من سے کرتے باتیں اس طرح
اس کی خواہش پھر ہوئی بیدار بنکر ایک موت
چین اور آرام اب اس کے لئے ممکن نہ تھا

وہ جنونِ شوق میں لیکن یہ سمجھا کہ کہیں
جسم کے اعضاء میں اس کے لمس کا احساس تھا
بس رہا تھا روح میں اس کا درخشندہ خیال
آرزو میں اس سراپا نور و رنگ و حسن کے
اُس کے دل میں یہ خیال اُٹھا کہ وہ دُنیائے خواب
موت کی سرحد سے آگے اور ممکن ہے کہ وہ
دیکھ کر قوس و قزح کا عکسِ رنگیں جھیل میں
اُس نے دل ہی دل میں یہ سوچا کہ زیرِ آب کیا
یا چھپی ہے اس کی گہرائی میں خلدِ نو حیات +
جن کے تہ خانوں کی تاریکی میں برسوں سے پڑی
پھر سوال اُٹھا کہ اِن تاریک تہ خانوں سے کیا
جس کو اُس نے کھو دیا تھا یک بیک بس اک ہی جھلک
اپنی محبوبہ سے ملنے کی اُبھرتی تھی اُمید
ہر طرف سے گھیر لیتیں اس کرن کو یاس کی
ناز تھا اس کو دماغ و دل کی تیزی پر مگر
ڈس گیا ہو اس کو جیسے ناگ درد و یاس کا +
اس کا دن تو کٹ گیا لیکن جب آئی رات تو
تُند خُو، شوریدہ سر، طوفان خیز +
زندگی کی ظلمتوں میں پھر سے وہ چلنے لگا

عکسِ روشن آنکھ میں دل میں تصور میں لئے
رات کے تاریک سناٹے کی تنہائی میں وہ
دلدلوں کو جنگلوں کو گھاٹیوں کو چیر تا
پاؤں پڑتے تھے زمیں پر اُس کے جب بے احتیاط
اُٹھ کے سوتے سانپ بھی جلتے تھے تیزی سے نکل +
جیسے شاہینِ گزیدہ کنڈلی میں ناگ کی
زہر شعلوں کی طرح ۔ لیکن نہ مانے جو شکست
شاملِ پرواز کیسے وسعتِ افلاک میں +
رات ہو یا دن ہو بادل چھائے ہوں یا دھوپ ہو
درد سے مجبور ہو کر غم میں اپنے ڈوب کر
خانماں برباد شاعر ۔ رات بھر چلتا رہا
خستہ اعضاء زرد رُخ بے خواب آنکھیں خشک لب +
پھر افق سے پھوٹ نکلی سُرخی خونِ حیات
تازگی سے صبحِ رنگیں کی نہ اُس کے نور سے
آئے دن ویرانیوں میں دشت کی گھوما کیا
غم میں گھل گھل کر ہُوا مدھم شرارِ زندگی
ہاتھ میں طاقت نہ کچھ آنکھوں میں کچھ دم رہا +
تو گدازِ درد سے ہر سو نظر آئے یاس میں
نورِ ہستی اور اس کی شعلگی کا کچھ نشاں

خوابِ رفتہ کے جلال و نور و رنگ و حسن کا +
آسماں کی بے مروّت سرد نظروں کے تلے
چل پڑا جس سمت اُس کو لے گئے اُس کے قدم +
چونک پڑتی تھی خموشی رات کی بھی خواب سے
روح فرسا کشمکش میں تھا وہ یوں جکڑا ہوا
جس کے سینے میں بھڑکتی جا رہی ہو دمبدم
موت سے بھی ۔ بلکہ اپنی موت کو بھی اپنے ساتھ
درد کی پرواز تھمنے کا نہیں لیتی جو نام
پُرسکوں ہو یا فضا طوفاں بدوش و برق بار
خوابِ رنگیں کو مجسم دیکھنے کی آس میں
اک سراپا صورتِ درماندگی و بے بسی
صبح آئی نور کے دامن میں لے کر تازگی
کچھ رسا ہو پائی نہ لیکن اس کے غم کی تیرگی
یاس و حرماں کی رفاقت میں وہ چلتا ہی رہا
مقبروں کے کھنڈروں کی گرد اُڑتی ہے جہاں +
جسم بن کر ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ رہ گیا
اُس پریشاں حال کو کرتی پریشاں جب ہوا
مرثیوں کا سوز ہوتا تھا مسلسل منتشر +
تھا تو اس کی آنکھ ہی میں ۔ اور وہ بھی اس طرح

جیسے اک بھٹی کی گہرائی کے پردوں میں نہاں
سرگراں جب بستیوں سے وہ گزرتا تھا تو لوگ
رحم بھی آتا تھا اُن کو اور اُس کے واسطے
چھوٹے بچے اس کو لیکن دیکھ پاتے گر کہیں
اور جھٹ سے ماؤں کے دامن میں لیتے تھے چھپا
نوجواں نازک دوشیزائیں (جن کو فطرت خود بخود
دردِ الفت کا انہیں دے کر کے احساس لطیف)
جانتی تھیں ایک حد تک اس کی وحشت کا سبب
نیم ادراکی یہ بھی لیکن سمجھتی تھیں کہ وہ
کیوں جوانی ہی میں گھل گھل کر مرا جاتا ہے وہ
کوئی دوشیزہ اسے "بھائی" بلاتی تھی، کوئی
وقتِ رخصت اسکے زرد ہاتھوں کو لیکر ہاتھ میں
اپنی ہمدردی و دمسازی کا پیغام خموش
دیکھا کرتیں دور تک وہ بھیگی پلکوں سے اُسے +
جستجو کے عالم میں وہ رات دن گھوما کیا
وہ پہنچ جاتا تھا ایسی بھی چٹانوں پر جنہیں
کوہ نورد اس کو جو کوئی دیکھ پاتا تھا کبھی
ایسا لگتا تھا فضا میں ہو گئی ہے رونما
روح آنکھوں میں تھی جس کے بجلیوں کی شعلگی

اپنے ہی سوزِ دروں سے آگ ہو شعلہ بسر +
خوف سا کھاتے تھے اس سے لیک اس کے حال پر
کھانے پینے کا وہ کر دیتے مناسب انتظام
شعلہ بار آنکھوں سے اُس وحشی کی ڈر جاتے تھے وہ
اپنے خوف آلودہ و دہشت زدہ چہروں کو سب +
کر رہی تھی آرزوئے دلبری سے آشنا
اپنے دل کے آئینے میں اس کی حالت دیکھ کر
اُن کو شاعر کے جنوں کی تو نہ تھی پوری سمجھ
مبتلا کس غم میں ہے کس درد سے ہے بے قرار
مانگنا مشکل تھا لیکن ایسے پردیسی کا پیار +
"دوست" دیوانے کو کہکر اُس سے کرتی تھی خطاب
ڈالتی تھیں اُن پہ اک ہلکا سا میٹھا سا دباؤ
اور جب بستی سے جنگل کی طرف چلتا تھا وہ
اُس کو رکنا تھا نہ رکتے تھے قدم اس کے کہیں
چوٹیوں پر لے گیا اس کو پہاڑوں کی جنوں
دیکھ کر ہی کوہ پیماؤں کے چکرا جاتے سر
سائے سی صورت نظر آتی تھی اسکی دور سے
اک گھڑی بھر کو ہوائے سرد کی روحِ لطیف
سانس کی تیزی میں جس کی شدتِ طوفانِ شوق

جس کے قدموں میں مگر نرمی نسیمِ صبح کی
ہلکے ہلکے برفِ تازہ کے وجودِ پاک کو
یوں پہاڑوں وادیوں اور جنگلوں کو چیرتا
متعفن دلدلوں کے گرد چکر کاٹتا
آ بچھڑے سُست گام اک ہمدمی تھی بے کنار +
سُن کے آہٹ اس ملنے پاؤں کی بھری لمبی اُڑان
دمبدم اُٹھتا گیا اونچا وہ سوئے آسماں
غمزدہ افسردہ دل، پژمردہ جاں شاعر نے
وسعتِ ارض و سما کو چیرتے دیکھا کیا +

وسعتِ ارض و سما سر زمیں تری پرواز کی
آسماں سے آخرش آ تک ہے تو سوئے زمیں
جس میں محبوبہ تری کرتی ہے تیرا انتظار
تیری اگر دن میں حمائل اپنی گردن کرکے جو
پیار کے امرت سے کر دے گی تجھے پھر تازہ دم
ہو گی تکمیلِ محبت سے ہی تکمیلِ حیات
میرے نغماتِ محبت کا ہے سوزِ جاوداں
زندۂ جاوید ہے میری نوائے نغمہ زا
وہ سرورِ کیف جو ہے ماورائے جسم و جاں

اُن کے نازک لمس کا ہوتا تو تھا احساس محض
کچھ کبھی تو لیکن پریشانی نہ ہوتی تھی اسے +
وسعتوں کو سُونے ویرانوں کی سر کرتا ہوا
آخرش پہنچا سمندر کے کنارے وہ جہاں
چھپ کے سرکنڈوں میں بیٹھا تھا وہاں اک راج ہنس
اور وسعت میں فضائے بحر کی اُڑتا گیا
منزلِ پرواز جیسے اس کی اوجِ عرش ہو
بے صدا، حسرت بھری نظروں سے باغمِ ٹکٹکی
پھر خیال اس کا مخاطب یوں ہوا اس ہنس سے

اے کہ تو اک پیکرِ پراں ہے حسن دلنواز کا
گم نہیں ہوتا مگر اس بیکراں وسعت میں تو
تو نہیں بے خانماں، تیرا تو ہے اک آشیاں
اپنی آنکھوں میں محبت کے لئے رخشاں گہر
تجھ کو تیرا لے گی موجوں پر نشاطِ روح کی
جیتے جی ہی اس طرح مل جائے گی تجھ کو تو تھا
ایک میں ہوں کہ تیرے نغموں سے شیریں تر نہیں
ساتھ تیرے جائے گی تیری صدا کی نغمگی
روح تیری ہے مسرت آشنا لیکن کہاں
روحِ عالم میں بسی ہے جو نشاطِ بیکراں

(جس کا کچھ احساس ہے مجھ کو نہاں پر یاد کر)
میرے دامن میں سموئی ہے فضائے کائنات
سازِ جاں میرا ہم آہنگِ سرودِ زندگی
سرمدی نغموں کو سننے کی نہیں دنیا کو تاب
میری آنکھوں نے جو دیکھا ہے کسے دکھلاؤں میں
میرے رخشندہ خیالوں کی ندائے نور کا
گنبدِ گردوں سے آتا ہی نہیں کوئی جواب
ہم نفس کوئی نہیں ہے ہمنوا کوئی نہیں

خاک میں میری مجسّم سربسر نورِ حیات
منعکس میری نگاہوں میں ہے فطرت کا جمال
میری قسمت میں مگر آتش بپا آوارگی
کان بہرے ہیں جہاں کے میرے گیتوں کے لئے
چشمِ عالم بے بصر ہے ایسے جلووں کے لئے
میرے جذباتِ بلند و پاک کی آواز کا
ایسی دنیا میں بھلا ٹھہرے دلِ بیتاب کس کے لئے
ہمدم و ہم سازِ دیارِ آشنا کوئی نہیں

دفعتاً چپ ہو گیا وہ شعلۂ سوزِ حیات
اُن لبوں پر مسکراہٹ سی ہوئی ایسی عیاں
مسکراہٹ کہہ رہی تھی جو زبانِ حال سے
نیند تک بھی تو بلانے سے کبھی آتی نہیں
نرم دل ہے نیند مجھ سے ہے کنارا کش مگر
موت کے دامانِ خاموشی میں تسکیں کا خیال
ایسے خوش آئند خیالوں ہی سے مرنے کی اُمید

اپنی تنہائی کا جب آیا اُسے پھر یوں خیال
جن لبوں پر کپکپی تھی شدّتِ احساس سے
درد کا پیکر ہو جیسے اک شکیلِ دل شکن
"آرزوئے مرگ بھی ہے یاس کی اُمیدِ خام
تاکہ مل جائے گھڑی بھر کو غمِ دل سے نجات
سنگدل ہے موت آئے گی بلانے سے کہاں
خود فریبی کی فسوں کاری کا سحرِ خوشنما
آدمی کے دردِ پیہم کا اُڑاتی ہے مذاق" +

چونک اٹھا ان خیالوں سے وہ اپنے یک بیک
اور پھر سمجھا کہ یہ خود اس کا اپنا من ہی تھا

جو شعور و ہوش کی گہرائیوں سے سر اُٹھائے
سامنے دیکھا تو وہ سحرِ حسین و دلفریب
کُلّیتاً مفقود تھا۔ صورت نہ تھی کوئی نہ صوت
پھر نظر اُس نے اُٹھائی تو دکھائی دی اُسے
خوفِ جاں سے کانپتی ہچکولے کھاتی دمبدم +
کیوں نہ پہنچا جائے اس کے پاس چل کر آپ ہی
اِن تہوں تک کیوں نہ جائیں ہو کے خود ہی غرقِ آب
یہ خیال آتے ہی کشتی پر ہوا جا کر سوار
کشتیٔ رختہ کو لہروں کے حوالے کر دیا +
پوری آب و تاب سے دُنیا بسی تھی نور میں
بڑھ رہا تھا جن سے موجوں کا چڑھاؤ اور اُتار
دُور سے لگتا تھا جیسے ہو گئیں ہوں وہ سیاہ +
کشتیٔ لاچار کی بڑھتی گئی یہ رفتار بھی
جیسے بادل کی کوئی ٹکڑی اُڑے طوفان میں
دوش پر مہکی ہواؤں کے درخشندہ سحاب
جیسے جیسے دن بڑھا بڑھتا گیا لہروں کا جوش
جن کے گرداب بلا اُٹھیں ہوائیں تند و تیز
زور سے آگے کہاں تک اِن بگولوں کے بھلا
چُپکے چُپکے باندھے جاتا تھا طلسمِ آرزو +
دعوتِ مرگ نہ نجاتِ غم اُسے دیتا تھا جو
جس سے پیدا خوف کا احساس ہو ماحول میں
ایک بوسیدہ سی کشتی پاس ساحل کے وہاں
اُس نے سوچا کہ بلانے سے تو موت آتی نہیں
بحر کی تاریکیاں سنتے ہیں اس کو ہیں پسند
گو دیں گہرائیوں کے کیوں نہ سو لیں چین سے +
اور پھر اپنے چُغے کو باندھ کر مستوں سے
صاف تھا مطلع چمکتا تھا فلک پر آفتاب
اُٹھے کر ساحل سے ہوائیں آ رہی تھیں تیز تیز
اور گہرا ہو رہا تھا جس سے اُن کا سبز رنگ
یہ ہوائیں تیز تر ہوتی گئیں اور اُن کے ساتھ
دمبدم ہوتی چلی جاتی تھی وہ ساحل سے دُور
تیرتا جاتا ہو یا کالی گھٹاؤں پر ہلال
اُڑ رہے ہوں اور اُن پر ہو رواں یا مہتاب +
مست لہروں کے تصادم سے ہوا طوفاں بپا
کشتیٔ بے چارگی لگی ہچکولے کھانے دمبدم
بس ہی چل سکتا تھا خستہ جاں شکستہ جسم کا +

لرزہ براندام جن لہروں میں تھی کشتی رواں
اپنی جا پر لیک یہ لہریں بھی تو مجبور تھیں
پڑ رہا تھا ان پہ متواتر مسلسل دم بدم
ناگ جیسے گدھ کے پنجوں میں پھنسا کھاتا ہو بل +
لہریں جب اٹھ اٹھ کے آپس ہی میں تھیں ٹکرا رہی
ہر گھڑی طوفان ہوتا جا رہا تھا تیز تر
ہو رہی تھی اس کی صورت جب بھیانک اور بھی
عکس تک بھی خوف کا دل میں نہ تھا اس کے کوئی
بادِ طوفاں کی بھیانک دیو صورت طاقتیں
اس کی نظروں میں مگر وہ رہ دکھاتی تھیں اسے
اس کی محبوبہ کے نورِ حسن سے معمور تھی +
پڑ رہی تھی اٹھتی لہروں سے جو متواتر پھوار
ہو رہے جاتے تھے بہر سو بحر پر صورت پذیر
ڈوبتے سورج کی کرنوں کے درخشاں آئینے
کم رہا تھا آسماں کشتی پہ اک رنگین چھتر
اوجِ گردوں سے پھر اتری اک ادائے خاص سے
اور بانہیں رحمتِ روشن کے گلے میں ڈال کر
مل کے یوں ٹھہرے افق کے پاس تھوڑی دیر وہ
بحر کی سطح پہ اتری وسعتِ افلاک سے

کفِ بلب لہریں تو تھیں گویا وہ چٹانیں برف کی
تازیانہ دیوِ طوفاں کے غضب اور غیظ کا
تند دھوسے دوہری ہوئی جاتی تھیں ان کی گردنیں
اس طرح سے جب سمندر میں بپا اک حشر تھا
جب بھنور اک دوسرے سے ہو رہے تھے دست و پا
پھیلتی جاتی تھی جب اس کی سیاہی ہر طرف
شانت وہ بیٹھا رہا۔ پتوار ہاتھوں میں لیے
فکر کشتی کی نہ تھی اس کو نہ اپنی جان کی +
کر رہی تھیں اس کے آگے رقصِ تخریب و فنا
وصل کی اس منزلِ مقصود کی۔ جب سر بسر
دن لگا ڈھلنے غروب ہونے کو آیا آفتاب
بن کے اک چادر روپہلی پھیلتی جاتی تھی واں
ان گنت آبی رواں گنبد نگینوں سے جڑے
جن میں تھے جلوہ فگن قوسِ قزح کے سات رنگ
رونما تھا تندیِ طوفاں میں خطرات کا جمال
سانولی مسکان مسکاتی حسینہ شام کی
اپنی گوندھی چوٹیوں سے اس کی آنکھیں ڈھانپ دیں
اور غائب ہو گئے پھر خوابگاہِ بحر میں
رات زیبِ تن کیے لاکھوں ستاروں کی قبا

جس کی لہراتے ہوئے گیسو ڈھلاتے تھے چمک)
راحت و آرام کا خاموش ہونٹوں پہ پیام +
طاقتوں پر باد و طوفاں کی نہ جادو چل سکا
چیختی چنگھاڑتی نعرے لگاتی جنگ کے
شور تھا شب خون کا ہر سو قیامت تھی بپا
آسماں کے پُر سکینہ تاروں بھرے ماحول کا +
خوفِ جاں دل میں لئے لب پر دعائے خیرِ جاں
آبشارِ تیز کے ہو آگے آگے جیسے جھاگ +
اونچے اٹھتی تھی کبھی وہ نوک پر اک لہر کی
پھینک دیتی تھیں اٹھا کر اس کو لہریں بار بار
جاذب کرنے کو اسے بیتاب تھے گرداب بھی
بچ کے وہ ہر بار ان کی زد سے جاتی تھی نکل
گرچہ باد و طوفاں باہم تاب و تواں +
جسمِ انسانی میں فطرت کی کوئی طاقت عظیم
قالبِ شاعر میں شکتی دان کوئی دیوتا
سامنے جس کے نہیں چلتا تھا بس طوفان کا +

شانِ تجلی سے اس کی مانند یہ محفل ہوئی
چاند کی کرنیں پڑیں جب جھیل پہ اطراف کی

اپنے دامن میں لئے جنت سکونِ خواب کی
رات کی رانی کے حسنِ نرم و نازک کا مگر
لہریں اٹھ اٹھ کر وہاں کالے پہاڑوں کی طرح
بار بار اک دوسرے سے آ رہی تھیں ٹکریں
بھوت گویا باد و طوفاں کے اڑاتے تھے مذاق
کشتی بیچاری تھی اب تو رحم پر طوفان کے
آگے آگے بھاگتی جاتی تھی وہ اس دیو کے
تھرتھراتی کانپتی سہمے ہوئے دم توڑ سے
اور گرتی تھی کبھی آ کر وہ پھر گرداب میں
جیسے اس کو توڑ دینے ہی کی کھائی ہو قسم
توڑ پائیں وہ نہ اس کو غرق کر پائے نہ یہ
سخت جاں تو تھی نہ ایسی پھر بھی اس کا کچھ بگاڑ
ایسا لگتا تھا کہ اک پژمردہ و خستہ و زار
کھیل کھیلے جا رہی ہے تندیِ طوفان سے +
عالمِ بالا سے آ کر بہہ گیا تھا نشہ نما

محفلِ انجم میں آدھی رات اترا ماہتاب
ارضِ خوابیدہ کو لیکن مل گیا حسنِ لطیف
برف کے شیشے سے اُن کا عکس یوں اٹھنے لگا

جیسے سورج کی شعاعیں رات کو ہوں ضوفگن
اس لطافت کا ہوا لیکن نہ طوفاں پر اثر
لہریں جو مٹھا اُٹھ کر وہاں آپس میں ٹکراتی رہیں
شور تھا جنگِ عناصر کا یہی متواتر بپا
سلسلہ تھا اک پہاڑوں کا سمندر میں بلند
ہو رہی تھی موج تو یلغار اُن کی کوہ پر
تھا مگر وہ سلسلۂ کوہ بہت ثابت قدم
موت تھی جو ہو کر مجسّم دیکھ صورت رُوسیاہ
بے تحاشہ تیز لہروں کی لپکتی دھار پر +
جن کے پہلو میں وہاں اک غار بھی کھولے تھا منہ
جس کی گہرائی کے پیچ و خم بلاتے تھے اُنہیں
حلق میں جس کے اُترنا چاہتا تھا دمبدم
دیکھ کر یہ کہہ اُٹھا شاعر بہ آوازِ بلند
ختم اب ہوگا جنونِ میرا مری آوارگی
بھاگ جانا چاہتی تھی مری ہر آواز پر
روک پائیں گی نہ ہرگز تجھ تک آنے کے لئے +
اور پھر تاریک گہرائیوں کے پیچ و خم کے ساتھ
غار و شب کی دوہری تاریکی بلا آخر بنی
تنگنائے غار کھل کر جھیل اک گہری بنی

اور شامل ہوں ستاروں کی سبھا میں دور سے +
اس کی تندی تو رہی ویسے کی ویسے بے پناہ
زور گر گرداب کا کم ہونا تو کیا بڑھتا گیا
اور وہ کشتی رہی شوریدہ لہروں پر رواں +
برسرپیکار لہریں جس سے رہتی تھیں مدام
کٹتی جاتی تھیں چٹانیں تیزی امواج سے +
جس سے ٹکرانا کسی کشتی کا اس کی موت تھی
دندناتی کر رہی تھی رقصِ تخریب و فنا
آ رہی تھی اب وہ کشتی ان چٹانوں کے قریب
کھینچتی اپنی طرف لہروں کو تھی جس کی ڈھلان
تیز دھارا بن کے ان لہروں کا سب جوش و خروش
اور وہ کشتی اُڑی جاتی تھی ان لہروں کے ساتھ +
"ہے یہی تو میرے دکھ درد کی راہِ نجات
نیند جو آتی نہ تھی اور موت جو مجھ سے پرے
اے جمالِ جلوۂ جاناں یہ دوری اب مجھے
دوش پہ لہروں کے کشتی غار میں داخل ہوئی
دور تک بہتی گئی۔ بہتی گئی وہ رات بھر +
رقص پانی پر لگیں کرنے شعاعیں مہر کی
اور اس میں جذب لہروں کی ہوئی تیزی تمام

ختم اُن کی خانہ جنگی کی ہوئی تندی بھی سب
صاف لہراتا ہوا تھا جس میں ہر بادل کا عکس
تھا مگر دھوکا سراسر یہ سکوں یہ خامشی

پُر سکوں بے موج و بے آوازہ سطحِ آب پر
کشتیٔ شاعر لگی چلنے بہت آرام سے
اُٹھ رہی درجہ بدرجہ تھی وہاں سطحِ زمیں

آ رہی تھی جس سے پانی کے بہاؤ میں کمی
اُٹھتا جاتا تھا مگر پایہ بہ پایہ دور تک

ٹھہرا ٹھہرا سا نظر آتا تھا پانی کو وہاں
جس طرح غواص کوئی غوطہ زن ہونے سے قبل

لے کے گہری سانس اندر روک لیتا ہے اُسے
بن کے اس قعرِ وسیع میں ایک گردابِ وسیع
اور بڑھ کر اس نے چھاتی چوڑے چکلے کوہ کی
ہل گئے پاؤں چٹانوں کے گیا جنگل دہل

رُک رہا تھا زورِ طوفاں کا کچھ ایسے ہی وہاں +
پوری طاقت سے اُٹھا طوفان پھر آگے بڑھا
چیر ڈالی اور اُترا ان کے شورِ آبشار +
کانپ اُٹھے وال قوی ہیکل شجر بھی خوف سے

دیکھ کر اپنی جڑیں پانی میں لہراتی ہوئی
وہ اُٹھا کر مانگتے تھے جان کی اپنی اماں +
اور چکر کاٹتی اوپر کو اُٹھتی تیز تیز

آسماں کی سمت اپنے لمبے اور مضبوط ہاتھ
آئی آخر کشتیٔ شاعر بھی اس گرداب میں
اس طرح بڑھنے لگی جیسے فرازِ کوہسار

اپنی جانب کھینچتا جاتا ہو متواتر اُسے
مختصر سی اور گہرائی اک آئی راہ میں
ہو گئے حیراں چند لمحوں کے لیے وہ رُک سا گیا

آخری پلٹے کی اونچائی سے لیکن پیشتر
ہو گئی ہموار پانی کی سطح اس کا بہاؤ
چھا گئی پھر سے خموشی پھر ہوا پیدا سکوں

تھرتھراتی ۔ کانپتی شاعر کی کشتی بھی رُکی
سامنے گرتا ہوا قعرِ فنا میں آبشار
دفعتاً مغرب سے لیکن زور کی اُٹھی ہوا
بدلا رُخ کشتی کا آگے جانیوالی رَو سے وہ
جھُک کے سایہ کررہے تھے وال گھنے پیڑوں کے جھُنڈ
گنگناتی جارہی تھی جوشِ مستی میں نسیم
اک جگہ ہٹ کر کنارے سے کھڑے تھے چند درخت
اپنے دامن میں لئے تھا مُسکراتے زرد پھول
جس میں اپنی ڈوبی ڈوبی نرگسی آنکھوں کا وہ
آملہ کشتی سے لہرا اُٹھی جو سطحِ آب پر
شغلِ غور و فکر میں اُن کے ہوا پیدا خلل
آج تک تو بھُولا بھٹکا کوئی آوارہ پرند
یا کوئی سرگشتہ یا خود اُن ہی کا ساتھی کوئی
مختصراً اُن کو بس اک دو گھڑی ہی کے لئے
آج لیکن کون تھا جو اُن کی خلوت گاہ میں
دیکھ کر شدگی میں ان رنگین پھولوں کا ہجوم
اُن کا اک سہرا بنا کر مشکبار و خوشنما
اپنی تنہائی کا لیکن ساتھ ہی آیا خیال
یہ خیال آتے ہی خواہش دل کی دل میں رہ گئی +

زندگی اور موت میں تھا اک نفس کا فاصلہ
بس لیا ہی چاہتا تھا اُسکو باہوں میں لپیٹ +
جس کے دم سے بادبانوں میں نئی جاں پڑ گئی
اپنے دامن کو چھُڑا چل دی کنارے کی طرف
حاشیہ آرا لبِ جُو پتھروں پر تھی نبات
نغمگی میں بس رہا تھا منظرِ فطرت تمام
خوش و خرم تھا وہ خطّہ سبز اور شاداب تھا
بن رہی تھی آبجو اک آئینہ اُن کے لئے
کرتے رہتے تھے نظارہ صبح سے لے شام تک
آئینے کے رُخ پہ اک دھُندلی سی چھا کچھ گئی
ہو کے حیراں وہ لگے آنکھیں اُٹھا کر دیکھنے
یا کوئی گم کردہ راہ موج پریشان ہوا
جانا ہوتا تھا جسے پانی کی راہ سوئے عدم
خود پرستاروں کی محویت سے دیتا تھا جھٹکا
ہو رہا تھا یوں خلل انداز شغلِ ناز میں +
دل میں شاعر کے ہوئی پیدا تو یہ خواہش کہ وہ
اپنے مرجھائے ہوئے بالوں میں دے اُسکو سجا
اہتمامِ رنگ و بو کیوں اور پھر کس کے لئے
آرزو و شوق کی وہ سر بلند و تیز موج

جو نمایاں ہو گئی تھی چند لمحوں کے لئے
چشم و عارض کو ملی تھی جس سے اک رونق نئی
موج وہ اُٹھنے نہ پائی تھی ابھی کہ ہو گئی
یوں تمنا کی تجلی آسمانِ زیست پر
کالے کالے بادلوں میں جیسے بجلی کی چمک
غرق ہو جاتی ہے یکسر ظلمتوں میں رات کی +

سایہ جنگل کے گہرے تھے روشنی کے ساتھ ساتھ
کرنیں سورج کی گذر پاتی تھیں مشکل سے جہاں
سبز سالیوں پر ملمع کرتی جاتی تھیں وہاں
کر رہی تھیں اس کے دلکش حسن کی رونق زیادہ +
اُن کے پلّے میں کئی غاریں تھیں تاریک و ضخیم
گونجتی رہتی تھیں ہر دم جن کے گنبد کی صدا +
ہو گئی تھی جس میں تنہائی کی وسعت جاگزیں

حسن کے جلوے پرورش پاتے تھے اس کی گود میں
لا رہی تھی کھینچ کر شاعر کو یہ اپنی طرف
تاکہ کر دے اپنی خاکِ جسم کو اس کے سپرد
یوں لگا اس کو مکمل ہو گئی اس کی تلاش
مقبرہ وہ فرش پر جس کے زمرد تھے بچھے
اپنی اس آرام گاہِ آخری کی سمت جب

اس کے چہرے پر جھلک بن کر کے رنگینی کی
جسمِ بے جاں میں ہوئی تھی جس سے بیداری عیاں
پھر دلِ تنہا کی محرومی کے پردوں میں نہاں
شاعرِ مایوس کے اُبھری۔ اُبھر کر مٹ گئی
رونما ہوتی ہے۔ رُکتی ہے ذرا پھر دفعتاً
اونچا اُٹھتے اُٹھتے آیا سر پہ مہرِ نیم روز

پیڑ تھے گنجان ان پیڑوں کی شاخیں تھیں گھنی
ہلکی ہلکی روشنی چھن چھن کے شاخوں سے مگر
زیبِ تن تھی وادیِ رنگیں کے یہ زریں قبا
دونوں جانب پاسباں اس حسن کے تھے جو پہاڑ
جن میں دھیمی دھیمی آوازیں بھی تھیں وادی کی تمام

یہ مقام دلنشیں یہ خطۂ امن و سکوں
یہ حسیں خلوت گۂ فطرت تھی فطرت کو عزیز
حسن کے شوقِ نمو کا ایک گہوارہ تھی یہ
ایسی ہی جائے سکوں کی تو اُسے تھی جستجو
سامنے آنکھوں کے آیا جو اُسکی یہ مقام
دے رہا تھا اس کو خود آواز اس کا مقبرہ
اور گنبد میں تھے جس کے ان گنت ہیرے جڑے +
چل پڑا شاعر تو اس کے سر پہ شاخوں نے کیا

چھتر نور تھکس کا۔ باہوں میں باہیں ڈالکر
اُٹھ رہے آہستہ آہستہ تھے شاعر کے قدم
آس کا خواب حسیں آنکھوں میں روشن مستقل
(جس کے آگے دیوتاؤں کا بھی بس چلتا نہیں)
جیسے جیسے وہ بڑھا آگے، ہُوا جنگل گھنا
نرم اور نازک سفیدے کی کمر کو پیار سے
شوق سے اس کو لگاتے تھا گلے سے شاہ بلوط
ایسے لگتا تھا کھڑے ہیں گویا اہرام بلند
منہ چھپائے سرنگوں شاخوں میں اپنی اس طرح
دوسرے پیڑوں پہ شاخ و برگ کی بہتات دیکھ
اور اس احساس کی شدت سے کانپ اُٹھتے تھے وہ
ان گنت پھولوں کا زیب تن کیے سرنگیں لباس
ناگ جیسے پہن کر قوس و قزح کے ہفت رنگ
خاک پر لہرا رہے ہوں پھن اُٹھا کر بار بار
پی کے اُن کا رس سہارا دے کے اُن کے زور کا
دور تک پھیلا کے شاخوں کو لپیٹے یوں لپٹتے
شوخ نظروں کے تبسم کی شعاعوں کو بکھیر
سہتے پیڑوں کے بیچ یوں اک دوسرے کے پاس پاس
چھن کے آتی ہے جوان پتوں سے دن کی روشنی

اور پتوں نے کیا پنکھا اُسے ہر گام پر +
جذبۂ عشق و محبت ہر نفس میں تھا رواں
ایسا لگتا تھا کہ کوئی دیوتا یا خود اجل
رہنمائی کر رہا تھا اس کی چل کر ساتھ ساتھ +
کر رہے تھے ہر قسم کے پیڑ ہر جانب ہجوم
اپنی لمبی کھردری بانہوں کی گانٹھوں میں لئے
گھنے تھے سرو و صنوبر کے وہاں اتنے گھنے
دور نیچے کی طرف تھے "الپس" اور کیکر کے پیڑ
آسماں جیسے گھٹا سے اپنا چہرہ لے چھپا
اپنی برساتوں کا اُن کو آتا تھا خیال
اُن بچاروں کی رگوں میں خشک ہو جاتا تھا خون +
کتنی ہی بیلیں لپٹی ہیں پیڑوں کے گرد
یا بھڑکتی آگ کے شعلوں کا اوڑھے پیرہن
چڑھتی ہیں پیڑوں پہ بیلیں جیسے ان پیڑوں کے سنگ
خود تو چمٹی ہیں تنوں سے اور اپنے ہونٹ کو
جیسے نیچے نیچے سے معصوم چنچل نونہال
گھیر لیتے ہیں دلوں کو، بیٹھتے پیار سے +
چن کے جیسے رکھ دیا ہو دستِ فطرت نے انہیں
لگتا ہے جیسے نہا کر آئی ہو وہ شسیل میں

رات کی شفاف تاریکی تھی ان کے درمیاں
آسماں پر بادلوں کی سی بدلتی صورتیں
اور رہ جاتی ہے ہو کر سے نظر حیراں کبھی +
بوٹیاں جن میں کھڑی ہوں اپنے دامن میں لیے
ایسا لگتا ہے کہ شوقِ جلوہ آنکھوں میں لیے
گوشہ اک اس تنگ وادی میں وہاں ایسا بھی تھا
تھا ہی جس میں جھاڑیوں کی جھاڑیاں اُن سفید
حور پیکر ڈوروں کو پھیلا کر اپنی بانہوں کے
روشنی سورج کی کرنوں کی جہاں ہوتی تھی گم
روح کی رخشاں لطافت ہو رہی تھی جن میں جذب
کہہ رہے تھے چپکے چپکے یہ دلِ جسم اس سے
دن چڑھے بھی روشنی لیتی ہے یاں انگڑائیاں
دوپہر کو بھی یہاں پیدا دھندلکے شام کے
تیرتی ہیں روحِ خاموشی و جانِ روشنی
وہ لطافت ہے جو ہو پاتی تو ہے صورت پذیر
چشمِ بینا میں کبھی اُٹھتے ہیں تو کچھ دھندلے نقش
آگے اس وادی کے اک چشمہ تھا خاموش و عمیق
جس کی گہرائی پہ ہوتا تھا سیاہی کا گماں (۱)

کرتی ہے تحلیلیں اُن کی اور نہیں ہم اختیار
دیکھ کر جن کو کبھی اُٹھتا ہے دل میں خوف سا
ایسے چھتر دلک کے تلے ہیں نرم ہریالی کے فرش
چھوٹے چھوٹے اَن گنت پھولوں کی خوشبو اور رنگ
حسنِ فطرت کی تجلی کے لیے ہیں بے قرار +
کِھل رہے تھے ہر طرف جن میں گلابِ مشکبو[1]
اور بیلیں یاسمن کی اوڑھے خوشبو کا لباس
اُن گلوں کی جھاڑیوں سے ہو رہی تھیں ہمکنار
پاک یہ منظر معطر یہ فضائے کیف زا
دے رہے تھے دعوتِ جلوہ نگاہِ شوق کو
دیکھ رازِ ہمت کا رنگِ ادا حسنِ نمو +
صبح دم جیسے افق پر اُٹھتی کرنیں مہر کی
اس فضائے پرسکوں میں وادیٔ رنگ و آب کی
جیسے دو ہمزاد بہنیں کھیلتی ہوں ساتھ ساتھ +
دامنِ صورت میں لیکن جو سما سکتی نہیں
جو نظر آنے پہ بھی پردے سے نظر آتے نہیں +
جس کی سطح اک کنز ہی کی سطح آتی تھی نظر
جس کی خاموشی اسے دیتی تھی آئینے کی تاب

۱ـ WHITE MUSK ROSE

محررہ

جس میں ہلکی سی بھی لہروں کی شکن پیدا نہ تھی
خود نگر شاخیں جھکی پڑتی تھیں جن کی سطح پر
پتہ پتہ اپنی جا پر صاف آتا تھا نظر
عکس اُن کے بھی وہاں تھے چشمۂ خاموش میں +
اُس میں آتی تھی جھلک ایسے ستارے کی کبھی
لیک جو دقتاً فوقتاً جھانک لیتا تھا وہاں
یا کبھی اس آئینۂ آب میں آتی اُبھر
بستر شاخِ شجر پر چاند کے دامن تلے +
سوتے سوتے تیرتا جاتا ہو جو سطحِ آب پر
دوپہر کے تیز سورج کی شعاعیں آن کر +
اور پھر جھک کر کے دیکھا چشمۂ خاموش میں
چند بکھری سی لکیریں اپنے بالوں کی وہاں
روشنی جو اس کی آنکھوں ہی کی تھی اپنی چمک +
آ کھڑا ہو پاس اک خالی اندھیری قبر کے
جس تنہائی تھی چھائی تھی خموشی چار سو
ہلکے ہلکے ہل رہے تھے جو کوئی پتے وہاں
دل میں اک ہلکا سا انجانا سا پا کر پاؤں کا
خوف آلودہ نظر - لرزیدہ و حیرت زدہ +
یوں ہوا شاعر کو جیسے خود نفاست روح کی

اس میں جتنے عکس تھے تھے ثابت و سالم تمام
سب کی سب اک ایک کر کے اس طرح تھیں منعکس
جھانکتی پتوں سے تھیں جو آسماں کی ٹکڑیاں
گلہے گلہے اور بھی کچھ عکس ہوتے تھے عیاں
آسماں پر جو نظر آتا نہیں تھا - بیشتر
ہو کے پتوں کی ہری جالی کے پردے میں نہاں +
شکل اس خوش رنگ طائر کی جو محوِ خواب ہے
عکس یا اس کرمکِ ناچیز کا جو دن چڑھے
کھولتی ہوں رنگ سب جس کے پروں کے آخرش
آیا شاعر اس مقامِ سحر منظر کی طرف
تیرہ گہرائی کے شیشے میں نظر آئیں اُسے
جن سے چھن کر آ رہی تھی ہلکی ہلکی روشنی
ایسا لگتا تھا کہ یا نکہ خواب میں جیسے کوئی
جھلک نکلے سے جس میں آتی ہو نظر خود اپنی نعش +
ہو گیا گویا مجسم اس کا احساسِ سکوت
اُن کی نا پیدا صدا بھی اس کے کانوں تک گئی +
تھا اس نے کی سر اُٹھا کر اس کی جانب اک نظر
اس لطیف و نرم حرکت کا بھی احساسِ خفی
دینے اُٹھی ہو اُسے اپنی حقیقت کی خبر +

دامنِ چشمہ سے اک ندی نکلتی تھی وہاں
سازِ خاموشی کے پردوں سے برابر نغمہ تر +
تھا وہاں موجود کوئی اور بھی اس کے سوا
جو نہ تھا محسوس نظروں میں جلالِ حسن کی
کرتے آئے ہیں جمالِ راز سے منسوب ہم
اخذ کرتے ہیں جنہیں حسنِ نمو سے دیدہ ور +)
جس کو اپنے سے جدا محسوس کرتا اس نے کیا
وادی و کہسار بھی تھے غرق جو کیف بار تھا
قربِ فطرت کا ہی تھا زندہ احساسِ شدید
چپکے چپکے تھا دلِ شاعر سے محوِ گفتگو +
تو اسے ظلمات میں اندیشے کی آتی تھیں نظر
تھی کشش جن میں بلا کی جو بلاتی تھیں اسے

روحِ فطرت (۱)

روح یعنی اس کی سوا رخشاں تھا جو نورِ خودی
وہ اسی کے ہی سہارے پھر ہوا گرمِ سفر
ندی سرِ چشمہ سے نکلی تھی جو دم سادھے ہوئے
شور کرتی تھی بنا کر جیسے چھوٹے آبشار +
صاف ستھرے سنگ ریزوں کے چمکتے فرش پر
(اس کی پائل کی صدا میں قہقہے بچوں کے تھے) +
نغمۂ آبِ رواں بنتا تھا آہنگِ سکوت +

بھر رہی تھی جس کی بے آواز شیریں نغمگی
یوں ہوا محسوس شاعر کو کہ جیسے اس کے پاس
اک وجودِ نامجسّم، اک مجسّم ارتعاش
(وہ روح پہلی ۔ وہ سنہری نور کی کرنیں جنہیں
جز لطافت کا نہیں پارینہ تمثال معتبر
وہ وجودِ نامجسّم وہ شعوری ارتعاش
روح تھی فطرت کی جس کے قرب کے احساس میں
چشمۂ خاموشی کی تاریک گہرائی بھی اور
جز زبانِ فکر و اندیشہ و لفظِ خام سے
ہاں مگر جب اوج پر جاتی تھی شدت فکر کی
وہ چمکتی نور پاش آنکھیں ستاروں کی طرح
مسکرا کر مسکراہٹ ہلکی ہلکی نیلگوں +
نور جو اس کے لئے تھا مشعلِ راہِ حیات
یا تو پھر بڑھنے لگے وادی کے پیچ و خم کے ساتھ
دامنِ کوہ سے اترتی جا رہی تھی تیز تیز
اُتری گھاٹی سے تو جنگل میں ہوا پھر وہ رواں
ناچتی جاتی تھی وہ ہو کر کبھی مست خرام
یا وہ گہری پستیوں میں سو سی جاتی تھی کبھی
چیر کر جنگل کو پہنچی وسعتِ میدان میں

تھک گئی تھی آتے آتے ہو گئی رفتار کم
ایک صاف آئینہ سیال تھی اس کی سطح
کر رہی تھیں ہر طرف پھولوں کی رنگیں چھایا ئیاں۔
آئینے میں دیکھتی تھی اپنی اُن کلیوں کا رنگ
دیکھ کر ندی کا ماخذ سے یہاں تک کا سفر

تو کہاں تک ساتھ لے جائیگی اسرارِ وجود
زندگی کا میری کیا نقشہ نہیں تیری حیات؟
اس کی اپنی اصل کیا ہے۔ کیوں ہوا اسکا ظہور
علم ہے، آغاز کا تجھ کو نہ ہے انجام کا
کن مراحل سے گزر کر آئے گی منزل تری
میں بھی ہوں تیری طرح اک رازِ سربستہ۔ مجھے
کس لیئے ٹھہرا ہوں جانا ہے مجھے آخر کہاں
آگہی جس کی ہے اس پر بھی نہیں ہے اختیار +
تو پوشیدہ جبیں میں ہے مری بھی برق پاش +
میرا کیفِ آگہی۔ میرا جنونِ جستجو
راز تیری زندگی ہے۔ راز ہے میری حیات
راز تیری زندگی کا کر سکیں شاید عیاں
منتشر ہو کر مرے تابندہ و زندہ خیال

کوئی شورش تھی روانی میں نہ تھا جوش و خروش
اور پھر اس آئینے کی حاشیہ آرائیاں،
ٹہنیاں بڑھ کر یہ جھک کر سر اُٹھا کر بار بار
نیم وا آنکھیں جھکی جاتی تھیں جنکی لاج سے +
شاعرِ حساس نے اُس کو مخاطب یوں کیا
"اے کہ اک ناپید گہرائی سے ہے تیرا ظہور
کچھ بتا تو ہے کہاں منزل تری۔ آبِ رواں
اک اتھاہ چشمہ ترا ماخذ۔ نہیں کوئی پتہ
کس اندھیرے غار سے پھوٹا ہے یہ آبِ حیات
کر نہیں سکتی تو اپنی راہ بھی خود اختیار
اور کسی بادل میں آخر جا چھپے گی تیری شان +
کچھ نہیں معلوم آیا ہوں کہاں سے کون ہوں
ابتدا کی ہے نہ کوئی انتہا کی ہے خبر
تیری لہروں کی چمک سے خیرہ ہو جاتی ہے نظر
تیری گہرائی کی خاموشی۔ تیری تیزی کا شور
ہے صدائے لن ترانی ہی کی برقِ ارتعاش +
آسماں کی وسعتیں رسا گر کبھی یا پھر کبھی
راز میری زندگی کا ہو نہیں سکتا بیاں +
جا بسیں گے کسی فضا کی وسعتوں میں آخرش

کہہ سکے شاید مری ہستی کا یہ سرِ نہاں

چلتا جاتا تھا کنارے پر وہاں ندی کے ساتھ
ایسا لگتا تھا کہ ہے ہلکا سا رعشہ پاؤں میں
مشعلگی احساس کی تھی اس کے اک اک عضو میں
کپکپی سی تھا! اُن میں بھی اُٹھتی تھی اس کے لمس سے +
سطحِ جسم سے اُٹھ کے ہوتی دل میں اس کے سربلند
آتشیں نسبت سے تنویرِ خیالِ کیف زا
عارضی دارفتگی میں بھول جاتا ہے مریض
موت کے احساس سے شاعر مگر غافل نہ تھا
تیز تیز اُٹھ کر قدم پہنچے یہ اُن پیڑوں تلے
ڈھل رہا تھا دن فلک کا خوشنما رنگین چھتر
سبز پوشش سے چھپا ہیں سر نکلے تھے کہیں
کچھ صنوبر سن رسیدہ بے لباسِ شاخ و برگ
کر نہیں پاتے تھے گویا موت کو اپنی قبول
لیکن اُٹھ جانے کو آمادہ نہیں تھے وہ ابھی
سر کٹے جسموں میں ہوں جیسے زندگی کی خواہشات +
جاذبیت اپنی کھوتا جا رہا تھا دمبدم
پھیلتا ہی جا رہا تھا خوف و دہشت کا دھواں

حسنِ فطرت

روحِ عالم پھیرے اس دنیا سے اُٹھ جانے کے بعد
لے کے اپنے دل میں شاعرانہ خیالوں کا ہجوم
فکر و اندیشہ کا اس کے عکس تھا رفتار میں
جل رہا تھا جسم اس کا گرمیِ افکار سے
جب قدم پڑتے تھے اسکے کائی پر یا گھاس پہ
ایسی حالت میں بھی اک موجِ نشاطِ زندگی
شدتِ تپ میں اُٹھا دے جیسے جلتے جسم کو
آخری لو انبساطِ زیست کی جسکے طفیل
وہ اندھیرا جس میں ہوتا ہے بالآخر اس کو غرق
موت سے ملنے کو ہی تو تھے رواں اسکے قدم +
اُگ رہے تھے جو کنارے آبجو کے ساتھ ساتھ +
دھندلکے میں شام کے ہوتا چلا جاتا تھا غرق
سائے پیڑوں کے ہوئے جاتے تھے لمبے اور بھی +
اپنے بوسیدہ تنوں پر لڑکھڑانے تھے وہاں
بن رہے تھے وہ زمیں پر بار اک ناخوشگوار
تھی ابھی اُن کی جڑوں کی اُبھری نسوں میں سکت
کچھ اسی پر بس نہیں تھا۔ وہ حسیں منظر تمام
مُردنی سی چھائی جاتی تھی فضا پر ہر طرف
ایسے تھی یہ منظر و ماحول کی پژمردگی

آدمی کے حال میں جیسے بڑھاپے کا سماں
جھریاں چہرے پہ، سر پر بال گنتی کے سفید
اپنی سب رونق سے عاری اور پتھرائی ہوئی +
ساتھ اس کا چھوڑتے جاتے تھے رنگیں پھول سب
اور وہ ان کے گھنے جاں بخش سایوں کا ہجوم
گونجتے تھے جن کی پہنائی میں سب بالا گو کے شور
یہ اُداسی شام کے بڑھتے ہوئے سایوں کی لیک
لب پہ مُہرِ خامشی دل میں سکوں غرقِ خیال
ناچتی جاتی تھی جو وادی کے پیچ و خم تمام
چاروں جانب تھیں چٹانیں ہی چٹانیں بے شمار
شام کے بڑھتے دھندلکے میں یہ لگتا تھا کہ وہ
پائے کوہ میں وسعتیں وادی کی اور گہرائیاں
چھپتے چھپتے غار لیکن اپنا منہ کھولے ہوئے
راہ میں ندی کی حائل تھے کچھ اس انداز سے
اونگھتے ماحولِ وادی کے سکوتِ شام میں
اور پھر بعد جوش سے اک اک زباں نعرہ فگن
کنگروں کے درمیاں پیدا شگاف اندر شگاف
کر رہا ہے کوئی نظارہ خرامِ بام سے +
ہلکی ہلکی روشنی میں بس رہی ہے کائنات +

اٹھتے ہیں ماتھے پہ جب عمرِ گذشتہ کے نشاں
اور آنکھیں (آب جن میں موتیوں کی تھی کبھی)
پھیکا پڑتا جا رہا تھا کچھ یونہی منظر کا رنگ
ٹھنڈے وہ سرسبز پیڑوں کے قطار اندر قطار
کھیلتی تھیں جن کے دامن میں ہوائیں مشکبار
سب کے سب ہٹتے گئے آہستہ آہستہ پرے +
کچھ پریشاں کر نہ پائی شاعرِ خود مست کو
وہ تو چلتا ہی گیا چلتا گیا ندی کے ساتھ
اپنی آہستہ خرامی کی رواں زنجیر سے +
بے گیاہ و بے شجر تھیں ان کی کافی چوٹیاں
کر رہی ہیں ہر گھڑی صورت نئی اک اختیار +
ہو رہی تھیں سائے میں گھاٹی کی رفعت کے نہاں
اور آوارہ پریشاں حال پتھر بے شمار
اور اونچی ہو رہی تھی اس کی آوازِ رواں +
مل گئی ہوں جیسے ندی کو زبانیں سینکڑوں
درۂ کوہ اک دکھائی دے رہا ہے زور سے
ایسا لگتا ہے کہ کھوئے اپنی چشمِ پاک میں
حسنِ عالم نے لیا رخ پر دھندلکے کا نقاب
روشنی اپنی فلک کی وسعتوں کو سونپ کر

حسنِ فطرت

کرنیں تاروں کی پریشاں ہیں فضائے دہر میں
چاند کی ٹکڑی جھلک دیکر ابھی جانے کو ہے +
کھوئی کھوئی وسعتیں ہیں سوئی سوئی رفعتیں
اور دریا دور تک پھیلے ہوئے میدان میں
اب بھی لیکن آرہی ہے اُن شراروں کی جھلک
اور جو اک ایک کر کے بُجھتے جاتے تھے مگر
شام کے سایوں پہ کرتے تھے ملمع نور کا +
سادگی تھی منظرِ نزدیک کا رنگِ جمال
اک صنوبر تھا تنِ تنہا وہاں سینہ سپر
کر رہا تھا تیز جھونکوں کا ہوا کے سامنا
لیک تھوڑا ہی پرے ہی جابجا گر آتی تھیں وہ +
اُٹھ رہا تھا یوں فضا میں ایک آہنگِ سرود
دے رہی تھی تال متواتر جیسے اک آبشار
قطرہ قطرہ بکھرتے جا رہے تھے چار سُو +
اور گہرائی میں گرتی جا رہی تھی آبِ رواں
تھا سرے پر کوہ کے اونچی چٹانوں میں گھرا
تھی زمیں کی تیرگی۔ نیچے تو اوپر کی طرف
ظلمتِ ماحول میں پیدا تھا تنہائی کا ڈر
روح میں اُٹھتا تھا احساسِ بیخودی میں یوں

پڑ رہی ہے نور کی چاروں طرف ہلکی پھوار
اس فضائے نرم و نازک کے سکونِ پاک میں +
چوٹیاں نیلے پہاڑوں کی جزائر بحر کے
چھا رہی ان سب پہ ہے اک دھندھلی سی روشنی
جو افق پر دور اُٹھتے تھے شفق کی آگ سے
اپنی زریں روشنی سے بجھتے بجھتے بھی وہاں
یہ تھی رنگینی و رونق دور کے منظر کی لیک
آنکھ تھی مسحور اُس سے اِک سے دل مسرور تھا +
پاؤں کو اپنے جمائے زور سے چٹان پر
اسکی شاخیں جھوم جاتی تھیں ہر اک جھونکے کے ساتھ
تھی ہوا مضطرب۔ تو شاخیں صنوبر کی ستار
جس میں شامل ہو رہی تھی ندیوں کی نغمگی
اپنے ناہموار رستے سے گزر کر دم بدم
یہ تنِ تنہا صنوبر اور یہ خالی چٹان
پاسباں تھے ایک ایسے گوشۂ عزلت کے جو
ہر طرف پھیلی ہوئی اونچی چراگاہ کے درمیاں +
گنبدِ افلاک میں لاکھوں ستاروں کی چمک
نورِ خاموشی مگر تھا فضا میں امن و اماں +
بیل پھیلی تھی کچھ ایسے عشق پیچاں کی وہاں

کبھی بانہوں میں لیتے تھے اس نے اپنی سب لپیٹ
اور پھر اس پہ بچھا رکھا تھا اک قالین سبز
ہر طرف ڈالے تھے اپنے سخت ہاتھوں سے بکھیر
ٹوٹ کر جاں بخش شاخوں سے یہ پتے خاک پر
پھر کبھی تھا اُن کے لبوں پر اک تبسم جانفزا
نو بہاروں کے بھی تھا سر مارہا +
وہ نسیمِ نرم جس کا ہر نفس امن و سکوں

آج پہلی بار گونجی آدمی کی یاں صدا
خوابِ راحت سے ہوئی ہے خامشی بیدار آج
آج ہے اُس حسن و رنگت نور و جلوہ کا نزول
جس کے رخسارِ دلنشیں کے مد و جزر پر رنگ ہے
نیم وا آنکھوں کی گہرائی سے اُٹھتے نور ہیں
جس کے سحرِ نطق سے بے حس ہواؤں کو ملے
نغمے وہ جن کے سروں سے اک نئے جیون کا رس
وہ حلاوت بن کے جو قوسِ قزح کے ہفت رنگ

اُس کی مدھم روشنی تھی ایک ہلکی سی لکیر
چومتی تھی ظلمتوں کو جو کنارِ آب کی

اس گپھا کے فرش میں جلنے بھی پائے تھے شگاف
جس پہ پت جھڑ کے بگولوں کی شریر اولاد نے
پیلے پتے بھورے پتے، لال پتے بے شمار
سو رہے تھے نیند گہری موت کی آغوش میں
اپنی شانِ بے نیازی سے جو رنگِ حسن کو
تھا یہی گوشہ نسیمِ صبح کی آرام گاہ
جو درندوں کو کبھی جنگل کے سکھائے شانتی +

آج پہلی بار آئے آدمی کے یاں قدم
آج پہلی بار تنہائی کا ٹوٹا ہے سکوت
آج رقصاں ہے فضا میں روحِ نغماتِ بشر
جس کی آمد سے بڑھی اس گوشۂ خلوت کی شان
جس کے سینے کے درخشاں انتشارِ پاک سے
یہ حسیں منظر ہوا دلکش و رنگیں اور بھی
گیت احساسِ خودی کے نغمے سوزِ ہست کے
پا گئی ٹوٹے ہوئے پتوں کی بے جان خاک بھی
غنچہ و گل میں ہوئی اس سرزمیں کے جلوہ گر +
چاند کی ٹکڑی افق کی حد پہ تھی لٹکی ہوئی
نور کے پنہاں سمندر کی وہ اک موجِ لطیف
ہر فرازِ کوہ سے جس کی جھلکتی تھی چمک +

دندناتی تھی فضا کی وسعتوں میں زمہریر
آسماں پر ٹمٹماتا تھا نہ تارا ایک بھی +
سو رہی تھی بازوؤں میں کوہ کے آرام سے +
دے رہی تھی دعوتِ آمد اجل کو بار بار
کوئی بھی تولا نہیں سکتا تری طاقت کی تاب
تو یہاں کبھی پردۂ شب میں نہاں موجود ہے
خون ہوتا ہے ہزاروں بے گناہوں کا رواں
خادموں کو قوم کے کبھی مل نہیں پاتی اماں
برف سے بے داغ بستر میں کبھی تیرے حکم سے
سامنے تیرے شہنشاہوں کے سر ہوتے ہیں خم
سامنے آ، دیکھ تو تیرے لئے لائی ہوں میں
عالمِ شعر و سخن کا انتخابِ لاجواب
جانتی ہوں بھوک ٹوٹتی نہیں تیری کبھی
اور پھر آرام سے کچھ دیر کو سو جائے تو
کہ ترے بے شمع مندر کی خلائے تار میں
مسکرا کے خاک میں مل جائے پھولوں کی طرح
آستانِ سبز پر اس گوشۂ خاموش کی
آ گئی ہے اب گھڑی وہ آخری آرام کی
پیشتر اس سے کہ اس کی پاک اور عظمت مآب

ایک جھونکے میں چھپ جاتی تھی ساری چاندنی
حشر زا تیزی و تندی بھول کر اپنی ہوا
بے صدا آوازِ ہیبت اُٹھ کے ہی حوالے سے
"اے کہ تخریبِ جہاں کا قادرِ مطلق ہے تو
تیزیٔ رفتار کو تیری نہیں پاتی نظر
تیرے ہی ایما سے خاکِ قتل گاہِ جنگ پر
اور لگ جاتے ہیں ہر سو بے کفن مردوں کے ڈھیر
توڑ دیتے ہیں ترے ہی سامنے دم سرفروش
ترک کر دیتی ہیں خاکی جسم کو ارواحِ پاک
لوٹتی ہیں گر دنیں تیری رضا سے دار پر
گھوم کر سارے جہاں میں تیرے لائق اک شکار
پیکرِ حسن و حقیقت صورتِ نور و جلال
ہو تسلی لقمۂ چیدہ سے شاید کچھ تری
تا کہ مرتے دم بشر کو ایسی مجبوری نہ ہو
وہ کرے ناخواستہ ٹوٹے ہوئے دل کو کبھی
کرمکِ ناچیز کی مانند ہو یا غرقِ خاک" +
رکھتے ہی اپنے قدم شاعر نے فوراً پا لیا
جستجو میں جس کی وہ بھٹکا کیا تھا آج تک +
روح اپنے قالبِ خاکی کو کہہ دے خیر باد

آئینہ سا بن گئی اک اس کی بے حرکت خودی +
زندگی کا پھر اسے اپنی نظر آیا جلال
گزرے جالی کے دریچہ سے وہ جب کہ تھی خرام
سخت جاں بوڑھے عناصر سے تنے پر آن کر
اور پھر دی لیٹے بھاری سر کو اک پتھر کی ٹیک
پھر کنارے پر کھسک کے، دکھتی جہاں سیدھی چٹان
جسمِ درماندہ کو لیٹے کر دیا اُس نے دراز
اس طرح لیٹے ہوئے آرام سے دیکھا کیا
جلتے جلتے رُک گئیں تھیں زندگی کی قوتیں
خیرہ اُنہوں نے جس کو بخشی تھی توانائی و تاب
نرم ہوتی جا رہی تھیں اُسکے دل کی دھڑکنیں
گرمیِ اُمید باقی تھی نہ اس میں سوزِ یاس
نیند گہری اور میٹھی موجزن تھی اسکے گرد
کھو چکے تھے جس میں اپنا آپ سب بیم و رجا
تھی نہ اب آلودۂ رنج و الم اس کی انا
بے کنارہ موج ندی تھی شعورِ ہست کی
چھا رہا تھا تہ بہ تہ چاروں طرف کاملِ سکوں
اور اس کے لب پہ کھلتا جا رہا تھا نور و رنگ
کیفِ ہستی و نشاطِ روح کا عکسِ حسیں +

آخری وقت

سامنے آنکھوں کے اس کی آئے ماضی کے نقوش
دوش پر جیسے ہوا کے میٹھے نغمے کے ہوں سُر
اور وہ ضم روشنی میں ہوئے خلوت گاہ • کی +
اُس نے آہستہ سے رکھا اپنا پتلا زرد ہاتھ
عشق و پیماں کا چڑھا تھا جس پہ اک نازک غلاف
اور سطحِ فرش کی ہموار تھی قدرے جہاں
اس کے اعضا میں نہ حرکت تھی نہ تھا کوئی تناؤ
جسم و جاں کے منظرِ رخصت کا وہ لیک ایک رنگ +
دیکھتی جاتی تھیں وہ اُس جسم کے ہر عضو کو
اور جس کو چھوڑ کر جانا پڑا تھا اب اُنہیں
موجِ خوں آہستہ آہستہ ہوئی جاتی تھی سرد
کوئی غم دل میں نہ تھا اُسکے نہ کوئی خوف تھا
غرق جس میں ہو چکے تھے زندگی کے سب عذاب
درد کے احساس سے نا آشنا تھے اب تو اعضا
اس انائے پاک کے دامانِ نورِ محض میں
رُکتے رُکتے رک چلا تھا اس کا بے حرکت بہاؤ
اس سکوں کو سانس شاعر کی کئے جاتی تھی جذب
ایک ہلکی سی درخشاں گلفشاں مسکان کا
نیم وا آنکھوں میں اسکی چلتے چلتے رک گیا

دور مغرب میں اُفق پر ماہِ آویزاں کا نقش
کالے کپڑے میں بنے ہوں جیسے کچھ چاندی کے تار +

اب لگا وہ ڈوبنے درجہ بدرجہ دم بدم
گجر دلِ شاعر کے بھی اب اور مدھم ہو گئے
مد و جزرِ نغمۂ فطرت تھیں جس کی دھڑکنیں
روشنی ہوتی گئی کم تیرگی بڑھتی گئی
وسعتِ ظلمت میں کچھ نقطے سے بنکر رہ گئیں
شب کی تاریکی کا سناٹا ہی سناٹا تھا بس
بے زباں بے حرکت و بے حرارت و بے جسم و جاں
تھا فضا میں ہر طرف تاریک سایوں کا ہجوم
سانس شاعر کی بھی اک بے صوت ہچکی بن گئی
نبضِ شاعر گم تھی لیکن دل کی اک دھڑکن ابھی
پھڑپھڑائی وہ بھی آخر اور یکسر رک گئی
نورِ یزداں کی تجلی سے منور تھا یہ جسم
شعلۂ منصورِ اناالحق سے درخشاں یہ شعور
گونجتا تھا جس کے تاروں پر سرودِ کیفِ ہست
جس سے رنگیں تھا شبابِ زیست وہ خوابِ حسیں
نور و نغمہ کا وہ دریا جس کا اندازِ خرام
دفعتاً غائب ہوا ہے ریگ زارِ مرگ میں

جس کی کرنیں مل رہی تھیں رات کی ظلمات سے یوں
اک گھڑی کو جوڑ کا تھا کوہ کی چوٹی پہ چاند
ڈوبتی کرنوں سے ہم آہنگ ہو کر چاند کی
دل جو زیر و بم سے سازِ ہستی کے تھا آشنا
ایک ہوتا جا رہا تھا لے سے خاموشی کی وہ
چاند کی پسماندہ کرنیں چاند سے ہو کر جدا
اور پھر یہ نور کے نقطے بھی غائب ہو گئے
کوئی ہلکا سا نشاں تک بھی نہ کرنوں کا رہا
آسماں پر چھا رہی تھیں تہ بہ تہ تاریکیاں
عکس بن کر رہ گئی تھی ان ظلمتوں کا خود زمیں
شب کے پردے میں ہوا پیدا نہ جس سے ارتعاش
دے رہی تھی زندگی کے آخری دم کا ثبت
رہ گیا اک بے حس و بے جان و بے آواز جسم +
ذاتِ باری کے اشارے سے متحرک تھی یہ جاں
یہ وجودِ زندہ و تابندہ ہے اب مشتِ خاک
سازِ جاں وہ اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہے +

ہو چکا ہے اب پریشاں مٹ چکا اس کا نشاں
حسنِ فطرت کو عطا کرتا تھا شان و آب و تاب

کاش اس سنسان ویرانے میں ہوتا جلوہ گر
وہ ہنر، بنجر زمیں پر جس سے کھل جاتے تھے پھول
پھیل جاتی تھی فضا میں جس سے خوشبوئے بہار +
اور یہ زہرِ ہلاہل کا نہ ملتا اس کو جام
ایک وہ ہے پی لیا ہے جس نے دُردِ جام تک
کھا گئی اس کو جوانی ہی میں کِس کی بددعا +
زندہ تصویرِ اجل بن کر پریشاں حال ہے +
جس میں آئی تھی نظر اس کو بقائے زندگی
کیمیا سازی کے لاکھوں تجربے کرتا رہا
کانپتے کمزور ہاتھوں سے کٹھالی میں تلاش
اپنا عمرِ جاوداں کا کاش سچ ہوتا یہ خواب
لیک ایسا ہو نہ پایا ہے نہ ممکن ہے کہ ہو +
کر گئی ہے پرواز اس کی روح بالائے جہاں
پاک روح کو اس کے اب کرتی ہیں رخشاں اور بھی
وہ لطافت و نفاست کا ذہانت کا وجود
وہ سراپا حُسن وہ پُتلا جلال و نور کا
ظلم ہوتے ہیں یہاں بیدرد ہے اپنا جہاں
گھومتی رہتی ہے محور پر مگر اپنے حیات
چلتے پھرتے ہیں دمادم زیست کے میدان میں

[illegible] جوان مرگئی

کیمیاگر "میڈیا" کا آج اعجازِ ہُنر
کونپلیں جس سے خزاں میں پھوٹ آتی تھیں نئی
کاش یہ مجبوریٔ تقدیر ہو جاتی معاف
اور بھی پیتے ہیں زہرِ غم مگر اک دو گھونٹ
قہر یہ اس پہ ہوا نازل۔ نہ جانے کس لئے
بعد مرنے کے بھی وہ تنہا تفکر سہتا ہی
کاش بوڑھے کیمیاگر کا ہی سچ ہوتا وہ خواب
عمر بھر چھُپ چھُپ کے وہ اک غار میں جس کیلئے
سامنے اس کے کھڑی ہے موت لیکن پھر بھی وہ
کر رہا ہے زندگی کے خواب کی تعبیر کو
اور ہوتی یہ حسیں دُنیا سدا اپنے لئے
جا چکا ہے جا چکا ہے وہ ہمیشہ کے لئے
آخری بے جان اک ہلکے سے دم کے ساتھ ہی +
دامنِ زریں میں لپیٹے کے کرنیں مہر کی
ہمت و طاقت کا جانبازی و جرأت کا وجود
درمیاں سے اب ہمارے جا چکا ہے جا چکا +
دل دُکھانے کی بھی ہوتی ہیں یہاں بہت باتیں یہاں
آدمی بھی جانور بھی اور کیڑے بھی سبھی
اس زمیں کے کونے کونے سے صدائے زندگی

دُور بھی ہے اب بھی متواتر گذشتہ کی طرح
دشت کی ویرانیوں سے بستیوں سے شہر کی
شام افسردہ کی خاموشی کی زیرِ لب دُعا
چُپ ہے لیکن وہ مغنی جس کے نغماتِ نشاط
وہ صداقت کا محبت کا مسرت کا وجود
اب نہیں اس کو جہاں کی صورتوں کا کچھ شعور
حُسنِ عالم کو حسیں تر کر گئی جس کی نظر
پیار کر سکتا نہیں دُنیا کے رنگ و حُسن کو +
جا چکا ہے اس جہانِ بے وفا سے جا چکا +
دل ہی دل میں بھی نہ کوئی اب کرے اظہارِ غم
وہ ہے اب دنیا کی ہمدردی و غمخواری سے دُور +
غرقِ خاموشی ہیں اُن پر چھائی زردی موت کی
لب پہ آتا ہے نظر وہ جلد ہی مٹ جائے گا
ہو گئی ہے بند وہ اب تو ہمیشہ کے لیے
یہ طلسمِ خوش فریبی ٹوٹ جائے گا ابھی +
جسم وہ بے جان و بے رونق پڑا ہے خاک پر
ہے ابھی محفوظ یہ کیڑوں کے حملے سے مگر
کون ہے جو یاد نہ دے یہ دکھ کا منظر دیکھ کر
تر نہ ہو کوئی تصور میں بھی چشمِ سوگوار

خادلیں ہے کوہ کی۔ پنہائیوں سے سحر کی
ہستی کی اس زندہ نے سے اب کبھی ہو صوت پذیر
صبحِ خنداں کی خوشی کا نغمۂ حمد و ثنا +
روح میں بیدار کرتے تھے سرورِ بے خودی
جا چکا ہے اب ہمارے درمیاں سے جا چکا +
صورتیں دیتی تھیں جو عشقِ حقیقی کا پیام
رنگِ ہستی کو بنایا جس نے رنگیں تر وہ آج
کل جہاں جس کی محبت میں سمایا تھا وہ اب
کوئی آ کر اب نہ اس کی موت پر آنسو بہائے
اس کو ہمدردی نہیں درکار اس دُنیا کی اب
نغمے رہتے تھے جہاں لرزاں سدا وہ ہونٹ اب
یہ جو شیریں نغمگی کا تبسم عکس سا
آنکھ جو رنگین جلووں سے سدا معمور تھی
یہ جو لگتا ہے کہ وہ ڈوبی ہوئی ہے خواب میں
ناز تھا جس کی نفاست پر شباب و حسن کو
شکل و صورت اس کے سب اعضا کی قائم ہے ابھی
خاک ہو کر جلد ہی یہ خاک میں مل جائے گا +
اشک لیکن کوئی بھی ہرگز نہ یاں آ کر بہائے
دیکھ کر اس نظم کو میں میری اک عکسِ لطیف

اُس جمال و نور کا جو ہو چکا ہے منتشر +
شعر و تصویر و مجسمہ میں نہ لانے کی اسے
اُس غم و دردِ جدائی کے گداز و سوز کی
ایسی روحِ پاک و اعلیٰ کے چلے جانے کے بعد
روح کی وسعت و عظمت فن میں آ سکتی نہیں +
استعاروں سے زیادہ ان کی کچھ وقعت نہیں
جادوئے مانی فسون آذری سحرِ بیان
جو دھواں بن کر چھپا دیتا ہے فن کے نور کو +
غیب کے پردے میں چھپ جاتا ہے تو یہ کائنات
اس اندھیرے میں ملال و حزن و رنج و یاس کے
بھر نہیں پاتے وہ سسکی تک۔ فغاں کرتے نہیں
یہ جہاں پہلے سا اب رہتا نہیں اُن کے لئے +
روئے فطرت کی جمال آرائیاں رنگینیاں
دست و بازوئے بشر کی کاوشیں سرگرمیاں
اس کے احساسِ لطیف و پاک کی رعنائیاں
بن کے رہ جاتی ہیں اُن کے واسطے اک سلسلہ

کوئی اہلِ فن کوئی شاعر مصور بت تراش
سعیٔ لاحاصل کرے۔ یہ تاب لا سکتے نہیں
ایک طوفاں بن کے اُٹھتا ہے دلِ گیتی میں جو
غم زدہ جس تک خون کے آنسو بھی جا سکتے نہیں
بلکہ پیرِ زہ صورتِ سنگ و نقوشِ صوتِ شعر
وہ بھی ناکافی و بے جان نا تمام و بے اثر +
سب ہیں عاجز اس غمِ جانسوز کے اظہار سے
جب کسی روحِ معلّی کا جمالِ نور پاش
اپنی رونق کھو کے گھر جاتی ہے غم کے سائے میں
ہو کے رہ جاتے ہیں خستہ کچھ اس طرح پسماندگان
ایک آہِ سرد بے آواز بنتی ہے حیات
وسعتیں ارض و سما کی۔ زیست کی پہنائیاں
شورشِ ہنگامۂ ہستی کی ساری رونقیں
فکرِ انساں کی فلک پیمائیاں۔ گہرائیاں
اور تخلیقاتِ فن کے حسن کی سب صورتیں
مہمل و مجہول پیدائش سے لے کر موت تک

"حسنِ صورت حسنِ حق ہے ۔ لازوال"

ہے نشاطِ جاوداں رنگِ جمال
جیسے بڑھتی ہے بشر کی تابِ دید
حسن کا ویسے ہی بڑھتا ہے جلال
حسن میں آ ہی نہیں سکتی کمی
حسنِ صورت حسنِ حق ہے۔ لازوال

(کیٹس)

آفتابِ جلال جاگو[1]

ایشور امبا[2] کے لال جاگو
آفتابِ جلال جاگو

پُورب[3] میں پَو لگی ہے پھٹنے — نیند سے اُٹھ رہے ہیں سارے
تم خدائی سنبھالو اپنی — کرنیں پھیلاؤ رحمتوں کی

ح ۱ صبح کا وقت ہر مذہب میں دُعا کے لئے مبارک و متبرک مانا گیا ہے۔ بھگوان کی بھگتی کا ایک روپ یہ ہے کہ

صبح سویرے بھگوان کے بھگت بھگوان کو جگاتے ہیں۔ اس دعا (پربھاتم) سے انہیں بھگوان کو اپنے دل میں جگانا مقصود ہوتا ہے۔ بھگوان سے خطاب میں ایک خاص رس ہوتا ہے جسے وہ صنم پرست ہی محسوس کر سکتے ہیں جن کے متعلق اصغر گونڈوی نے کہا ہے:

محوِ اداو ناز ہے یوں ہمہ تن نیاز ہے
پوچھ صنم پرست سے کیفیتِ نمازِ عشق

اس دُعا میں بھگوان کو اُس روپ سے مخصوص کر لیا جاتا ہے جس کو بھگت اپنا معبود مانتے ہیں۔ اس دُعا نیہ نظم میں خطاب بھگوان شری ستیہ سائیں بابا سے ہے (نام مختلف ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں لیکن دُعا ایک ہی ہے)۔

ح ۲ سائیں بابا کی ماتا کا نام ح ۳ مشرق

تم ہی تو رب العالمین ہو — ستیہ سا لیشا جاگو جاگو
کام لطف و کرم تمہارا — نور برسا ؤ بخششوں کا

مہرِ حسن و جمال جاگو
آفتابِ جلال جاگو
ستیہ سا لیشا جاگو جاگو
صبحِ رخشندہ ہم کو بخشو

خالق و رازقِ دو عالم — لطفِ دائم و فیضِ پیہم
خیر و بہبود سب جہاں کی — اک نگاہِ کرم تمہاری
یہ نظر اپنی ہم پہ ڈالو — ستیہ سا لیشا جاگو جاگو

مہرِ حسن و جمال جاگو
آفتابِ جمال جاگو
ستیہ سا لیشا جاگو جاگو
صبحِ رخشندہ ہم کو بخشو

رودِ چتراوتی کے تٹ پر — یہ مبارک مقامِ اطہر
یہ تمہارا پرشانتی نلیتم — سجدہ گاہِ جبینِ عالم
یہ بہشتِ سکون و راحت — خلدِ امن دامان و شفقت
یہ عبادت گہہ زمانہ — برکتوں کا بھرا خزانہ
بھگت ہیں جمع یاں تمہارے — آئے درشن تمہارا پانے

مہرِ حسن و جمال جاگو
آفتابِ جلال جاگو

ستیہ سا لیشا جاگو جاگو
صبحِ رخشندہ ہم کو بخشو

شنیہ نا ما پوتر نا ما | ستیہ تارا اپنا سائیں بابا
کرتے ہیں جو تمہاری پوجا | جو بھجن گاتے ہیں تمہارا
پریم اور بھگتی رس میں بس کر | سائیں شنکر اُما مہیشور
بھگت وہ آئے ہیں تمہارے | درس دو ان کو سائیں پیارے

مہرِ حسن و جمال جاگو
آفتابِ جلال جاگو
ستیہ سا لیشا جاگو جاگو
صبحِ رخشندہ ہم کو بخشو

پوجنے کو چرن تمہارے | پھول لائے ہیں بھگت سارے
تازہ و عطر بیز و رنگیں | لال پیلے سفید و زریں
آرزو ہے ملن کی دل میں | اور ہر لب پہ ہیں دعائیں
شوقِ دیدار کی شعاعیں | ناچتی ہیں ہر اک نظر میں
سب کا تن من تمہارے ارپن | دیدو اب اپنا سائیں درشن

مہرِ حسن و جمال جاگو
آفتابِ جلال جاگو
ستیہ سا لیشا جاگو جاگو
صبحِ رخشندہ ہم کو بخشو

آتے ہیں دلیش دلیش سے یاں — دید کا لے کے دل میں ارماں
کتنے ہی عالم اور فاضل — علم اور فن میں اپنے کامل
جب رہتے ہیں وہ دید منتر — پریم کا رس ہے اُن کے لب پر
آنکھ اُن کی تمہارے در پر — کب طلوع ہو جلالِ خاور

مہرِ حسن و جمال جاگو
آفتابِ جلال جاگو
ستیہ سائیں جاگو جاگو
صبحِ رخشندہ ہم کو بخشو

سُن کے لیلا کتھا تمہاری — جو ہے ہر سو جہاں میں پھیلی
نورِ عرفانِ حق کے طالب — شوقِ جلوہ بجان و جی طالب
در پہ آئے ہیں سب تمہارے — درشن دو ان کو سائیں پیارے

مہرِ حسن و جمال جاگو
آفتابِ جلال جاگو
ستیہ سائیں جاگو جاگو
صبحِ رخشندہ ہم کو بخشو

صبحِ رخشاں کا یہ ترانہ — یہ سرودِ نشاطِ جہاں کا
جس کے نطق و زباں پہ آئے — اس کا ہر روز رس جو پائے
اس کو معراجِ ہست کامل — نورِ جلوہ سے ہو گی حاصل
اور عرفان و آگہی کی — پلے گا اس کا دل تجلی

مہر حسن و جمال جاگو

آفتاب جلال جاگو

ستیہ سائیشا جاگو جاگو

صبح رخشندہ ہم کو بخشو

اے گرو دیوا ہم پہ برکت — آگیہی داتا ہم پہ برکت

اے پیتی داسا ہم پہ برکت — ستیہ سائیشا ہم پہ برکت

مدھر منوہر پیارا پیارا گیت میں تیرا گاتا ہوں [۱]

لوگ کہیں جو کچھ بھی چاہیں گن گائیں بدنام کریں
(دیں) دشنام مجھے یا جھک کر سو سو بار سلام کریں)
بھلے برے کو اپنی نظر میں ایک برابر پاتا ہوں
سب کو تیری دین سمجھ کر گیت میں تیرا گاتا ہوں
مدھر منوہر پیارا پیارا گیت میں تیرا گاتا ہوں

رام کبھی تو ہے سیتا کبھی تو کرشن کبھی تو ہے رادھا
میں سیوک ہوں تیرا ہر دم تو چاہے جس روپ میں آ
الیشر کبھی تو دیوی کبھی تو پرش کبھی تو شکتی کبھی تو
برہم کبھی تو وشنو کبھی تو شنکر کبھی تیرا روپ پر کھیہ
میں چرنوں میں تیرے پڑا ہوں چرنوں کا لشی گاتا ہوں
مدھر منوہر پیارا پیارا گیت میں تیرا گاتا ہوں

حد ۱ "ترانۂ حق" میں شامل سوامی وویکانند کے اس بھجن کو قافیہ سے آراستہ کر کے یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔ ہم قافیہ مصرعے آمنے سامنے نہیں لکھے جا سکے اس کے لئے معافی چاہتا ہوں۔

بیٹھ پہ میری ہاتھ ہے تیرا مجھکو ہر دم سلا ہے تیرا تحفہ
آگے دیکھتا ہوں تو تیری پیاری پیاری صورت ہے
خوف کے سائے دور ہیں سب میرے دل کی دنیا سے
اور خوشی سے گھل کے میں گیت میں تیرا گاتا ہوں

تو نے مجھکو اپنایا ہے میں تو ہوں تیرا خادم
اتنا بس معلوم ہے مجھکو میں چرنوں کا داسی ترا
تیرے ہی چرنوں میں پائی دولت ہر دو عالم کی
پوجا پاٹھ کو میں نے چھوڑا پریم کا رس بھی تیاگ دیا
بس میں کیا نہیں ہے تجھکو سمجھنا عقل کا اس میں دخل نہیں
اور تیرے نزدیک آجاؤں کہلاؤں میں تیرا ہی
ناچیں یکدل یکجاں ہو کر ہاتھ میں دونوں ہاتھ لیے
مدھر منوہر پیارا پیارا گیت میں تیرا گاتا ہوں

تم ہی تم ہو اب تو من میں اب تو مٹا سب کچھ میرا
تم ہی بسے ہو من میں میرے نور ہے تم ہی نینوں کا
تیری پیاری پیاری صورت اس مندر میں جلوہ گر
دیپ جلا کر میں نے دھا کے آرتی تیری گاتا ہوں

پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو ہے تیرا سندر مکھڑا
تیری عنایت تیری شفقت تیری مجھ پر رحمت ہے
موت مرے قدموں میں پڑی ہے زیست ہے قبضے میں میرے
مدھر منوہر پیارا پیارا گیت میں تیرا گاتا ہوں
کیا بھی حد ہے تیرے کرم کی؟ مجھ پر بھی ہے تیرا کرم
لیلا اپرم پار ہے تیری میں کیا جانوں یہ لیلا
تیری ہی مرضی میں سمائی یکسر میرے من کی خوشی
بھگتی مکتی جاپ تپسیہ میں کیا جانوں نہ دھیان بھلا
میں کیا جانوں تیری حقیقت مجھے تو اپنا ہوش نہیں
اب تو میرے من میں بس جا خواہش ہے تو ایک یہی
تو میرا ہو میں تیرا ہوں نین ملا کر نینوں سے
تجھ میں کھو کر بے خود ہو کر گیت میں تیرا گاتا ہوں

اپنے آپ کو کیا ڈھونڈوں جب من ہی تجھ میں ڈوب گیا
دیکھ رہا ہوں اب تو ہر سو ہر اک شے میں نور ترا
ہر انسان پجاری تیرا ہر دل ہے تیرا مندر
پوجا کرتا ہوں میں اس کی اس پر پھول چڑھاتا ہوں
مدھر منوہر پیارا پیارا گیت میں تیرا گاتا ہوں
میں تو اک بالک کی صورت کھیل رہا ہوں سنگ ترے

غصہ بھی آتا ہے تجھ پر روٹھ بھی جاتا ہوں تجھ سے
لیکن اس پر بھی رہتا ہے سر پہ میرے ہاتھ ترا
ساتھ مرے رہتا ہے ہر دم چپکے چپکے چھپ چھپ کر
پھر بھی کھاتا ہوں جب ٹھوکر آنکھ تری بھر آتی ہے
اپنی موہنی مورت سے پھر دل کو آن لبھاتا ہے
پھول مسرت کے کھلتے ہیں عالم سب مہکاتا ہے
گر کر تیرے قدموں میں کرتا ہوں بارا پھر میں سجدہ
مدھر منوہر پیارا پیارا گیت میں تیرا گاتا ہوں

ضد میں آ کر دور چلا جاتا ہوں چھوڑ کے ساتھ ترا
بھول بھلیوں میں مایا کی رکھتا ہے تو مجھ پہ نظر
تری رحمت قدم قدم پر مجھ کو راہ دکھاتی ہے
میں جب گھبرا اٹھتا ہوں تو سامنے تو آ جاتا ہے
نینوں سے نین ملا کر پھر جب پیار سے مجھے بلاتا ہے
جھوم اٹھتا ہوں میں بھی خوشی سے دیکھ کے تیرا جلوہ
خرم و شاداں اٹھ کر تیرا مست ترانہ گاتا ہوں

ہوتی ہے مجھ پر تیری رحمت ملتا ہے مجھ کو پیار ترا
بخشی ہیں تو نے میری خطائیں قدموں میں دی اپنے جا
بار ہا ہوتی مجھ سے لغزش تو نے عفو ہر بار کیا
آخر اک دن تیری حقیقت دل میں میرے اترے گی
میں تو ہوں تو ہی ہے بھگون تجھ کو میں نے پایا ہے
عالم ہستی کو سب میں نے نور میں غلطاں دیکھا ہے
اب تو لیلی بس نام کا جپنا ہی ہے بھگون کام مرا
تیری لیلا کے پھر سندر میٹھے گیت سناتی ہے
مدھر منوہر پیارا پیارا گیت میں تیرا گاتا ہوں

لطف و عنایت مجھ بالک پہ ہے تیری ہر وقت پتا
دنیا بھر میں کوئی نہیں ہے تجھ سا سچی تجھ سا داتا
طفلانہ حرکات کو میری ہنس ہنس کر ہے تو نے سہا
جانتا ہے تو میری جہالت کب تک یونہی ابھرے گی
تو ہے میری روح کا ساتھی تو نے مجھے دکھایا ہے
تیری چھبی کو ان آنکھوں نے دل میں رقصاں دیکھا ہے
میرے بیاں میں نطق میں میرے میری زباں پہ نام ترا
میرے گلے میں گیان کی دیوی خود آ کر بس جاتی ہے
یہی گیت میں سرمستی میں بار بار دہراتا ہوں

گلابِ حق

تو محض کرۂ آتش نہیں ہے اے خورشید
نشانِ پاک ہے تو رنگ و نورِ خلقت کا
سندر کا ہے مبارک و پاک نقشِ حسیں
تو نورِ شعلہ بداماں سُرورِ نغمہ بدوش
جلالِ نور میں تیرے ہیں سات رنگ نہاں
گلابِ خالقِ ہستی۔ تری سرشت میں ہیں
دلِ بشر میں طلوع ہو جلالِ نورِ خدا
ہوا ہے تجھ میں مجسّم جو معجزہ کُن کا
بیان و ذکر سے باہر ہے ذاتِ واحد جو
ہزار نام ہیں جس ذات کا تقدیرِ پاک
تو اس کے نورِ تبسّم کا غنچۂ تر ہے
تو اوجِ ہست پہ عرفان و آگہی کا پھول +
بنائے دیدہ وری۔ باب ہیں نظر کی خودی
گلابِ خالقِ ہستی اب ہم پہ دے برسا
تو لامکاں کی کشادہ جبیں پہ نورِ لقا
ہے تاجِ نورِ احد سر پہ لازماں کے تو
گزرتے وقت میں تو ہے ابد کا سنگم

گلابِ گلشنِ ہستی میں ہے تو خالق کا
کشادہ نیلمی آکاش کی جبیں پہ تو
فلک پہ مخزنِ کیفِ نشاطِ ہست ہے تو
تجھی سے زیست کی گرمی تجھی سے کیفِ حیات
نشاطِ روح میں جیسے ہیں سات رس پنہاں
سرورِ کیف و نشاط و جمال و نکہتِ رنگ +
کھِل اے گلابِ ازل تو شعورِ انساں میں
جگا دے قلب و نظر میں ہماری وہ اعجاز +
نہ کوئی نام ہے جس کا نہ روپ ہے کوئی
شعور و ذہن میں اپنے سما نہیں سکتا
تو اس کے شوقِ نمو کا جمالِ رنگیں ہے
گلاب نورِ ازل۔ اے بصیرتِ بشری
دل و دماغ میں ہم خاکیوں کے آ بس جا
شعاعیں رازِ حقیقت کی رنگِ حسنِ مجاز
مکاں کے روئے درخشاں پہ لامکاں کی ضیا
تو وسعتوں میں زماں کی ہے لازماں کا پتہ +
تو مہماں ہے یہ ساعتِ منور کا

ہزار مرحبا محبوبِ کائنات ہے تو
نشانِ ہستیٔ موجود و حاضر و ناظر
گلوں میں تو چمنِ دہر کے گلابِ دمشق
ہوئی ہے شگفتی مجسم وجود میں تیرے
برس رہا ہے جو سرخی سے تیرے چہرے کی
شعاعیں تیری سناں راستی و نیکی کی
شرارے حق و صداقت کے پھر لپکتے ہیں
یہی تو راز ہے تخلیقِ ہر دو عالم کا
بقائے ہست کا پاکیزہ نقشِ رخشندہ
گلابِ خالقِ ہستی تو ذاتِ باری کے
تجھی سے کرۂ ارضی نے زندگی پائی
گلابِ زیست درخشندہ پتیاں تیری
برستا رہتا ہے دائم فضائے عالم میں
بنا دے خاکی و فانی حیاتِ آدم کو
تو دے لطافتِ شعری بشر کے قالب کو
تو اپنی شعلگی سے خاک کو منور کر
حدودِ ارض و سما کو محیطِ کل میں ملا
مشامِ زیست کو کر نکہتِ بقا تو عطا +
بقا کے روئے منور پہ تابشِ رنگیں
سے ملتے لعل ہیں گویا نگینوں میں ہستی کی

تو نقشِ قوتِ لا انتہا و بے پایاں
تو رنگِ صورتِ بے اسم و جسم و لا محدود
ابھرتا رنگ ہے تجھ میں خدا کی قدرت کا
تو زندہ ثبت ہے درخشانِ جلالِ قوت کا
بنا ہے ہالہ جو ہیروں کا فرقِ تاباں پر +
جو چیر دیتی ہیں ہر تیرہ شب کی ظلمت کو
یہی تو مقصدِ اعلیٰ ہے تیری ہستی کا
یہی ہے معجزہ افسونِ نور و ظلمت کا +
تو نورِ حسنِ ازل کا دلِ بشر میں طلوع
ظہورِ شوقِ تجلی کی صورتِ رنگیں
ترے ہی دم سے یہ قائم ہے تو ہے جانِ حیات +
ہیں تارِ ربطِ ہستی کے جن سے رنگ برود
تو اپنے نورِ ترنم کے سحرِ رنگیں سے
نشاطِ روح کا شیریں ترانۂ ابدی
رگوں میں نغمگی بھر دے سرودِ ازلی کی +
نہ رہنے پائے کوئی فرقِ خاکی و نوری
بشر کو بندِ زماں بندِ مرگ سے دے چھڑا
گلابِ خالقِ ہستی سرور و کیف کی تو
گلابِ عشق پہ فیضانِ رنگ ہے تیرا
ہے کائنات کا دل جس سے روشن و رنگیں

جلالِ حق، رُخِ تاباں سے تیرے اُٹھتی ہیں
غلامِ فطرتِ حیواں سہی بشر لیکن ۱
جو آرزو دلِ بیتاب میں سسکتی ہے
جو ظلمتوں میں بھی تعمیرِ حیات کی دائم
جو چھوڑتی نہیں ہے ساتھ آدمی کا کبھی
جنونِ شعلگی دے اور قوتِ تکمیل
جلالِ حق کے نشاں مظہرِ جمال بنو
زمینِ تیرہ ہو رشکِ فلک اسے کر دے
بشر کی چشمِ بصیرت کو کیفِ حیرت دے
خود آئے ہو کے مجسم سعادت و برکت
حیات فرطِ مسرت سے جھوم جھوم اُٹھے

شعاعیں برکتِ جولاں و جوشِ رحمت کی ہر
وصالِ حق کی تمنا جو اس کی روح میں ہے
جو بن کے اشکِ دعا آنکھ سے ٹپکتی ہے
سُلگتی رہتی ہے خاکسترِ درونِ دل کے تلے
بشر کی روح کی اس آرزو کو اے خورشید
دلِ بشر میں طلوع ہو رواں ہو رگ رگ میں
کہ اپنے نور کو پالے یہ خاک کا پُتلا
جلال و نور سے حسن و جمال سے رخشاں
نشاطِ وصل کی بھر تو اسے بشارت دے
اور آ کے مستی میں لے جھوم کائنات کا منہ

پیرانِ پارسا دایک بندھ

پیرِ من۔ تُو نے دیا نُور مری آنکھوں کو
شادمانی سے کیا تو نے شناسا دل کو
مُسکراہٹ مرے ہونٹوں کو عطا کی تو نے
تُو نے ہر حال میں خوش رہنا سکھایا مجھکو
دن کو میرے کیا رنگین و معطر تو نے
اور ستاروں سے خوشی کے کیا شب کو روشن

عرفانِ آگہی

جو چاہتا ہے کہ سب کائینات کی وسعت
دکھائی دے تجھے اک ذرّے ہی کے دامن میں
جو آرزو ہے کہ تیری نگاہِ کُل جُو کو
نظر بہشتِ بریں آئے اک کلی ہی میں
تو اپنی مُٹھی میں کر لامکاں کی پہنائی
اور اک گھڑی میں سمو لے زماں کی ابدیت
یہی ہے حاصلِ عرفانِ آگہی و خودی

وسعتِ جمال

حُسن کی وسعتِ نمو گویا
حُسن کی ایک ہی نہیں صورت
ایک ہی تو نہیں ہے رنگ اس کا
اس کی ہر شکل ہے نشاط انگیز
اس کے ہر جلوے میں کمالِ نمو
اس کا ہر جلوہ ہے بہشتِ نظر

ظہورِ جمال

گرمیٔ زیست و لوزِ جلوہ گری
پر فشاں ہیں ازل سے پے در پے
کائناتِ فضائے ہستی کی
آدم و حوّائے جہانِ نمو
بے حس و لا شعور وسعت میں

حاصل اس کاوشِ مسلسل کا
تب کہیں جا کے ہوتا ہے پیدا
اک مہکتے گُلِ بنفشہ نمو
جب وہ خوابیدہ خاک میں بس کر
دیتے ہیں برگ و شاخ تر کا وجود

حقیقتِ حُسن

نہ کہو کہ حُسن ہے عارضی — گھڑی دو گھڑی کی نظارگی

جسے دیکھا اور دیا بھُلا

نہیں پھول یہ رہگزار کا — ہوا جو تبسّم فشاں ذرا

جسے دیکھا توڑا مسل دیا

نہ تو بے ثبات ہے یہ نہ ہے — کوئی محض تفریح کی ہی شے

جسے پایا برتا پٹک دیا

یہ نیازِ عشق کی ہے عطا — یہ ہے حاصلِ طاعت و دعا

جسے مل گیا اُسی کا ہوا

یہ تجلّی شدتِ شوق کی — یہ ہے تابِ دید کی دلکشی

یہ ہے جلوہ حُسن نگاہ کا

یہ جمال بینی ملے بھی تو — اُس ریاضتِ روز و شب ہی کو

نہ ہو جس میں عکسِ انا ذرا

جو ہوں وقف دن اس کے واسطے — تو ہوں راتیں محروم خواب سے

ہے جنونِ عشق بھی کیا بلا

یہ تلاشِ رازِ جمال کی — ہے مہم مقامِ محال کی

ہے کٹھن بہت اس کا راستہ

کبھی اس میں ہوتی ہیں لغزشیں کبھی اس میں کھاتے ہیں ٹھوکریں
کبھی راستہ خود ہی گم ہوا

مگر آخرش حُسن جُو نظر پا ہی لیتی ہے حُسن کی خبر
مل ہی جاتی ہے منزلِ بقا

وہ بسیط سنگم جہاں سبھی ندیاں ملے ہیں نشاط کی
وہ مقام جلوۂ ذات کا

وہ بلند چوٹیاں نور کی وہ خودی کا مطلعِ دائمی
جو نہ آنکھ میں کبھی آ سکا

وہ تموجِ بحرِ زندگی وہ بقائے ہست کی نغمگی
جسے گوشِ ہوش نہ سُن سکا

یہ نظارے جلوۂ ذات کے جو نظر کے سامنے آ گئے
تو سر اپنا سجدے میں جُھک گیا

یہی کیفِ بے دم نیاز کا ہے جمالِ پاک کا آئینہ
وہ جمال جس کو نہیں فنا

ہے یہی تو جلوۂ رُوبرو ہے ازل سے ہی جس کی جستجو
یہ ملا تو سب کچھ ہی پا لیا

دُعا

پُل کی محرابِ سنگ کے نیچے
جیسے گرداب بن کے آئینے
جذب کرتے ہیں اپنے دامن میں
سنگِ محراب کے رواں سائے
اور پُل سے گزرنے والوں کے
لکھتے رہتے ہیں تازہ افسانے
اُٹھتی گرتی سطح پہ پانی کی

ہے یہی آرزو دُعا بھی یہی
کہ بھنور میرے شادماں دل کے
ویسے ہی جذب کرلیں دامن میں
میرے سب تازہ دم خیالوں کو
سب نقوشِ شعور کو میرے
جانِ بیدار میں جو صبح و مسا
موج در موج اُٹھتے رہتے ہیں
بن کے احساس کا اُتار چڑھاؤ
عالمِ ہست کا ثباتِ وجود

موسیقارِ سرودِ حُسنِ نمو
چھیڑ ہاں چھیڑ سازِ دل کے تار
کہ رگوں میں رواں نشاط کی نَے

اور ہاں آفتابِ حُسنِ یقین
شعلگیٔ جمالِ عالمتاب
شک کے تاریک بادلوں سے نکل
عقل و ادراک کو منوّر کر
اور احساسِ منجمد کو مرے
کرِ عنایت تو شعلہ دامانی

اے درخشندہ آسمانوں تم
اور مستِ خودی ہواؤ تم
اور ہاں بحر کے کنارے پہ

سر اٹھاتی پہاڑیوں تم بھی
سب کے سب اپنے گیت گائے جاؤ

بے خودی میں مجھے بسائے جاؤ
اور وہ آگہی مجھے بخشو

جو ہو دانائی سے کہیں آگے
حدِ دیوانگی سے وابستہ

جمالِ ذات

جلالِ حسن نہیں اوج پر پہاڑیوں کی

پھوار میں نہیں لہروں کی حسن کے انوار
نہیں ہے حسن کی کوئی چمک رخِ شب پر

نہ شعلے حسن کے عارض پہ دیکھیں لرزاں
جلال و نور ہے سب حسن کا نہاں دل میں

کمالِ حسن وجودِ خدا ہے جسکا نام

مرے ہی دل کی تجلی کا نقشِ روشن ہے
فرازِ کوہ پر صبح کا انتشارِ رنگ

مرے ہی دل کے ہجومِ جمال کی ہر جھلک
وہ حسن جس سے جہانِ نمو ہوا پیدا

وہ حسن جس میں سما جائیگا یہ آخر کار
وہ حسن شوقِ تجلی ہے جسکا رنگِ مجاز

خود آگہی ہے محیطِ حیاتِ کل جس کی
وہ حسن میرے ہی دل سے طلوع ہوتا ہے

مرا جمالِ خودی ہی ہے حسنِ فطرت کا

بکھیرا میں نے تبرک خودی کی لہروں کا
تو سطحِ بحر پہ رونق پھوار کی اٹھی

کیا جو شعلۂ طورِ خودی کو میں نے بلند
تو نور و رنگ ہوئے حسنِ صبح کے پیدا

ہوا جو دل مرا شانِ خودی کے کیف میں غرق
تو جزو جزو میں میں نے جلالِ کل دیکھا

عالمِ نمو

ابدی زیست کی کل رات تجلی دیکھی +

نورِ کُل دامنِ کُل گیر کا اک ہالۂ پاک
ہمہ رخشندگی و تاب ہمہ امن و سکوں

اس کا آغاز کہیں ہے نہ ہے انجام کہیں
اس کے پہلو میں زماں بہتے کی صورت ہے رواں

ساعت و روز و مہ و سال کی کیفیت تھی
گردشِ اجرامِ فلک کی ہے زماں کی چالک

بیکراں وسعتِ گردابِ فنا میں اس کی
دنیا اور دنیا کا دنبالہ ہے سرگرمِ سفر

شاعرِ ازل

خموش ہے جرسِ کاروانِ وقت جہاں
غبارِ راہِ مکاں کا جہاں نہیں ہے نشاں

وہ اس مقام پہ ہے آگہی کے تخت نشیں
ہے اس کے ہونٹوں پہ ہستی کا رازِ رقص کناں

مکالمت و رفاقت سے بے نیاز ہے وہ
جمالِ ذات کے احساس میں ہے وہ غلطاں

وہ جن ستاروں کے برخانی نور میں ہے بسا
نصیب میں ہے وہ معراج آدمی کے کہاں

+

دوش وقتِ سحر از غصہ نجاتم دادند
وندراں ظلمتِ شب آبِ حیاتم دادند
بے خود از شعشعۂ پرتوِ ذاتم کردند
بادہ از جامِ تجلیٔ صفاتم دادند
(حافظ)

خبر تجلیٔ حق کی - پیامِ جلوۂ ذات
ہے بیقرار بہت دل میں اس کے رازِ حیات

نظر میں اس کی عصر ہائے وقت کا ہے ہجوم
جو ہو رہا ہے پریشاں قضا و موت کے ہاتھ

وہ اپنے گرد میں بکھرے ہوئے ان اجزا کو
بسا رہا ہے شعورِ دوامِ ہستی کے ساتھ

سمجھ سے اپنی تو باہر ہے اس کی شانِ جلال
نظر میں اپنی سماتا نہیں ہے اس کا جمال

وہ اک معمہ ہے سادہ مگر ہے لاینحل
گرفتِ عقل و خرد میں نہیں ہے اس کا سوال

نہ اس کی موجِ نفس کی مد و جزر خوش آہنگی
نہ اس کے سحرِ تبسم کی دلکشی کا کمال

نہ اس کی قدرتِ قادر نہ اس کی فطرتِ پاک
نہ اس کا زورِ طبیعت نہ اس کا حسنِ خیال

نہ اس کی ہستیٔ واحد کی وسعتِ مطلق
نہ اس کے شوقِ تجلی کی انتہائے کمال

نہ اس کا جادوئے تخلیق اور نہ سحرِ مجاز
نہ اس کے پردۂ غیب و نمو کے خط و خال

جو کچھ اگر ہے تو بس اتنا ہے ہمیں احساس (ق)
کہ اس کے لفظ و معانی میں انحطاط و زوال

تو آ ہی سکتا نہیں وہ ہے زندۂ جاوید
دوامِ زیست کی موجِ لطیف اس کا خیال

نفس نفس میں ہے اس کے ابد کی پنہائی
خیالِ مرگ کا اس کے یہاں گزر ہے محال

کفرِ محبت

جلالِ ایزدی نہ حسنِ ملکوتی کا میں تیرے
جو کرتا ہوں بیاں اشعار میں اپنے محبت سے

تو کہتے ہیں کہ ہیں حسنِ تعلی نظم میں اپنی
سجا کر اس میں لاتا ہوں دلآویزی و رنگینی

بھلا میں کیا کہوں ان سے نگاہِ بے بصر جن کی (ق)
اس اعجازِ جمال و حسن کو دکھلا نہیں سکتی

کہ انعامِ سخن پایا مری گونگی طبیعت نے
کہ حرکت تھی نہ جن ہاتھوں میں تختی میرے توانائی
کہ جو آنکھیں مری محروم تھیں نورِ بصیرت سے
کہ تھے آواز سے ناآشنا جو کان کے پردے
کہ تن من کی برائیاں تھیں مری جتنی بھی جیسی بھی
کہ اُمیدیں مری جو ہو چکی تھیں دفن سینے میں
کہ ہر ناپاک صورت نامبارک سایۂ ظلمت
اشارے سے تری شکتی کے مجھ سے دور بھاگا ہے (ق)
کہوں اب اور کیا اُن سے جنہیں تجھ سے ہے یہ شکوا

مبارک نام سے تیرے، تیرے ذکرِ منور سے
انہوں نے خوش نویسی تیرے لمسِ پاک سے پائی
تجلی ہے اُن آنکھوں میں جلالِ حسن کی تیرے
ہے پیدا ارتعاشِ نغمہ اُن میں تیرے گیتوں سے
خیالِ پاک کی برکت سے تیرے مٹ گئیں ساری
ہوئی ہیں پھر سے زندہ پھر سے معنی آئے جینے میں
جہالت کا ہیولہ نقشِ دہشت خیز پر ہیبت
ملی دز لات زفا کی مجھکو میرا بھاگ جاگا ہے
کہ میرے شعر ہیں بس آئینہ حسنِ تعلی کا

بشارتِ نشاط

ہوا کے رحم پہ ہے کُھلتا مری کشتی
تھپیڑے کھاتی ہے بارش کے اور لہروں کے
کڑک ہے بجلی کی بادل کی ہے گرج پیدا
مگر یقیں ہے مجھے میری کشتی آخرِ کار
نکل نہ پائے گا گرداب کوئی بھی اس کو

نہ چلتا ہے مرا بس اور نہ کارگر پتوار
بپا ہوا ہے ہر اک سمت شورِ طوفاں کا
اور اُٹھ رہی ہے صدائے تصادمِ امواج
نکل ہی جائے گی طوفان کے حوادث سے
یہ جا لگے گی کنارے پہ بحر کے اُس پار
مجھے نہ خوف ہے طوفان کا نہ بارش کا

نہ تند و تیز ہواؤں کا کوئی ڈر ہے مجھے
اٹوٹ آسرا مجھکو ہے تیری شفقت کا
تیری نگاہ کی کرنوں کے نور میں ملبوس
جہاں ہے موت لبِ زندگی پہ اک مسکان

ترے کرم کا عنایت کا تیری رحمت کا
کہ میں نے شعلۂ حرفِ عشا کے دامن میں*
بقائے ہستی کے عالم کا دیکھا ہے جلوہ

جو ہے مسرتِ ازلی نشاطِ کامل و پاک
یہ رقص کرتی ہے پلکوں پہ بن کے گوہرِ اشک

یہ جلوہ روشن و شیریں۔ یہ کیفِ حیرت زا
جو ماورائے بیاں ہے۔ شعور سے بالا

مجھے ہوا ہے ترے قرب کا لطیف احساس

ہٹا ہے آنکھوں سے میری مجاز کا پردہ
بسا ہے آنکھوں میں میری ترا رُخِ رنگیں
وہ پیار جان کی دی اپنی جس نے قربانی

حسین نظارۂ آئندہ ہے نظر میں مری
وہ رحمتِ پاک و منور برستا ہے جس سے
عطائے برکتِ حق و نجات کی خاطر

گلابِ خواب

جہاں آتش قبا لہریں سحابِ شعلہ داماں کی
اُفق کی حدِّ غربی تک خرامِ نور کرتی ہیں
منورِ خطۂ رنگ و لوئے ہستی کی شعاعوں کا
اُگا ہے اک شجر سیمیں کا دریا کے کنارے پر

شفق کے تلاطمِ زرّیں سے مست و شادماں ہو کر
وہاں اک گلشنِ اسرار ہے انجان ان دیکھا
وہاں ہے اُس میں دریا خواب کا آئینہ آہستہ
کھلا ہے اس کی شاخِ تر پہ خوابوں کا گُلِ رنگیں†

---

* کہ میں نے شعلۂ عرفانِ حق کے دامن میں

† اگر ہندوستانی نظر میں شاخِ شجر پہ گلاب کا تصور ناگوار گزرتا ہے تو عمل سے قدرے انحراف کرتے ہوئے

شگفتہ پتیوں کا اک ہجومِ خرم و خنداں ،
جو کوئی خواب پالیتا ہے صورت کی پذیرائی

تو اک پتی گلابِ خواب کی لہرا کے گرتی ہے
مہکتی ہے فضا، صحنِ چمن گلرنگ ہوتا ہے

II

گھنے سائے میں بیلوں کے شجر کے چھپ کے اک پنچھی
(پروں میں جس کے چاندی ہے گلے میں جس کے سونا ہے)

سنہری شاخ پر بیٹھا مسلسل گیت گاتا ہے
پرانا گیت صدیوں کا ترانہ سوزِ عرفاں کا

لطیف آہنگ میں جس کے ہے جادو حسنِ ازلی کا،
کبھی گوشِ سماعت خواب میں کا کھل جو جاتا ہے

کبھی جو دور سے آتی ہوئی لے اس ترانے کی
مدھر رس گھولتی ہے کیف عرفاں کا دل جاں میں

تو اک پتی گلابِ خواب کی لہرا کے گرتی ہے
مہکتی ہے فضا، صحنِ چمن گلرنگ ہوتا ہے

III

ہزاروں صورتیں خواب و خیال و کشف و رویت کی
فضائے زندگی کی چاندنی میں رقص کرتی ہیں

بڑھاپے اور بزرگی کے ہیں سپنے سرد اور ساکن
شباب اور زندگی کے خواب ہیں آزاد و رنگین

کبھی دردِ دلِ تنہا کا سایہ ان پہ پڑتا ہے
کبھی کرنیں امیدِ وصل کی ان سے ابھرتی ہیں

لطافت جب کبھی سپنے کی ہوتی ہے مجسم تو
پھر اک پتی گلابِ خواب کی لہرا کے گرتی ہے

مہکتی ہے فضا صحنِ چمن شاداب ہوتا ہے

یہ تین مصرعے یوں بھی ہو سکتے ہیں۔

رواں ہے اس چمن میں رودِ خواب آہستہ آہستہ
کنارے [illegible]
کھلا ہے ایک شاخِ تر پہ خوابوں کا گل رنگیں

واپسی

خوشا وہ دن مرے طفلی کے روشن و خنداں — تھی جب فرشتہ صفت میری زندگی رخشاں

ابھی سمجھ نہیں پایا تھا جب میں دُنیا کو — جہاں میں لایا گیا تھا پھر اک تماشا کو

ابھی تصورِ رخشاں جمالِ ازلی کا — نہ ہونے پایا تھا مدھم۔ جواں تھا یہ شعلہ

دل و دماغ تھے معمور اس شرارے سے — گھرے آئے تھے نہ ابھی جان پر کوئی سایے

ابھی میں دامنِ الفت سے اپنے خالق کے (ق) — کچھ ایسا دُور نہ تھا۔ آ رہی تھی اب بھی مجھے

ہوائے عنبریں اس کی۔ اور اس کا حُسن و جمال (ق) — وہ اس کے روئے منور کا روح تابِ جلال

شعاعیں نور کی برساتے جا رہا تھا ابھی — میں دیکھ سکتا تھا مُڑ کر ابھی جھلک اس کی

وہ دن تھے جب میں گلوں کے لباسِ رنگیں کا (ق) — چمکتے بادلوں کی یا قبائے زریں کا

لگائے ٹکٹکی کرتا تھا گھنٹوں نظارا — اور اُن میں نورِ ازل کا ظہور پاتا تھا

اک ہلکا عکس جلالِ حیاتِ ابدی کا — حسیں نظاروں میں فطرت کے رنگ دیتا تھا

وہ عہد کتنا مبارک تھا جب زباں میری — مری ضمیر کی آواز ہی کا پرتو تھی

ابھی نہ آئی تھی باطل کی اس میں ناسازی — ابھی تھی حق و صداقت کی ہی خوش آہنگی

ابھی نہ آئی تھی اس میں بیاں کی ارزانی — نہ فرقِ قول و عمل کے گنہ کی ناپاکی

ابھی نہ سیکھا تھا اندازِ دل خراش اس نے — دل و جگر مرے مجروح ہوئے نہ تھے اس سے

ابھی نہ پایا تھا جادو وہ خود فریبی کا — اک ایک حس کو جو کر دے گنہ کا گرویدہ

ابھی تو نورِ ازل کی شعاعِ رخشندہ — کئے تھی بتکدۂ جسم و جاں کو تابندہ

میں کتنا چاہتا ہوں پھر وہ وقت لوٹ آئے — وہ روز و شب وہ مہ و سال ہوں مرے پھر سے

پھر اس خرامِ گزرگاہِ زیست پر ہوں رواں — سدا جو قدریوں سے معصومیت کی ہے رخشاں
وہ کہکشانِ زماں۔ جس پہ عہدِ طفلی کی — میں چھوڑ آیا ہوں اپنی ستارہ دامانی
وہ زندگی کی سحر گاہ جہاں ہے روحِ بشر — خود اپنی اصل کے منظر پہ ڈالتی ہے نظر
سکونِ ذات کے ہیں جانفزا جہاں سایے — نشاطِ جاں کا جہاں جھونکا دمبدم آئے
میں چاہتا ہوں کہ لوٹ آؤں اس مقام پہ میں — اس عمرِ رفتہ کی خلدِ بلند بام پہ میں
شراب، حال سے لیکن ہوا ہے مست ایسا — کہ ساتھ دیتا نہیں اب مرا یہ من میرا
قدم بڑھاتی ہے عمرِ رواں تو آگے ہی — جہان والوں کا بھی ہے طریق وطیرہ یہی
مگر میں مڑ کے وہاں جانا چاہتا ہوں جہاں — نشاطِ ہست کا ملتا ہے جلوۂ تاباں
مری دعا ہے کہ جب خاک کا یہ جسم مرا — ملے گا خاک میں تو ہو مجھے وہ حال عطا
جو بندِ جسم سے پہلے تھا میری ہستی کا — نشاطِ مطلق و کاملِ شعورِ ہست و بقا

فقیر کی صدا

یہ کائنات کی تخلیق اور ہستی کا — اصول ہے کہ یہاں کوئی شے نہیں ایسی
جو منسلک نہ ہو پاکیزگی و خوبی سے — کوئی ہو کتنا ہی ادنیٰ۔ کمینہ بدصورت
کوئی ہو کتنا ہی بے رحم سنگدل ظالم — کوئی ہو کتنا ہی عقل و شعور سے عاری
کوئی ہو کتنا ہی مغرور خود نگر خود سر — کوئی ہو کتنا ہی ایسا کہ دیکھتے ہی اُسے
دھواں دماغ سے اُٹھے عناد و نفرت کا — مگر نہیں ہے کوئی بھی تو ایسا دل جس میں
چراغِ حسنِ ازل کا نہ دے رہا ہو لَو — نہ زندگی کو جہاں روح بخشتی ہو ضیا
نہ اُٹھ رہی ہو جہاں موجِ خیر و صدق و صفا

رازِ ہست

قبائے رعب و لباسِ جلال پہن کے بھی
سرشتِ سفلہ کی بے مائیگی و کم ظرفی

نظر میں جس کے کسی کے لئے حقارت ہے
پتہ نہیں ہے اُسے اپنی قوتوں کا بھی
عروجِ فکر و تخیّل کی منزلوں کی طرف

نگہ میں جس کی نہیں جچتا دوسرا کوئی
دُعائے وسعتِ دل جس کو دیں گے اہلِ نظر

یہ علمِ کُل ہے یہ عجز و آگہی یہ جانِ نشاط
کہ خود سپردگی منزل ہے خود نگاہی کی
اُسی کو ملتی ہے سچّی بلندی و عظمت
جو رازِ ہستی کے کیف و سرور کو پاکر

غرور اور تمکنت چھپا نہیں سکتے

ہے دل میں جس کے کسی کے لئے بھری نفرت
نہیں ہے اپنی حقیقت سے آگہی اس کو
وہ ارتقائے بشر سے ہوا نہیں واقف
ابھی تو یہ پہلا قدم بھی نہیں اُٹھا اس کا
وہ خود پرست وہ خود بیں وہ شخصِ خود مرکز
ابھی وہ ادنیٰ نمونہ ہے صنعِ فطرت کا

سُن اے ندیم حقیقت کا رازِ سربستہ
کہ انتہائے خبر ہے کمالِ بے خبری
کہ اصلِ ہستی ہے پائندگی محبت کی
شعور و فکر کی گہرائیوں میں جو کھو کر
نیاز و عجز پہ مستانہ ناز کرتا ہے

حقیقتِ زماں

تری نگاہ میں اے خالقِ جہانِ نمود
ہیں ایک دن کے برابر مرے ہزار برس
اور ایک دن میں ترے وسعتیں سمائی ہیں
مرے حساب سے میری ہزار صدیوں کی
اس حال میں ہے زماں کی بھلا حقیقت کیا؟

طویل عرصہ زمانے کا جس میں آدم کی
کروڑوں نسلیں یہاں آئیں اور چلتی بنیں
تمام عرصہ یہ تیرے لئے ہے کل کی بات
یہ کھیل ہیں ترے غیب و نمو کے - اک لمحہ
اس حال میں ہے زماں کی بھلا حقیقت کیا؟

ہماری سوچ کی لاکھوں قرونِ آئندہ
ترے تصورِ تخلیق میں ہیں کچھ گھڑیاں
ہمارے ماضی و مستقبل و زمانۂ حال
ترے تخیلِ کل میں ہیں نکتہ ہائے شہود
اس حال میں ہے زماں کی بھلا حقیقت کیا؟

جمالِ فطرت

فضا خموش ہے ہر شے سکوں میں ڈوبی ہے
سنائی دیتے ہیں ایسے میں نغمے فطرت کے
بہشتِ گوش کبھی جل ترنگ جھرنوں کا
کبھی ستار کی ندیوں کے ناچتی جھنکار
کبھی ہواؤں کی ہنسی کی میٹھی میٹھی لے
کبھی پہاڑوں سے آتی ہے۔ آبشاروں کے
جلالِ نعرۂ مستی کی گونجتی آواز
بج اپنے آپ ہی اُٹھتے ہیں ساز روح کے تار
ترانے خواب سے لیتے ہیں اپنے انگڑائی
فضا منور و رنگیں ہے اور ہر جانب
دکھائی دیتے ہیں جلوے جمالِ فطرت کے

خُلدِ نظّارہ

نکل گیا جو میں جنگل میں دُور تک اک دن
تو سامنے مری آنکھوں کے آیا وہ منظر
جمال جس کا نہ منت کشِ تماشہ تھا
نہ حد رہی مری حیرت کی بُت بنا میں وہاں
کمالِ صانعِ فطرت کو دیکھتا ہی رہا
خوشی سے دل پہ مرے کیف یوں ہوا طاری
کہ خامشی میں ہوئیں اس کی دھڑکنیں رد پوش
گئی سرورِ تجلّی میں ڈوب سانس مری
روانی بھول کے اپنی کچھ ایسے تھم سی گئی
دکہ جیسے ٹھہرا سا دریا دکھائی دیتا ہے
اُتر کے پہنلے سے گہرائیوں میں جب اپنی) (*)
میں دیکھتا رہا۔ منظر یہ دیکھتا ہی رہا
نہ سیر چشم تماشہ ہوئی۔ نہ شوق مرا
اس حسنِ شیریں و رنگیں کی دعوتِ شیراز
مجھے لگا کہ سجائی گئی ہے میرے لئے
یہاں رقیب تھا میرا نہ کوئی ہمدم تھا
نگاہِ شوق تھی بس اور خُلدِ نظارہ

(*) اضافہ از مترجم

نشاطِ ہست

عطا مجھکو ہوئی تھی اتنی برکت دستِ فطرت سے
ملے تھے پیار کے اتنے مجھے لبریز پیمانے

کہ جاگ اُٹھی تھی روحِ احساس کی میرے خیالوں میں
ہوئی تھیں حسن و تسکیں کی دل و جاں میں رواں موجیں

شعورِ خود نگر احساسِ کیف آگیں میں ڈوبا تھا
نشاطِ روح میں غلطاں تھی میری فکر سراپا

بقائے ہست کے ہیں یہ لطیفہ احساس کی موجیں
سموئے تھیں ہر اک شے کو جہاں کی اپنے دامن میں

وہ ساکن ہو کہ حرکت میں ہو غائب یا نظر آئے
(ق) گرفتِ عقل میں ہو یا وہ باہر ہو تخیّل سے

وہ علم و آگہی کے دائرے میں ہو بشر کے، یا
پہنچ پائے نہ اس تک دُور بیں ادراکِ انساں کا

زمیں پہ اُچھلے کُودے دوڑے بھاگے جوش میں آکر
کرے پرواز یا مستانہ گردوں کی بلندی پر

مچائے شور بے جا سب بے تحاشہ چیخے چلّائے
ہو یا نغمہ سرا بیٹھے سروں میں گیت وہ گائے

کہ چپکے چپکے وہ ساگر کی لہروں کے تلے تیرے
کہ ہو وہ خیزرے کے جھُولے پہ موجوں ہلکے وہ جھُولے

تھاہ گہرائیوں میں اسکی یا ہو وہ رواں چھُپ کر
ہر اک شے ہے بقائے ہست کے احساس کا منظر

اک شے زندہ و بیدار ہے کاشانۂ دل میں
ہر اک شے خرم و سرشار ہے کاشانۂ دل میں

نہیں کوئی مقام حیرت کا ایسے میں جو اُٹھتی ہے
سرورِ کیف کی اک بے خودی سرمست بیٹھی ہے

یہ لے وہ لے ہے جسکی باخبر بیدار موجوں سے
پیام آتے ہیں متواتر مجھے اہلِ دو عالم کے

ثنائے حمد کی کرنوں سے روئے پاک ہر شے کا
دمک کر جب جمالِ ہست کا کرتا ہے نظارا

محبت کی چمک دامن میں اپنے ہر نظارے کر
تب اُٹھتی ہے جمالِ ہست کے مہر و محبت پہ

تو ہر صورت جہاں کی مجھ سے دل کی بات کہتی ہے
حقیقت کیلئے اس کی، کیلئے اسکی ذات کہتی ہے

ہر اک شے کی زبانِ حال پہ ہوتا ہے اک نغمہ
ترانہ لذّتِ تقدیسِ حق، تنویرِ وحدت کا

نشاطِ روح کا نغمہ ۔ سرودِ سرمدی دل کا
یہ نغمہ ۔ یہ ترانہ خامشی ہے جس کی شیریں لَے
مگر ہم سر گراں سمجھتے ہیں اک کے جب سُن کر الاپ اس کا
جو قوتِ سامعہ کی گہری میٹھی نیند سوتی ہے
سرود میں نغمۂ ہستی کے بس جاتی ہے سب دنیا
یہ احساسِ بقائے ہست یہ کیفِ نشاطِ جاں
عطا مجھکو ہوا ہے یہ عظمت سے پہاڑوں کی
شکوہ و شان اور تاب و تواں سے آبشاروں کی
جنم بھومی کے میری اس عطیے ہی کی برکت سے
تھے جلوے حُسنِ فطرت کے مری نظروں کا ساماں
یہ خوشیاں دیدہ و دل کی تھیں اطمینان کے کانی
خموشی کی زباں میں خالقِ ہر دو جہاں سے بھی
نہایت پاک و سادہ تھا طریقِ زندگی میرا
نہ گنجائش تھی اس میں خواہشاتِ پست کی کوئی
قناعت کی یہ نعمت اور سکونِ دل کی یہ برکت
تمہاری ہی عنایت ہے کہ ہیں اس عہدِ دہشت میں
ہے احساس و خیال ہر شخص کا ہیبت کی بندش میں
جہاں دیکھو ہیں سائے رنج و غم کے دکھ کی تاریکی
نہ ہے اک دوسرے سے کوئی ہمدردی نہ ہمراز

وجودِ عالمِ ہستی سرودِ ہیچ جیسے ہے ہے بیدار
سنانی گوش آہنگ آشنا کو صاف دیتا ہے
ہم اس کو بھول جاتے ہیں ہمارے کان کا کام اپنا
تو پھر تابِ شنیدن اک نئی بیدار ہوتی ہے
اس احساسِ خوش آہنگی میں کھو جاتا ہے ہو کر فنا
عنایت ہے تمہارے پیار کی اے فطرتِ رحماں
مجھے انعام یہ حاصل ہوا وسعت سے جھیلوں کی
فضا سے کہر کی ۔ فرحت نشانی سے ہواؤں کی
جوانی بھی تھی متمول صفائے دل کی دولت سے
نگاہِ شوق تھی مسرور دل تھا خرم و شاداں
کہ حاصل تھی رفاقت اور قربت مجھکو فطرت کی
نیاز و راز ... تی تھیں باتیں بارہا میری
نہ تھی کم ... کی رنگینیوں کی اس میں کوئی جا
بس اپنے آپ میں تھی خوش و خرم سادگی میری
تمہاری دین تھی اے جلوہ ہائے پاکیٔ فطرت
یقیں رکھتا ہوں انساں کی منو پاک فطرت میں
رکھی ہیں خوف نے کس ہر کسی کی ہر طرف بندشیں
دلوں میں نا امیدی ہے تو چہروں پہ ہے مایوسی
کبھی اک دوسرے سے یاں بچاتے تھے نظر اپنی

تنکا انسانیت کا خوش خصالی اور نیکی کا — نہ جانے کیسے اور کیوں رونما ہوتا ہے یہاں ہر جا
ہے غالب نیک انسانوں پہ بدنیت ریاکاری (ق) — بناتی ہے جو کام اپنا بنامِ خیر و بہبودی
نقابِ عشق و دامنِ الفت ڈال کر رخ پہ — جھلک تضحیک کی جس سے نظر آتی ہے چھپ چھپ کر
یہ ہے اعجازِ فطرت کی عنایت۔ اک محبت کا — کہ ایسے عہدِ غفلت اور ظلمت میں مجھے بخشا
وہ مستحکم قوی ایمان۔ یقیں وہ غیر متزلزل — ملی ہے فیض سے جس کے مجھے تاب و تواں پل پل
ہمیشہ ہر قدم پر زندگی کا جو سہارا ہے — زمانے کی جو ہر مشکل میں میرے کام آتا ہے
یہ ہے اک بے بدل نعمت یہ ہے اک بے بہا دولت — یہ فطرت کی ہے بخشش اور خالق کی ہے یہ برکت
یہ تحفہ کوہساروں کا یہ ہدیہ آبشاروں کا — یہ ہے انعام جھیلوں کا عطیہ یہ بہاروں کا
مرے احساس کی پاکیزگی رفعت خیالوں کی — مرے قلب و جگر فکر و نظر کی نور دامانی
نشاطِ سرمدی، موجِ سرور، کیفِ وجدانی — یہ میرے عشقِ فطرت کا جنونِ پاک نورانی

میری نئی دنیا

جیسے کسی کو خوابِ گراں سے جگایا جائے — آواز دے کے جیسے کسی کو بلایا جائے
جیسے کسی کو بے خبری سے اٹھایا جائے — اور ہوش اور حواس کے حلقے میں لایا جائے
ویسے ہی خوابِ زیست سے بیدار میں ہوا (ق) — ویسے مرے شعور اور احساس کو ملا
اک کیفِ خود درخشاں و رنگِ تاب و جلوہ زا — فکر و نظر کو میری ملا زاویہ نیا
ہر شے سے پردہ ہٹنے لگا جب صفات کا — آنے لگا نظر مجھے رخ کائنات کا
تاریکیوں میں خاکِ زمیں کی دکھائی دی (ق) — رخشندہ اک جھلک مجھے پھر اس بہشت کی

جس نے نکال لائی تھی آدم کو سرکشی
اور جس کی آج تک ہے اُسے جستجو رہی

اک عکسِ نیلگوں نہ رہی وسعتِ فلک
ہے آستانِ خلدِ بریں رفعتِ فلک

موہوم سا رہا نہ مقامِ آسمان کا (ث)
ہم معنیٔ بہشت ہے نام آسمان کا

اُٹھتی ہیں جس سے لطف و کرم کی تجلیاں
جن کے جمال و نور سے روشن ہے یہ جہاں

ارض و سما میں دیکھا جو زندہ جلالِ ذات
تو میں نے کی دُعائے درخشانیٔ حیات

پھر اپنے من میں ڈوب کے اُس کی تلاش کی
دم سے ہوئی ہے جس کے یہ تکمیل زندگی

ہر موج کو خیال کی دیکھا کیا بغور
ہر لے کو خامشی کی میں سُنتا رہا بغور

افشائے رازِ ہست کی اُمید دل میں تھی
آنکھوں میں دے رہا تھا جھلک نورِ آگہی

ہوتا گیا وسیع سے وسیع تر مرا خیال
دامن میں اُس کے آنے لگی شانِ ذوالجلال

صورت پذیر ہوتا گیا نورِ پاکِ ذات
اعجازِ لن ترانیٔ رعبِ تجلیات

وہ ذات جس میں روح ہے قائم و برقرار
پیہم تھا۔ ہر آئینہ ہے جس میں آشکار

وہ ذات ابتدا ہے نہ جس کی نہ انتہا (ق)
جس کی ادائے ناز سے عالم میں ہے ردا

معماریٔ مکان و سُبکساریٔ زماں (ق)
لیکن جو اپنے مرکزِ وحدت سے بے نشاں

ہے کارساز و سلسلہ جُنبانِ دو جہاں
ہر حرکتِ اضافتِ ہستی کی راز داں

غلطاں جلالِ ہستیٔ مُطلق کے نور میں
شاداں جمالِ کامل و کُل کے شعور میں

اب اور کیا کہوں کہ ہے بات اتنی ہی
فیضانِ حق سے پائی ہے معراجِ آگہی

تھے راہ و رسمِ منزلِ عرفاں سے آشنا
پہلے بھی اہلِ دیدہ و دل۔ پاک و باوفا

جن کی صفائے قلب و جگر پاکیِ نظر
رخشندگی کو فکر کی کرتی ہے تیز تر

سب بندشوں سے ملتی ہے احساس کو نجات
احساسِ جزو ملتا ہے احساسِ کل کے ساتھ

احساس کو جو تیرے ملی وسعتِ حیات — ہر شے میں تجھ کو آیا نظر ارتعاشِ ذات
ہے سنگ رہ میں، کوہ میں، پھل پھول میں عیاں — وہ زندگی کی موج جو خود تجھ میں ہے رواں
احساس سب کا زندہ ہے، بیدار ہے شعور — اور قوتِ تمیز کا سب میں ہے ظہور
اپنے بھلے برے ہی کی پہچان بس نہیں — اوروں کی خیر کو بھی سمجھتے ہیں بالیقیں
ہر وہ وجود سمجھا تھا بے جان میں جسے — احساسِ کل میں آیا نظر جھومتا مجھے
سمجھا تھا محض مادہ جسے ہے وہ روشنی — ہر شے ہے ایک روحِ منوّر میں بس رہی
انوارِ برق ہست یہ تنویرِ حسنِ ذات — دیکھا تو ہے دراصل فقط قلزمِ حیات
اک موجِ برقِ ذات کی ہر شے میں ہے رواں — ہر شے کا اس کے نور میں ہے مدعا عیاں
تھیں سب کی سب یہ جانی اور پہچانی صورتیں — فطرت کی عام دیکھی ہوئی سادہ مورتیں
(ق) لیکن اب ہر اک کے رخ پہ دکھائی دیئے مجھے — جذباتِ دل کے رنگ عیاں صاف صاف سے
ہیبت و خوف بے کسی و درد و یاس کے — شوق و وفا کے حسن و محبت کے آس کے
(ق) یوں کر رہی تھیں دل پہ اثر یہ تجلیاں — احساس اور شعور کی اُن کے یہ جھلکیاں
موجوں پہ جیسے بحر کی اپنا اثر کریں — کیفیتیں قمر کی بدلتی فضاؤں میں
جھونکا ہوا کا یا کوئی جس طرح چھیڑ دے — نازک و نرم لمس سے تاروں کو ساز کے
میں بس رہا تھا ایسی خوشی کی سرِ بسر — اک کیفِ بے خودی تھا بس اپنے سے بے خبر
اُس وقت تو نہ علم نہ احساس تھا ذرا — بیدار بے خودی کی یہ دولت ہے بے بہا
اب دیکھتا ہوں دنیا مجھے اک نئی ملی — اب دیکھتا ہوں مجھ سا نہیں ہے کوئی دھنی
تخلیق خود مری ہے مرا یہ جہانِ نو — تعمیر بے خودی ہے مرا یہ جہانِ نو
(ق) زندہ فقط ہے میرے لئے یہ جہانِ نو — یا پھر ہے بس اُسی کے لئے یہ جہانِ نو

ہر موج میری فکر کی جس کی نظر میں ہے
ہر حال میرے دل کا بھی جس کی نظر میں ہے

جس کا جلالِ مہر نشاں میرے دل میں ہے
جس کا جمالِ نور فشاں میرے دل میں ہے
ھ۱

وائی ندی کے کنارے

ترے کنارے میں آیا ہوں پانچ سال کے بعد
ذرا بھی فرق نہیں آیا زندگی میں تری
بلندیوں سے اُترتی ہے ناچتی گاتی
جلال و عظمتِ فکر و خیال دیتی ہیں
سکونِ قلب و نشاطِ خودی کی گہرائی
ہے شانِ عرش کی آئینہ دار جس سے زمیں

مرے لئے تو یہ عرصہ طویل ہے لیکن
اُسی طرح تو نکل کر پہاڑی چشموں سے
بلندیاں جو خموشی کو تیرے جنگل کی
عطا جو کرتی ہیں تنہائیوں کو بھی تیری
جو آسماں سے ملاتی ہیں ارضِ خاکی کو

حسین مناظرِ فطرت کا لمسِ جاں پرور
پھر آج سامنے ہیں اونچے گھنے درختوں کے
نظر کے سامنے منظر ہیں جانے پہچانے
پھلوں کے باغوں میں پیڑوں کی جھنڈیوں کا ہجوم
لباسِ سبز میں رنگ اپنے سب چھپائے ہوئے

ترے کنارے میں پھر آج آ کے پاتا ہوں
نظر فروز و سکوں بخش و انبساط انگیز
میں آ کے بیٹھا ہوں آرام سے فراغت سے
کشادہ صحن وہ بنگلوں کے سبز اور شاداب
لٹک رہے ہیں ہزاروں ہی جن سے کچے پھل
ابھی اُبھارا نہیں اُن کا حسن سورج نے

ھ۱ اضافہ از مترجم

وہ اس کے پیار کی گرمی کے انتظار میں ہیں
وہ ہو رہے ہیں مسلسل تمام تر مدغم
جدھر بھی دیکھو اُدھر فرحت اور شادابی
وہاں لکیریں دھوئیں کی دکھائی دیتی ہیں
رمائے دھونی ہے یا کوئی تارکِ دُنیا

طویل عرصہ ہوا ہے مگر اس عرصے میں
جھلک اک ان کی نظر میں رہی سدا قائم
مجھے بھی گھیرے ہوئے تھی جب خموشِ تنہائی
ہجومِ شہر میں اور شور و غل کے محشر میں
دماغ و دل پہ مرے خستگی سی چھائی تھی
حسین مناظرِ فطرت کے پھر اُبھرتے تھے
رگوں میں دوڑنے لگتا تھا میٹھا میٹھا رس
حیات جس میں بسی ہے وہ نغمگی وہ سرور
سکون و راحتِ جاں ہے جو ماورائے شعور

مچلنے لگتی تھیں دل میں نشاط کی لہریں
نہ واقعات سے تھی زندگی کے جو مخصوص
نشاطِ روح۔ وہ کیفِ لطیف ہستی کا

ابھی تو گہرے ہرے رنگ ہی میں جنگل ہے
پھر ایک بار وہ سبز کھیت ہیں نظر میں مری
اُدھر جو جھنڈ ہیں پیڑوں کے دور جنگل میں
لگائے ڈیرا ہیں شاید وہیں یہ بنجارے

مجھے نظارے کئے ان حسیں مناظر کا
نقوش ان کے مری آنکھ سے مٹے تو نہیں
ہوا ہے ایسا بھی اکثر کہ بند کمروں میں
اکیلا ہونے کا ہوتا تھا جب مجھے احساس
تھکان ہوتی تھی جب جسم و جان پہ طاری
تو نگہِ شوق میں مدغم پڑے ہوئے یہ نقش
نظر کو یہ تازگی ملتی تھی اور دل کو سرور
سیال نغمگی میں روح ڈوب جاتی تھی
جسے سکونِ مکمل و راحتِ مطلق

اس حال میں مرا احساس جھوم اُٹھتا تھا
نشاطِ محض خوشی اجنبی سی انجانی
نہ یاد کی مری شیرینیوں سے وابستہ
جہاں میں خیر کی تشکیل جس سے ہوتی ہے

بشر کے دل میں جو بنتا ہے موجِ ہمدردی
وہ خود سپردگی بے لوث بے دعا و غرض
جو نیکی کرتا ہے کرتے ہی بھول جاتا ہے
بس ایک موجِ مسرت ہے صورتِ لطف و عطا
اُبھر کے پھر مری آنکھوں میں دل کو دیتی ہیں
عطیہ ملتا ہے ان سے اک اور بھی مجھ کو
حجاب اُٹھتا ہے جس میں سرِ حقیقت کا
وہ بارِ محنت و درماندگی و رنج و الم
ہوا کے ہلکے سے جھونکے کی طرح وہ پردہ
وہ حالِ پاک و مبارک یہ زندگی جس میں
تمام منتشر و منفرد شرر اپنے آپ
حواس میں جو پریشاں ہیں اس محبت کے
شعورِ مست میں اُٹھتی ہے بیخودی کی موج
نفس روانی کا آہنگ بھول جاتا ہے

خودی کا ہوتا ہے احساسِ لافنا پیدا
نشاطِ ہست کا دل میں جلال جلوہ فگن
نگاہِ پاک میں رنگِ شہود کھلتا ہے
خوشی برستی ہے ہر سو فضا سے ہستی میں
ہر ایک شے سے لپکتی دکھائی دیتی ہے

وہ جذبہ سوزِ اخوت کا پاک الفت کا
جو ختم تک ہے خلوص و صفا و خیر و دعا
نہیں جتاتا جو احسان کسی پہ کبھی اپنا
یہی نہیں کہ یہ منظر جمالِ فطرت کے
سرورِ سرمدی کیفِ نشاطِ لمسِ خودی
نشاطِ روح کا وہ پاک اور مبارک حال
وہ بھاری پردہ پڑا ہے جو رازِ عالم پر
سمجھ میں آتا نہیں جس سے کاروبارِ جہاں
نظر سے اُٹھتا ہے یکبار جیسے تھا ہی نہیں
ترانہ بنتی ہے روحِ احد کی ہستی کا
بکھر کے ملتے ہیں آہنگِ حسنِ وحدت میں
وہ میری روح میں بھرتے ہیں آ کے سب یکجا
یہ جسم جاتا ہے سو، روح جاگ اُٹھتی ہے
رگوں میں خون بھی حیرت سے تھم سا جاتا ہے
غنودگی سی ہے ہوش و خرد پہ چھا جاتی
نظر میں نور یہ ہم آہنگیٔ نمودِ عیاں
ہر ایک شے سے حجابِ مجاز اُٹھتا ہے
نشاطِ ذات میں ہوتا ہے غرق سوزِ حیات
حیات بے خود و سرمست و خرم و شاداں

(2)

نظر میں دنیا کی یہ روح کا مری احساس
اک اختراع سہی میرے دماغِ سادہ کی
ہوا ہے بارہا جس کا نزول دل پہ مرے
اندھیری رات کی تنہائیوں کے دامن میں
غمِ جہاں کا پڑا جب کبھی کبھی دل پر بار
فضول سلسلہ جانسوز کاوشوں کا ہے
تو رودِ دائی تصور ترے مناظر کا
ترے خیالِ طرب زا سے بارہا مجھ کو
ادھر آج پھر مجھے لائی ہے میری خوش بختی
مگر یہ فرق ہے کل اور آج میں میرے
میں آج فکر کا اک قافلہ ہوں ساتھ لیے
بجھی بجھی ہوئی یادوں کے دھندلے دھندلے نقش
فسردہ دل کی غم آلودہ الجھنوں کے ہجوم

ترے کنارے کھڑا ہوں دوڑ آئی ہیں اب بھی
اور اس کے ساتھ ہی اٹھتے ہیں خوشگوار خیال
بڑھے گی اور بھی حسنِ نظر کی رنگینی
وسیع تر و حسیں تر و بہ تر و خوش تر

خیالِ خام سہی اک فضول وہم سہی
مگر مرے لیے یہ عین اک حقیقت ہے
یہ کیفِ بےخودی اکثر ہوا ہے مجھے حاصل
چمکتے دن کے ہجوم صور کے گھیرے میں
مجھے لگا کہ مری زندگی ہے لاحاصل
سکونِ قلب کی دیکھا کہ کوششیں بے سود
نکال لایا مجھے یاس کے اندھیروں سے
ملی ہے جنتِ گم گشتۂ نشاط مری
ترے قریب یہاں۔ اے ندیمِ دشتِ خرام
کہ کل تھا فکر سے آزاد سر بسر لیکن
ابھرتے ہی چلے آتے ہیں میری آنکھوں میں
مٹی مٹی سی گزشتہ کی پھیکی تصویریں

گزشتہ ہی یہ تو لیکن نہیں ہے میری نظر
حسیں مناظرِ فطرت سے لطف پاتا ہوں
مجھے یہ کہتا ہے دل ان حسیں نظاروں سے
رسیلی اور بھی ہوگی یہ زندگی میری

میں سُن رہا ہوں یہ دل کا پیام خوش آیند
سمو رہا ہوں میں اپنے میں یہ فروغِ نشاط

یہ حال ہے مرا اب۔ یاد ہے مجھے لیکن
وہ دن بھی جب میں یہاں پہلی بار آیا تھا

طرارے بھرتا تھا کہسار پہ ہرن کی طرح
خرام کرتا تھا ندیوں کے ساتھ آہستہ

تو دوڑتا تھا میں دریاؤں کے کنارے پہ
کشش جہاں مجھے لے جاتی حُسنِ فطرت کی

میں کودتا ہوا جھٹ سے وہاں پہنچ جاتا
جو دیکھ پاتا مجھے کوئی ایسی حالت میں

تو بس سمجھتا یہی خوف سے کسی شے کے
میں بھاگے جاتا ہوں بے مدعا و سرگرداں

نہ سوچ سکتا کوئی یہ کہ مجھکو فطرت نے
پیار دے کے بنایا تھا اپنا دیوانہ

مجھے تھا اُن دنوں فطرت سے والہانہ عشق
گذر چکا تھا لڑکپن کے لہو و لعب سے میں

نہ کھیل کود پہ تھی منحصر خوشی میری
مری حیات تھی ہر گونہ حُسنِ فطرت پہ

میں کیا کہوں کہ مرا حال اُن دنوں کیا تھا
جنون کچھ ایسا تھا مجھکو کہ میرے کانوں میں

صدائیں گونجتی رہتی تھیں آبشاروں کی
مری نظر میں تھا ایسا رنگ جلوۂ فطرت کا

سمایا سر میں مرے عشق تھا پہاڑوں کا
کھڑی چٹانوں کا گہرائیوں کا جنگل کی

وہ عشقِ محض جسے مستی خودی کے لئے
نہ فکر کی نہ تخیل کی تھی مدد مطلوب

حواسِ خمسہ ہی بس باصرہ ہی میرے لئے
مہیا کرتی تھی سامانِ شوق و لطف و نشاط

وہ وقت بیت گیا ساتھ لے گیا اپنے
وہ سوز و ساز تماشائے حُسنِ فطرت کا

وہ مستیاں نہیں۔ سرشاریاں نہیں باقی
مجھے اب اُن کا نہ غم ہے نہ آرزو لیکن

ملی ہے اب مجھے اک ایسی بے بہا نعمت
بدل دی جس نے مری زندگی کی سب قدریں

مسرتیں ہوئیں نظارگی کی پیش بینی
جو حُسنِ جلوہ پہ تھیں سمٹ آئی آنکھوں سے

اُٹھا ہے سحرِ تماشہ کا پھر وہ رنگینی
جمالِ محض نہیں اب جمالِ فطرت کا

تجلیاتِ مناظر کے ساتھ ساتھ مجھے
وہ نغمہ جس کے سُروں میں ہے سوزِ قلبِ بشر
سنے گا نہ کوئی شورِ شعبیِ زمانہ کی
نہاں ہے طاقتِ تادیب و قوتِ تلقین

لطیف ہستی ہے اک میرے سامنے موجود
دل و دماغ سے اٹھتے ہیں میرے کیف بدوش
وہ ہستِ کل کا شعورِ لطیف و بے پایاں
جو کائنات کی ہر شے میں بس رہا ہے مدام
مقام اس کا فلک پر بھی ہے زمیں پر بھی
اُسی کا رنگ شفق میں ہے آفتابوں کی
بسا ہے نیلگوں آکاش اُس کی وسعت میں
اُسی کی بو سے معطر فضائے عالم ہیں
وہی ہے فکر و نظر میں وہی ہے دل کا مکیں
وہی ہے صورتِ تخلیقِ فکر و رنگِ مجاز

مگر ہوا نہیں کچھ اس سے کم۔ وہ پیار مرا
ہے پیار اب بھی وہی مجھ کو سبزہ زاروں سے
سریلے نغموں سے ندیوں کے۔ آبشاروں سے

سُنائی دیتا ہے اکثر سرودِ خاموشی
نہیں ہے جس میں کوئی تلخیِ حیات کا عکس
سکوں کا نغمۂ شیریں وہ جس کی تانوں میں
جو لوگ لیتی ہے بڑھ کر غلط روی سے مجھے
یہی نہیں مجھے محسوس یہ بھی ہوتا ہے
شعورِ لمس ہے جس کے بلند و پاک خیال
وہ کیفِ بے خودی۔ احساسِ ارفع و اعلیٰ
ہے جس کے دم سے دو عالم کی صورتوں کا وجود
بسی ہے جس میں سدا کائنات کی ہر شے
اُسی کی روشنی ہے ان گنت ستاروں میں
اُسی کا جوش ہے موجوں میں بحر و دریا کی
نفس اُسی کا رواں ہے ہوا کی حرکت میں
وہ خود ہی موجۂ ہستی ہے ہر رگِ جاں میں
لطیف حرکتِ روحی نفیس موجِ حیات
وہ کائنات کی ہر ایک شے کی روحِ رواں
شعور ہے مجھے اب اس لطیف ہستی کا
حسین مناظرِ فطرت سے جو رہا ہے مجھے
گھنے درختوں سے جنگل کے۔ کہساروں سے
ہر ایک منظرِ رنگیں سے جس کو حسنِ نظر

نگاہِ شوق کا کرتا ہے اور بھی رنگیں
سُریلا اور بناتا ہے میرا پردۂ گوش
مُسرّتوں سے جو کرتی ہے آشنا دل کو
نشاطِ روح کا جن سے سُراغ ملتا ہے
سمجھ میں آتے ہیں جن سے حیات کے معنی
مجھے ملے ہیں یہ انعام عشقِ فطرت سے
میں دیکھتا تھا جسے دُور سے وہی فطرت
وہ روحِ حق و صداقت ہے میرے قالب میں

بحال رہتی بشاشت مری طبیعت کی
سُنائی دیتی ہیں آوازیں تری۔ مجھ کو

گزشتہ خوشیوں کی کرتے ہیں یاد پھر تازہ
پھر اُن دِنوں کی مجھے جب تھا دل لبھانہ عشق

اُسے ہمیشہ دفا ہی ملی ہے فطرت سے
نشاطِ روح سے فطرت نوازتی ہے اُسے
ہمیں دکھاتی ہے خوشیوں کے سلسلے کی راہ
لطافت اور نفاست میں لطف و لذت میں

ہر ایک نغمۂ شیریں سے جس کی تانوں کو
حواسِ خمسہ کی ڈھیلے خوشگوار سے کبھی
مُسرّتیں جو پتہ بے خودی کا دیتی ہیں
بلند و پاک خیالات جن سے اُٹھتے ہیں
یہ علم ہوتا ہے فطرت ہے ہمدم و رہبر
دلِ حساس و خیالاتِ پاک و کیفِ حیات
ندیمِ ہمقدم و ہمنوائے ہمدم ہے
وہ میرے دیدۂ خوش بیں میں خود شناس نظر
نہ ہوتا ایسا بفرضِ محال تو بھی یونہی
تو آج ساتھ ہے میرے مری پیاری بہن +
پُرانی دھڑکنیں اپنے نشاط زادہ دلی کی
یہ جھلملاتے ستارے تری ان آنکھوں کے
ترے وجود میں ملتی ہے اک جھلک مجھ کو
اک ایک رنگ سے نورِ جمالِ فطرت کے
میں جانتا ہوں کہ میں نے بھی اس سے پیار کیا
وہ دل بھرا ہے محبت کا جس میں سوز و گداز
وہ خود ہی ہاتھ پکڑ کر ہمارا سال بسال
وہ خوشیاں درجہ بدرجہ جو بڑھتی رہتی ہیں
نشاطِ جاں سے ہم ہوتے ہیں آخرش آگاہ

+ ورڈز ورتھ کی بہن ڈارو تھی جو اس موقع پر اس کے ساتھ تھی

شعور ہوتا ہے جس میں سکونِ کامل کا
بلند ہوتا ہے احساس اس قدر اپنا
بُرا بھلا کہے طعنے کسے اُڑائے ہنسی
سکونِ دل میں تذبذب کبھی نہیں اُٹھتا
یہ روز روز کا خالی و خشک کاروبار
ہر حال رہتے ہیں ثابت قدم و بکر ختار
نظر میں اپنی تو ہر شے جہاں کی ہوتی ہے

نصیب ہوتا ہے جلوہ جمالِ مطلق کا
کہ چاہے کتنا ہی دُنیا کرے ہمیں بدنام
ریا سے کام لے۔ عزت کرے نہ کھلنے کو
نہ غصہ آتا ہے ہوتا نہیں کوئی غم بھی
ہمارے چین میں ہوتا نہیں خلل انداز
یقیں کو اپنے یہ باتیں ہلا نہیں سکتیں
خدا کی رحمت و برکت کا ایک مظہر پاک
یہی ہے آگہی میری۔ یہی مرا ایمان

اسی یقیں کے بھروسے میں تیرے حق میں بھی
کہ رودِ وادیٔ کی ان پُر سکوں فضاؤں میں
روپہلی کرنوں کا رخشندہ چھتر کرتا چلے
ترے بدن کو تر و تازگی میں نہلائیں
نصیب ہوں تجھے سرشاریاں رفاقت کی

دُعائے خیر یہ کرتا ہوں صدق دل سے آج
تو جب کبھی سیر کو آئے تو چاند سا تجھ ترے
فرازِ کوہ سے اُتر کر ہوائیں تازہ و نم
مُسرتیں ہوں عطا تجھ کو قرب فطرت کی
سرورِ زندگی۔ سرمستیاں محبت کی
پھر اس کے بعد بیتیں برس جیسے عمر کے ⊛

سرمستیاں رفاقتِ فطرت کی یہ تری
ہر صورتِ حسیں کا ترے من میں عکس ہو
آئیں جو زندگی میں تری درد و رنج و غم
فطرت کے حسنِ پاک کی رنگینیوں کے نقش
اور نغمۂ حیات کی تانوں کا ارتعاش

لطف لطیف پاک ہیں تیری ذات کا
ہر نغمگی کی گونج ہو دل میں ترے بسی
تنہائیوں میں خوف جو گھیرے تجھے کبھی
دیں تجھ کو اک لطیف مسرت کی روشنی
لہریں خوشی کی تیری رگوں میں بکھیر دے

⊛ اس دُعائیہ ٹکڑے کی بحر مختلف ہے۔

اُس وقت میری یاد ترے دل کو دے سکوں

آواز تیری ۔ اور نہ تیری نگاہ میں
ممکن ہے میں نہ پاس ہوں تیرے مگر تجھے
جاں بخش و دلنواز کنارے پہ وادی کے
دیتا تھا درس میں تجھے فطرت سے پیار کا
فطرت کے دلگداز و دلآرام حسن کا
اک سجدۂ نیاز جبیں میں لئے ہوئے
ہستی ہے اپنے پیار کی سجدوں سے پاک تر
برسوں کے بعد آیا تھا جب گھوم پھر کے یاں
اونچی چٹانیں جھنڈ درختوں کے سبزہ زار
اک نور وہ خود ہی ہیں تجھے محبوب ۔ تر ہم سے
یہ یاد خوشگوار ہے سرمایۂ حیات

ممکن ہے میں وہاں ہوں جہاں سُن نہ پاؤں گا
لہریں ترے پیار کی آپ آئیں گی نظر
وہ دن نہ بھول پائے گا جب تیرے ساتھ میں
کرتا تھا سیر اور بڑے شوق سے یہاں
تو جانتی ہے میں تو پجاری رہا سدا
لایا ہے میرا شوقِ پرستش مجھے یہاں
طاعت سے لیک جوشِ محبت ہے بے نیاز
یہ دن رہے گا یاد تجھے تیرے ساتھ میں
تو ان حسیں مناظرِ فطرت کی جھلکیاں
پہلے سے بھی زیادہ پیاری لگیں تجھے
وابستہ ہیں وہ تیری رفاقت سے پیار سے
تازہ رہے گی دل میں ترے میرے بعد بھی

لو سے خطاب

I

اے مطربِ سرودِ لطافت ۔ ذرا بتا
لگتی نہیں ہے اچھی تجھے یہ زمین کیا؟

ہوتا ہے آسماں پہ ہی کیوں نغمہ بار تو؟
کیا تو اسی لئے رہے بلندی پہ نغمہ زن؟
سچ ہے زمین پر ہیں پریشانیاں بہت
ہے ارضِ غمزدہ سے حقارت کہیں تجھے

فکر، خوف، رگوں کا تناؤ ۔ یاس
پاتا ہے لطف یا تو فقط اوجِ زیست پر

یا رفعتِ فلک پہ بھی قلب و جگر ترے

رہتے ہیں آشیانۂ ارضی کی شاخ پر
اپنا ترانہ بند کرے ۔ پر سمیٹ کر

وہ آشیانہ جس میں ترا جب بھی چاہے جی
آئے اُتر ۔ خبر لئے ساتھ آسمان کی
غلطاں فضائے نور میں ہو کر بھی کیا تجھے

رہتی ہے یادِ شبنمِ گلشن کی روشنی
پاتا ہے دل میں گدگدی کرتا ہوا کہیں

کیا تو پہنچ کے منزلِ معراجِ شوق پر
کاشانۂ چمن کا محبت بھرا خیال؟

II

ہاں اے مغنیِ فلک! اے مطربِ نشاط
آگے نکلتا جا کہیں حدِ نظر سے بھی
رہتا ہے پھر بھی تیرا تعلق زمین سے

پروازِ شوق اپنی کئے جا بلند تر
کتنا ہی دور کیوں نہ ہو تو آسماں پہ
ہے روح کا لگاؤ وہاں جسم کا یہاں

آکاش سے سماتر کے بکھرتی ہیں ہر طرف
سینے میں ارضِ پاک کے ہوتا ہے موجزن
اور پھیلتی ہے وسعتِ ارضی میں نغمگی

موجیں ترے سرودِ مسرت کی دمبدم
کیف و سرورِ نغمہ معراجِ بے خودی
اُٹھتا ہے پھر ترانۂ ہستی کا ارتعاش

موجِ نشاط اٹھتی ہے جب روح میں تری
ہے جن سروں کے رنگ سے رنگیں ترا بہار

ہو تو نہ کچھ بہار پہ نغمہ نہیں ترا
ڈھلتی ہے خود بخود وہی سروں میں تری صدا
اور جن کے نورِ پاک سے حُسنِ خزاں زیادہ

III

شاخِ شجر کے سائے میں گاتی ہے عندلیب
مخصوص تیری نغمہ سرائی کو رفعتیں
باقی ہے روح تیری جہاں لمسِ ایزدی
اور تیرے دل سے اُٹھتے ہیں نغماتِ سرمدی
آہنگِ انبساط کی کیفِ حیات

عظمت مآب اہلِ نظر، اہلِ حال کی
لیکن جمالِ ارض سے بھی جو ہیں باخبر
ہے دسترس میں جن کی فلک بھی زمین بھی

زشت و چمن ہوں اس کو مبارک ہزار بار
وہ وسعتِ فلک کی درخشندہ خلوتیں
ہوتا ہے تو جہاں سراسر غرقِ بے خودی
عرشی فضائیں جن سے برستی ہے نغمگی
ارض و سما کا ہوتا ہے جس سے وصالِ پاک
اے مطربِ نشاطِ سماوی تو ہے مثال
پرواز جن کی اوج پہ عرشِ بریں کی ہے
دونوں میں دیکھتے ہیں جو لمس نور ایک ہی

خلدِ ارضی

شوقِ پرواز کے بے باک پروں کو کھولے
جا پہنچتی ہے مری روح تصور تو مجھے
کششِ حسنِ تمنّا و جمالِ حاصل
اور ڈر موت کے ہاتھوں اُنہیں کھو دینے کا

اور بھی دلکش و رنگین نظر آتا ہے
حُسنِ محبوب میں پاتا ہوں میں حوروں کا جلال
محو ہو جاتا ہے سب عالمِ بالا کا خیال
عیشِ دُنیا کے تصور میں مگن ہوتا ہوں
میرے احساس کو ملتی ہے سکوں کی نعمت

کہ ہو محبوب کی اک ایک تمنّا پوری
اور ہو میری خوشی اس کی خوشی میں شامل
اس سے بڑھ کر نہیں جنت کوئی مطلوب مجھے

عالمِ بالا کی پُر کیف فضاؤں میں کبھی
کھینچ لاتے ہیں بلندی سے زمیں پر اکثر
خُلدِ ارضی کی دل افروز بہاروں کا خیال

ایسی حالت میں مجھے حُسن و جمالِ خاکی
اس میں بھی شانِ سماوی کی جھلک اُٹھتی ہے
دیتی ہیں اس کی ادائیں مجھے ترغیبِ طرب
شوقِ پرواز نہیں رہتا تخیّل کو مرے
طاری ہوتا ہے دل و جاں پہ مرے کیف و سرور
مجھ کو آتا ہے جو اب عالمِ بالا کا خیال
تو مرے دل سے نکلتی ہے یہ ہر بار دُعا
خوشیوں ہی خوشیوں سے بھرپور ہو جیون اس کا
یہ خوشی خاکی ہے جنت کی خوشی میرے لئے

سمندر کے کنارے پہاڑی پر

لگتا تھا اپنی کرنوں کو سورج سمیٹ کر
لیکن نہ جانے جاتے ہوا کیوں شرر فشاں
اک سیلِ نورِ نار فلک پر رواں ہوا

بس اب گیا ہے روشنی کی اک لکیر سی
ہیں جس کے ساتھ خواب سکون بخش و دلنواز

اک ٹکٹکی تک بھی اُن کی تو لہرا نہیں رہی
یہ وہ گھڑی ہے آدمی جب اپنے آپ ہی
یہ وہ گھڑی ہے وسعتیں جب دل کی خود بخود
ہمدردی و اخوت و الفت و دوستی

اس گنبدِ وسیع میں کوئی نہیں صدا
یہ آسمان کے نغمے ہیں جیسے کہ خواب میں
دامن میں اپنے جو ہیں لپیٹے ہوئے اسے
ہلکی سی بھینی نغمگی ہوتی ہے منتشر

چپکے سے خواب گاہ میں اپنی چلا گیا
یکلخت شعلے دور افق پر بھڑک اُٹھے

کم ہوتے ہوتے مہر کا یہ جوشِ اشتعال
آنکھیں بچھی ہیں رات کی آمد کی راہ میں

بادل ہیں آسمان پہ لیکن کوئی کہیں
ڈوبی سکوتِ شام میں ہے ساری کائنات
ہوتا ہے غرقِ فکر و تحیر دستِ ذات
لیتی ہیں اپنے دامنِ احساس میں سمو

ہر سمت چھا رہا ہے سکوت آسمان سے
خاموش ہو رہی ہیں سمندر کی شورشیں
ساحل سے کچھ بلندی پہ پھیلے ہیں سبزہ زار
اور یہ سے ہو کے ان کے گزرتی ہے جب ہوا
یہ نغمگی یہ مدھ بھری نے یہ سُریلی تان

یہ انکسارِ قلزمِ اعظم کی ہے صدا
رس گھول کر جو کانوں میں کہتی ہے یہ ملا
عظمت دراصل نرم دلی اور انکسار

طوفاں کا شور و نعرہ ہے جس کا جلال و قہر
دیکھو تو کتنا نرم دل و منکسر ہوں میں

II

اے قدرتِ تعالےٰ و مولائے کبریا
لطف و کرم و رحمت و برکت کی روشنی
جیسے لباسِ شورشِ طوفان پہن کر
تیرے جلال و قہر کو منظور ہو تبدیل

لیکن اگر رضائے تری میرے واسطے
طاقت مجھے قبولِ رضا کی بھی کر عطا
سرگوشیوں میں بھی جو ہدایت تری ملے
پا جاؤں اک اک اشارے کو بھی ترے

لے جائیں جس طرف بھی مجھے یہ قدم مرے
احساسِ ہمسری ہو تیرا ہر نفس مجھے
مجھ پر رہے ہمیشہ نگاہِ کرم تری
رازِ حیات و مرگ ہے کیف ـــ آگہی
مجھ کو نصیب وصل ـ غمِ روزگار ہو
احساس اپنا یہ ہو مجھ کو تیرا ساتھ

میں جانتا ہوں تیرے رخِ نور بار پہ
بن جاتی ہے شرارۂ غیض و غضب کبھی
اٹھتی ہیں موجیں قلزمِ ہستی نواز کی
گم کردگانِ راہ کو ہوتی ہے سرزنش
تو ہے سراپا لطف و کرم رحمت و عطا
کچھ اور انضباط معین کیا ہے تو
تیزی وہ بخش تو مرے فہم و شعور کو
پوری طرح سمجھ کے کروں اس پہ میں عمل

جو بھی رہِ سفر ہے مقرر مرے لیے
بس کر تو میری روح میں ۔ ہمگام ہو مرا
چھوڑے نہ میرا ساتھ تری برکت و عطا
حاصل ہو تیرے پیار سے راسخ یقیں مجھے
سایہ تلک نہ خوف کا باقی رہے کوئی
اور آخرش یہ حال ہو کہ تو ہی تو رہے

شامِ بہار

طلوعِ صبح سے اب تک رہا ہے مطلع صاف
تمام وقت رہی ہیں فضا میں لہراتی
اِدھر اُدھر کئی بادل کی ٹکڑیاں لیکن
ہوں ہلکی جالی کے رومال پر فشاں جیسے
جلالِ مہر کی رخشندگی چھپانے کو

ہوا کی موجوں کی نرمی کا یہ رہا ہے حال
کہ ہونے پایا نہیں اُن کے قرب کا احساس
کسی بھی شاخ کو لیکن اک ایک پتے نے
لیا ہے چوم مسرت سے اپنے ہمدم کو

چمن میں غنچے تر و تازہ اور نکہت بار
ضیائے زندگی اور رنگِ نو شگفتہ لیے
جواں لڑکیاں جیسے کئے ہوئے سنگار
دمکتے گالوں پہ اور مسکراتے ہونٹوں پر
بنائے اور بھی رنگیں تر لب و رخسار
وہ ایک دوسرے کا دیکھتے ہیں حسن و جمال
نگاہِ رشک سے کرتے ہیں پھر وہ اندازہ
کہ کتنے لعل و گہر کس کے تاجِ سر میں ہیں

خموشی شام کی ہر لمحہ بڑھتی جاتی ہے
اُبھرتے جاتے ہیں پھر اب سرودِ فطرت کے
وہ ندیوں کی روانی کے میٹھے میٹھے سُر
جو سنگریزوں پہ دن کو تھے رقص کی جھنکار
اب ایسے اُٹھ کے بنے جل ترنگ کا نغمہ
سکوتِ شام کی اک بے کنار وسعت میں
ہر ایک شے کی حد اس میں ہو چکی ہے گم
بس آ رہی ہے اسی جل ترنگ کی آواز

ہے اس فضائے دلآویز کی مہارانی

لطیف بادِ بہاری ۔ وہ جس روش پر بھی
خرام کرتی ہوئی ناز سے گزرتی ہے

تمام کلیاں اُسے مسکرا کے دیتی ہیں
خراج اپنے دمِ جانفزا کی خوشبو کا

مزارِ شاعر کا کتبہ

گر سیاستداں ہے تُو اور "رہنما" ہے قوم کا
گر "فلاحِ عام" کے کاموں میں ہے تو پیش پیش

تو خدارا پھول مرقد پر نہ تو میرے چڑھا
کر نہ خیرِ رفتگاں کا تو ابھی کچھ بھی خیال

جا کسی جاندار سے پہلے محبت تو برت
جا کسی اک شخص سے تو بات تو کر پیار کی

پھر اگر آئے ترے دل میں تو آجانا یہاں

II

گر ہے تو کوئی وکیلِ تیز فہم و تیز دماغ
تو نہ آ تو بھی یہاں نزدیک میری قبر کے

مانگتی ہے تیری چشمِ خورد بیں و نکتہ چیں
اور میدانِ عمل ۔ تو کیا کرے گا آ کے یاں

تیرے مرجھائے سے چہرے پر نہ رونق ہے نہ رنگ
خونِ ہمدردی کا ہلکا سا نشاں تک بھی نہیں

جا کسی انسان کے دُکھ درد کو اپنا کے دیکھ
وقت ضائع کر نہ فکرِ رفتگاں پر تو ابھی

پھر اگر آئے ترے دل میں تو آجانا یہاں

III

تُو اگر ہے بذلہ سنج خندہ رُو خوش بیاں
زندگی میں ہنسنا ہنسانا ہی تیرا کام ہے

تجھ کو آنا ہے یہاں تو آ۔ مگر اس قبر کا
تو ابھی سے کچھ خیالِ زندگاں دل میں نہ لا
پھر اگر آئے ترے دل میں تو آ جانا یہاں

آ نہ پائے گا موافق رنج آلودہ سکوت
ہو سکے تو جا کسی روتے ہوئے کو دے ہنسا

IV

مردِ آہن۔ صاحبِ ہمت۔ بہادر۔ اونڈر
اے کہ اک عالم کو جرأت کا ہے تیری اعتراف
آ بنا لیکن کہ کہ اپنی خونچکاں تلوار کو
ساتھ اپنے تو نہ لا اپنے غرور و ناز کو
تو یہاں لا بردباری۔ انکساری۔ عاجزی
گر یہ لا سکتا ہے اپنے ساتھ تو آ جا یہاں

اے کہ تجھ کو ہے دلیری اور جانبازی پہ ناز
اے سپاہی آ رہا ہے تو ادھر۔ خوش آمدی
تمکنت اور آن کو میدان ہی میں چھوڑ آ
خاک کو میری نہیں فولاد سے کچھ واسطہ
سادہ لوحی۔ سخت کوشی جاں بہ دہقاں کی

V + VI

چارہ گر اے ماہرِ طب۔ اے مشفق اے حکیم
تو یہاں بھی۔ کنجِ عافیت میں میری خبر کے؟
دم مجھے لینے نہیں دیگا گھڑی بھر بھی کہیں
کام کی شاید جڑی بوٹی نظر آئے کہیں
اپنے مرقد میں پڑا سونے دے اب آرام سے

آ رہا ہے تو کہاں سونے نہ دے گا کیا مجھے
جانتا ہوں تیرا تحقیق و تجسس کا شغل
جھانکتی پھرتی ہے قبروں میں بھی تیری جستجو
تو خدارا مت ادھر آ التجا کرتا ہوں میں

VII, VIII, IX

بھول کر اے واعظِ مشفق کہاں پہنچا ہے تو
تیری آنکھیں دیکھ سکتی ہیں بس اپنے آپ کو

اس طرف کیسے خدا جانے قدم اٹھے ترے
کان سنتے ہیں ترے بس تیری اپنی ہی صدا

اپنی دُنیا آپ ہے۔ تو آپ ہی اپنا خدا
بے تعلق ہے تو یکسر - تو کسی کا بھی نہیں

کوئی صورت تیری نظروں میں کبھی جچتی نہیں
موجِ ہمدردی کبھی دل میں ترے اُٹھتی نہیں

گرمیٔ احساس سے تیری رگیں واقف نہیں
خون تیرا سرد ہے تو منجمد تیرا دماغ

تو دلائل اور منطق کے سوا کچھ بھی نہیں
عقل و دانش کے گھروندے ہی میں بہتر ہے کہ تو

سو یا رہ آسودہ خاطر لمبی میٹھی نیند میں
قیمتی ہے وقت تیرا۔ اس کے چند لمحات بھی

تو مری خاطر نہ ضائع کر یہ ادھر آنا ترا
کُلیتاً بے کار ہے۔ سب بے ثمر ہے تیرے لئے

سُن مری۔ تکلیف یاں آنے کی تو ہرگز نہ کر
چھوڑ دے ہاں چھوڑ دے تو مجھ کو میرے حال پہ

X - XV

سادہ لباس و صاف دل و مست خوش خرام
یہ آ رہا ہے کون خوشی کا لئے پیام

دل میں سرور و کیفِ محبت لئے ہوئے
آنکھوں میں انکسار و مروت لئے ہوئے

مستانہ گنگناتا ہوا گیت پیار کے
میٹھے ترانے زندگیٔ پُر بہار کے

بڑھ کر ہے ان ترانوں کا رس لطفِ نغمگی
اس راگ سے جو گاتی ہیں ندیاں پہاڑ کی

عزلت گزیں یہ کیسے کوئی ہو رہا ہے یہاں
جیسے کہ اوس دن چڑھے پتوں میں ہو نہاں

چشمہ ہو چھپ کے جھنڈ میں پیڑوں کے یا رواں
یا بادلوں کی اوٹ میں ہو چاند ضو فشاں

رُخ سے برس رہا ہے جلالِ نشاطِ جاں
امن و سکونِ قلب و جگر آنکھ سے عیاں

شیدا ہے وہ مناظرِ فطرت کے حسن کا
آنکھوں میں اس کی شوقِ تماشہ کی ہے ضیا

اس کی نظر میں ارض و سما کی ہیں رونقیں
ہیں اس میں رفعتیں پہاڑ کی وادی کی وسعتیں

اس کے خیال میں ہے بلندی و تازگی
احساس میں ہے اس کے رواں سیلِ بے خودی

تنہائیوں میں ڈوب کے ہوتا ہے مستِ حال
کھلتا ہے اس پہ حسنِ حقیقت بصد جلال

وہ چھپ کے بیٹھ پیڑ [illegible]
مانوس ہو گئی ہے نظر اپنی اس قدر

ان دیکھا اُن کو کرتے ہیں ہم دیکھتے ہوئے
اُن میں بھی دیکھتا ہے حقیقت کی وہ ضیا
وہ چشمِ شوق امن و سکون کا ہے جس میں نور
محفوظ ہے جو فطرتِ رنگیں کے حسن سے
نور و سرور کا ہے پیمبر یہ مردِ نیک
مستانہ کر رہا ہے رہِ زندگی کو طے
اس کے لئے جہان ہے سرمایۂ نشاط
دُنیا کی آنکھ میں نہیں دُنیا کے کام کا
اہلِ خرد تو پائیں گے شاید کبھی اِسے

ہوتا جیسے گہری نیند میں ہم جاگتے ہوئے
صد شکر اُس کی پاک نگر چشمِ شوق کا
حاصل ہے جس کو دل سے ہی احساس اور شعور
مرکوز لیک نورِ تجلّی پہ روح کے
قانع ہے اپنی سادہ روی پہ یہ مردِ نیک
اُس کی نظر میں نور فشاں ہے ہر ایک شے
سرچشمۂ سرور ہے اس کے لیے حیات
اپنے میں مست ہے جو یہ آوارہ گھومتا
لیکن ابھی سے اہلِ نظر اس کے ہو چکے

خوش آمدی، پیمبرِ نور و سرورِ ہست
چاہے تو تُو جنونِ خودی میں اُبھر کے آ
تو آ اِدھر کہ تیرا مجھے انتظار ہے

آیا ہے رقصِ وجد میں تجھ سے شعورِ ہست
چاہے تو تُو سکوتِ خودی میں اُتر کے آ
قدموں سے تیرے نور بسر یہ مزار ہے

اے زماں

اے زماں تو اک اتھاہ ساگر ہے یہ موجیں تری
غم کی گہرائی سے پیدا ہیں تیری گہرائیاں
نم کے آنسو جو بہاتی آئی ہے چشم بشر
دل میں اٹھتا ہے تصور زندگی اور موت کا
حد ازل کی اور ابد کی باندھ لیتا ہے بشر
تیری موجوں کے تسلسل میں مگر ہوتا ہے غرق

اس سے ملتا تو ہوگا پھر بھی تیری تھاہ تھا
منہ کھلا ہے ہر گھڑی تیرا نوالوں کیلئے
تو سکوں میں ہے دغا۔ طوفان میں ہے ہولناک
اے اتھاہ ساگر۔ کوئے کوئی ترا کیوں لے غنا

روز و ماہ و سال کا اک سلسلہ لا انتہا
آنسوؤں سے غم کے ہے پانی ترا کھارا ہوا
تیرے مد و جزر سے اے بحر نا پیدا کنار
فکرِ انساں میں خیالِ ابتدا و انتہا
اور کر لیتا ہے ساحل کا ترے پیدا نشاں
ہر تصور، ہر خیال و ہر تجربہ عارضی
اتنا کچھ جب تو نگل جاتا ہے تو تیرا بھی جی
بڑھتی ہی رہتی ہے کم ہوتی نظر آتی نہیں
موت کے ساحل پہ جن کو تو اگل دیتا ہے تو
کوئی کیونکر کشتیِ جاں کو کرے تیرے سپرد

بلبل سے خطاب

اک کسک سی اٹھ رہی ہے دل میں مرے
ٹھہر رہی ہے رواں رگ و پے میں
جسم پر بے حسی سی طاری ہے
ایسا محسوس ہو رہا ہے مجھے
خون میں کر رہا ہے زہر اثر
یا یہ لگتا ہے جامِ خواب آور
اور غرقاب ہو گیا ہوں میں
ساکنِ برگ پوش شاخ و شجر
نغمہ سنجِ بہشتِ دشت و چمن
دلنشیں سحر گر و ہوش ربا

جانتا ہوں نہیں۔ مگر احساس

درد کی ایک میٹھی میٹھی موج
اس چہچہے کی لطیف رَو کے ساتھ
چھا رہی ہے غنودگی جاں پر
پی گیا ہوں میں شیکراں[1] کا عرق
ہے رگوں میں جمود سا پیدا
پی لیا ہے ابھی ابھی میں نے
لیتھ[2] کے لاشعور دریا میں
سبزہ سازِ سرود کی دیوی[3]
بلبلِ خوش نوا۔ تری آواز
سربسر کیفِ بے خودی و نشاط
نغمۂ شعر میں مرے یہ رس
کچھ نہیں ہے تجھے رقابت کا

ص۱ HEMLOCK

ص۲ دریائے لیتھ (LETH) عالمِ اسفل کا دریا ہے جس کے پانی سے واقعاتِ ماضی یکسر فراموش ہو جاتے ہیں۔ اس مصرعے کا مطلب یوں بھی ادا ہو سکتا ہے ع
خود فراموشیوں کے دریا میں

ص۳ DRYAD - درخت یا جنگل کی پری یا دیوی (یونانی دیومالا)

خوش ہوں میں دیکھ کر تجھے مسرور
اک کسک اُٹھ رہی ہے دل میں مرے

جام اک اُس شرابِ کہنہ کا
ٹھنڈا کرتی رہی ہو صدیوں زمیں
جس میں پھولوں کی نکہتیں ہوں بسی
جس میں پیدا ہو جانِ رقص و سرود
جس میں روحِ حیات ہو رقصاں
ہو نسیمِ جنوب جس میں رواں
میرے جسم اور جاں کو دے گرما

آبِ ہپو کرین[^۲] سے لبریز
بلبلے جیسے رقص کرتے ہیں
یا ہوں قطرے شراب کے لرزاں
بادۂ بےخودیٔ سوزِ حیات

اتنا خوش ہوں کہ بےخودی بن کر

کاش ایسے میں میرے ہاتھ آئے
شعلہ ہائے سیال کو جس کے
اپنی گہرائیوں کے دامن میں
کھیتیوں کی ہو جس میں شادابی
لوک گیتوں کی جس میں ہوں موجیں
جس میں خورشید کی شعاعیں ہوں
جو شمالی ہوا کی سردی میں

اک سبو کاش ہاتھ آئے مرے
یوں چھلکتا ہو جس سے کیفِ حیات
برلبِ جام جوشِ مستی میں
اُڑ رہے ہونٹوں پہ مے گساروں کے
گر مجھے یہ شرابِ ناب ملے
قطرہ قطرہ ہے جس کا کیفِ نشاط

---

[^۲]: صہ یونانی دیومالا کے دیوی دیوتاؤں خصوصاً فنونِ لطیفہ کی دیویوں کا محبوب متبرک چشمہ جو APOLLO (سورج دیوتا) کی جائے رہائش کوہ "ہیلی کان" (HELICON) پر رواں تھا۔
اس مصرعے کا مطلب یوں ادا ہو سکتا ہے۔ ع
جوشِ آبِ حیات سے لبریز

تو میں جی بھر کے اتنی پی لوں گا
خُلدِ نغمہ میں تیری اے بُلبُل
دُور گہرائیوں میں جنگل کی
پیدا ہوگا نہ اضطراب جہاں
شانت ہوگا حیات کا ہیجان

مسرتِ نغمہ ہے بُلبُلِ شاداں
اُن دل آزاریوں سے دُنیا کی
تکتے ہیں ایک دوسرے کا مُنہ
تو جو یکجا کراہتے ہیں زدہ

قلبِ انساں کے درد و غم کی نہیں
اک نسیمِ سحر کا جھونکا ہے
زرد پژمردگی ہے پیری کی
ہے نہاں سالخوردگی کی خاک
لاغری بے بسی علالت کی
ہر جگہ سوزِ درد سے بے چین
زندگی کا خیال ہی دُکھ ہے

کہ نکل جاؤں گا اس اپنی دُنیا سے
چھُپ کے آنکھوں سے سب کی ساتھ تیرے
بھول جاؤں گا میں جہاں دُکھ درد
دُور ہوگی ہر اک پریشانی
سب تھکن زندگی کی اُترے گی
سایۂ شاخ و برگ میں تو تو
دل ترا آشنا ہوا ہی نہیں
ہو کے مجبور جن سے اہلِ جہاں
اور جب درد سہہ نہیں سکتے
سر پکڑتے ہیں نالہ کرتے ہیں
طائرِ خوش نصیب تجھ کو خبر
تو نہیں جانتی کہ عہدِ شباب
اس کی رنگینیوں کے پردوں میں
اور دامن میں اس کی خوشبوؤں کے
اس کی آب و نواں میں پوشیدہ
ایک اک شے ہے رُو بہ انحطاط
اور ہر دل ہے غم سے آلودہ
درد ہے زندگی کی سوچ بچار

ص۵۔ "بلبل" کو اُردو میں مذکر باندھتے ہیں۔ لیکن اس نظم کے موضوع کا خیال رکھتے ہوئے میں نے اسے مؤنث باندھا ہے

فکر و اندیشۂ جہانِ خراب
حسن کا نور لازوال نہیں
کچھ بھی تو یاں نہیں ہے پائیدار
نہ ہی خوشبوئے زلفِ عنبر بار
نہ ہی چشمِ ستارہ زا کی چمک
اک فسانہ ہیں جھوٹا بے بنیاد
دلکشی اور دل نوازی بھی

چھوڑ دو ان سے بھلا ہے کیا حاصل
اپنی فردوسِ نغمہ جاں میں
کیفِ تخلیق کے پروں پہ ہی
جامِ باقوس[۶] سے نہ لوں گا کام
مے تو جاتا ہے یہ اُڑا کے ہمیں
پھر وہیں لاکے پھینک دیتا ہے
سادہ و غیر مرئی و لطیف
اور فہم و شعور کی حد سے
ہے جہاں دائمی سرودِ حیات
تیری فردوسِ نغمۂ جاں میں

بھاری مایوسیوں کا ایک ہجوم
عشق کو بھی نہیں ثبات یہاں
نہ تو رنگینیٔ لب و رخسار
نہ تو دلداریٔ بتِ رعنا
عہد و پیمان و وفائے عشق کے بھی
اور محدود حسنِ رخشاں کی

خیر باتیں یہ دل دکھانے کی
بلبلِ خوش نوا نکل چل تو
اُڑ کے آؤں گا ساتھ ساتھ ترے
اوجِ سرشاریٔ خودی کے لئے
مستیٔ مے اُڑن کھٹولا ہے
پستیوں سے غمِ جہاں کی مگر
نغمۂ شعر کے پرِ پرواز
سدِّ راہِ دماغ سے اُٹھ کر
اُس بلندی پہ لے کے جاتے ہیں
اُڑ کے میں ان پروں پہ آؤں گا
برق رفتاریٔ تخیل دیکھ

حد ۶ یونانی دیو مالا میں شراب کا دیوتا BACCHAS

آ کبھی پہنچا ہوں پاس میں تیرے
تخت پر اپنے ملکۂ مہتاب
جلوہ گر ہے کمالِ شان کے ساتھ
ہیں پری زادیاں ستاروں کی
برگ پوشِ سرود میں تیرے
چاند تاروں کی کرنیں چھن چھن کر
اور کالی سی تیرہ راہوں کے
کنجِ خزلت میں جھلملاتی ہیں
ویسے کی ویسے رہتی ہے تمام
شب کے محفوظ صفحۂ ظلمت کا

رات کتنی حسین ہے کتنی لطیف
متبسم و خرم و شاداں
اور اس کے حضورِ پُر انوار میں
لیکن اے نغمہ سنجِ خوش آواز
روشنی کا گزر بس اتنا ہے
سبز تاریکیوں سے شاخوں کی
پیچ و خم سے نکل کے مشکل سے
تیرگی برگ پوش کی لیکن
نور اک حاشیہ ہے ہلکا سا

میرے قدموں میں کون سے پھول
نام ان کو کبھی دے نہیں سکتا
تیرہ شاخوں سے ہیں جو آویزاں
کر ہی لیتا ہوں ٹھیک ٹھیک قیاس
گھاس سے یہ نکل رہی ہے سوگند
سبزہ زار جو ہے وہ "ایگل ٹین"[1]
وہ بنفشہ[3] کے پھول کی ہے مہک

کچھ دکھائی مجھے نہیں دیتا
کھل رہے ہیں زمیں کے سبزے میں
نکہتیں نرم و نازک و پُر کیف
لیک نسبت سے لطفِ موسم کی
ہیں ہر اک بوئے پاک و شیریں کا
جھاڑیوں سے لپک رہی ہے وہ بُو
اور "ہاتھارن"[2] کی ہے یہ نکہت
اپنے پتوں میں جو چھپائے ہے منہ

۱؎ EGALTINE - ایک خاردار جھاڑی جس کے پھول سفید، گلابی یا سرخ ہوتے ہیں اور پھل گہرے سرخ رنگ کے ہوتے ہیں۔ ۲؎ HAWTHORN ۳؎ VIOLET

الوداع کہہ رہا ہے سرما کو
خرمیٔ آمدِ بہارِ چمن
یہ جو ہے بے نیازِ غازۂ رنگ
قطرے شبنم کے جس کی پتیوں پر
مست و شاداں ہیں میگسار مگس

ان گلابوں کے رنگ کا بھی خیال
من میں اٹھتا ہے بن کے موجِ نشاط
حسن و کیفِ بہار کا ساماں
لیے نغمۂ نشاطِ جہاں
انتشارِ سکوں سے ہے ہر جانب
ملتا ہے اس سکوں میں کیفِ حیات
تو میں محسوس کرتا ہوں کہ موت
بے خودی میں سکوں کی میں نے تجھے
جیسے اس سے مجھے محبت ہو
پاس اپنے مجھے بلایا ہے
گھڑی ٹھہری ہو تیری دادی کو
لے لو اپنے سکوں کے دامن میں
ایک کرب و نغمۂ گل کے ساتھ
ایک آکاش کی خموشی

اور ہاں یہ ہے مشکبوئے گلاب
یہ گلاب و مشکِ بیدا[1] سادہ و پاک
محض خوشبو کا دامنِ شیریں
بن رہے ہیں شرابِ ناب کے جام
اٹھ رہی ہے صدائے نادِ نوش
ساتھ ان نکہتوں کے اٹھتا ہے
اک ہجومِ جمالِ رنگ و بو
باندھ رکھا ہے یوں تصور میں
اور ایسے میں تیرے نغمے پر
میں ہمہ تن ہوں گوش بر آواز
کلیتاً اس میں بس رہا ہوں میں
مجھ پہ ہوتا ہے حال یہ طاری
ایسے ہی اک سکوں کی منزل ہے
بارہا پیار سے پکارا ہے
نغمۂ شعر کے مدھر رس سے
اور کہا ہے کہ زندگی کی مری
میرے خاموش بے صدا دم کو
اور پھر اس سکوت جذب دی کو
شب کا سناٹا جیسے ہوتا ہے

---

[1] مشک بیدا MUSK ROSE جو سفید ہوتا ہے۔

موت کا وقت آ گیا ہوگا
بڑھتے ہی جا رہا ہے عتوا تہر
درد کا ہے نہ غم کا ہے احساس
اور اس پر یہ نغمگی کی لَے
ڈوب جاتا ہے اس کدھر کے بیں

اور تو سوز سے الاپے گی
سن سکیں گے نہ اب تری آواز
مست و سرشار زندگی کا گیت
خاک میری تو روندی جائے گی
موت تیرے لئے نہیں۔ تو ہے
تیرا نغمہ ہے زندۂ و جاوید
سنتے آئے ہیں اس کو شاہ و گدا
وہ بھی شاید یہی ترانہ تھا
جب وہ یادِ وطن میں ڈوبی ہوئی
اپنے دردِ دروں کی شدّت سے
کہ سفر میں حیاتِ ارضی کے

آج کی رات سے بھلا بہتر
آج جب نغمۂ نشاطِ جاں
تیری آوازِ کیف ساماں سے
آج کا یہ سکونِ نیم شبی
موت اس وقت کی ہے کیفِ سرود
نعمتِ بے خودی و سرشاری
خاک ہو جائے گا یہ جسم مرا
مرثیہ میرا۔ لیک میرے کان
پھر مجھے بھول کر تو چھیڑے گی
جاوِدانی ترانۂ ہستی
اگلی نسلوں کے اندھے پاؤں تلے
روحِ آزاد و مطلق و کامل
جو ترانہ میں سن رہا ہوں آج
نسل در نسل بیتی صدیوں سے
"روتھ"[1] کے دل کو جس نے دی تسکین
اشک پردیس میں بہاتی تھی
ہے اسی کیفِ نغمہ کا اعجاز
جب تلاطم بسر سمندر بیں

---

[1] "روتھ" (RUTH) نام ہے اس غیر یہودی عورت کا جس نے یاوز (BAOZ) یہودی سے شادی کی تھی۔ اس کا لڑکا عوبید جو داؤد DAVID کا دادا تھا جس کے خاندان سے پیدا ہوا اور آگے چل کر یسوع مسیح CHRIST نے اسی خاندان میں جنم لیا۔

دُور کوسوں سکونِ ساحل سے
گھبرا اُٹھا ہے ہوں چاروں جانب سے
کھڑکیاں روشنی کی کھُلتی ہیں
اور کہیں نیں اُمید کی چھَن کر
نُور سے مالا مال کرتی ہیں
رہتی ہا ہے بحرِ زندگی میں رواں
اور تنہائیوں میں وسعت کی

اور منزل کے فاصلوں کا خیال
کھینچ کر پھر مجھے یہ لے آیا
اب نہ تو ہے نہ ہے ترا نغمہ
میں ہوں اور یہ سکوتِ تنہائی

الوداع نغمہ سنجِ مستیٔ جاں
تیرے نغمہ کدے میں آیا تھا
اپنا افسونِ خود فراموشی
جتنا سنتے ہیں اُتنا تیز نہیں
الوداع ہمنوائے خوش الحان
اے مغنیٔ سوز و سازِ حیات

نا اُمیدی کی تھپیڑا لہریں
گہری ظُلمت کی بن کے دیواریں
کف بلب سطح پہ سمندر کی
گوشے گوشے کو کشتیٔ دل کے
بے خطر اب حیات کی کشتی
گھر کے طوفاں کی ظلمتوں میں بھی
دُور کوسوں سکونِ ساحل سے
ہائے تنہائیوں کی وسعت کا
کیوں دلِ زار میں مرے اُٹھا
اپنی دا ماندگی کی خلوت میں
اے مغنیٔ سوز و سازِ حیات

الوداع ہمنوائے خوش الحان
جس تخیل کے میں پیروں پہ یہاں
سارا جادو اب اسی کا ٹوٹ گیا
سحرِ احساس یہ فریبِ خیال
رہ نہیں سکتا دیر تک قائم
اب نہ تو ہے نہ ہے ترا نغمہ
میں ہوں اور یہ سکوتِ تنہائی

ہوتے جاتے ہیں دھیرے مدھم
سبزہ زاروں سے آگے نکلے ہیں
اُٹھ گئے ہیں پہاڑ سے اوپر
گر وہیں جا کے سو رہے ہیں وہ

دکھ بھرے گیت کے مرے سُر بھی
اُڑتے جاتے ہیں دُور دُور بہت
کر گئے ہیں وہ پار ندی کے
اور اب آگے والی وادی کی

دل پہ چھائی ہے اک اُداسی کی دُھند
سوچتا ہوں کہ کیا حقیقت کی
یا کوئی زندہ خود شناسا سپنا
اور حیراں ہوں میں کہ کیا اب بھی

اب ہوں میں اور میری تنہائی
اور نطق و زباں پہ خاموشی
اک تجلی تھا نغمۂ بلبل
چھپ گیا ہے سکوت میں نغمہ
جاگتا ہوں کہ سو رہا ہوں میں

جوانی اور بڑھاپا

دامن ہے بھرا اُس کا ہر طرح کی خوشبو سے
اس عہدِ جوانی کی سرشاری و مستی کا
جب شوق کے شعلوں کی لو بجھنے کو آتی ہے
رہتی نہیں جب گرمیٔ احساس میں کچھ باقی

دنیا نہیں دے سکتی کوئی بھی بدل لیکن
چھن جاتی ہے جب ہم سے پیری کے اوائل میں
اور ہوتی ہے مدھم جب جذبات کی تابانی

چہرے ہی سے کچھ رنگت کافور نہیں ہوتی

اُڑ جاتی ہے دل سے بھی سب تازگی و فرحت
مرجاتے ہیں اُن کے دلِ رنگیں کے غنچے بھی

اس خونِ تمنا کو، بربادیٔ لذت کو
گم گشتہ جوانی کی طوفان زدہ کشتی کو
ٹکراتے ہیں وہ اکثر پوشیدہ چٹانوں سے
نفسانی تلاطم کے گردابِ تجاوز میں

جا سکتی نہیں اُن کی وہ کشتیٔ بوسیدہ.
کھو بیٹھتے ہیں اپنی منزل کے نشاں سارے
کر سکتے نہیں اپنے رستے کا تعین وہ
ہوتا ہے جمود اُن کے احساس پہ اب طاری
رد جوں کو بدل ڈالا ہے برف کے تودوں میں
ہوتی ہیں رگیں ٹھنڈی پر فانی ہیں آنکھیں بھی
بے جان سی ہوتی ہے آنکھوں میں چمک لیکن
دُکھ درد کا اور رنج کا احساس گیا۔ وہ تو

گفتار میں ہوتی ہے تیزی وہی پہلے سی
لہراتے ہوئے اُٹھتے ہیں قہقہے سینے سے

کچھ پھول ہی مرجھاتے نہیں اُن کے رخِ رنگیں کے

کچھ لوگ ہیں ایسے بھی جو مان نہیں پاتے
خوش فہمی سے دیتے ہیں خود اپنے کو وہ دھوکہ
لا سکتے تو ہیں لیکن لاتے نہیں ساحل پر
عصیان و جرائم کی سیل غرق وہ ہوتے ہیں

غرق ہونے سے بچ جائیں تو بھی کبھی ساحل تک
ہو جاتے ہیں ناکارہ آلاتِ سفر ان کے
اطراف کا بھی اُن کو کچھ ہوش نہیں رہتا
رہتے ہیں بھٹکتے ہی امواجِ تذبذب میں
لگتا ہے کہ سرد ہاتھوں نے موت کے اُن سب کے
سرچشمۂ ہمدردی۔ دل۔ ہوتا ہے یخ بستہ
خون شدتِ غمخواری سے بنتا نہیں موتی
ہو رقصِ شرر جس میں وہ نور نہیں ہوتا
ڈرتے ہیں تصور سے اپنے غم و حرماں کے
یہ لوگ بظاہر تو زندہ نظر آتے ہیں
اور چلتی ہیں پھلجھڑیاں ہونٹوں سے ظرافت کی
تفریحِ طبع ہوتی ہے رات گئے تک لیکن

تسکین مگر دل کو ہوتی ہی نہیں حاصل
اور نیند تو پہلے سی آنے ہی نہیں پاتی

پژمردہ طبیعت پر اک جھوٹا ملمع ہی
پھولوں سے لدی سرسبز۔ شاداب و تر و تازہ

اے کاش مجھے میری، وہ عہد جوانی کی
اے کاش کہ پھر اکبار دیتا اپنے کو میں سمجھونا

اک بار جگا دے پھر وہ سوز دروں جس سے
اور مجھکو ملے تسکیں حرماں زغم جاں میں
کھاری بھی ملے پانی تو لگتا ہے میٹھا سا

کچھ لطف نہیں آتا۔ کچھ چین نہیں ملتا

تفریح کے بے ساماں۔ یہ زندہ دلی کے رنگ
اک برج کے کھنڈر پہ سبز بیل چڑھی جیسے

اے کاش مرا احساس اک بار پھر ہو زندہ
اکبار مجھے پھر حاصل ہو شوق و سرشاری

لیکن یہ نہیں ممکن تو اے دل افسردہ
ہر حسرت و ہر ارماں آنکھوں سے مری ٹپکے
جیسے کسی صحرا میں درماندہ مسافر کو

جانِ جاں

پیش لفظ

اس نظم کے مرکزی خیال کی وضاحت کرتے ہوئے مسٹر سٹاپ فورڈ۔ اے۔ بُروک (STOPFORD A BROOKE) جنہوں نے گولڈن ٹریژیری سیریز (GOLDEN TREASURY SERIES) میں منظوماتِ شیلے (POEMS OF SHELLEY) کو مرتب کیا ہے اس کتاب کے نوٹس (NOTES) میں لکھتے ہیں :

"یونانی زبان میں "EPIPSYCHIDION" کوئی لفظ نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیلے نے اسے خود "EPIPSYCHE" سے اختراع کیا ہے۔ اس لفظ کے معنی ہیں "روح بالائے روح" یعنی وہ روح جو کسی دوسری روح کی ہمدرد و ہمساتھ ہو اور اس کی تکمیل کرے اور جو اس سے واصل ہونے کی متلاشی ہو۔

(میں نے اس لفظ کو "جانِ جاں"، "ہمروح" روحِ ثانی اور ہم آہنگ روحوں سے تعبیر کیا ہے)

...... جیسے دانتے (DANTE) کے اشعار میں کبھی تو محبوبہ بیتریچے (BEATRICE) کا ذکر ہے اور کبھی عشقِ مطلق اور کمالِ آگہی کا اسی طرح شیلے کبھی تو محض ایمیلیا (EMILIA) سے مخاطب ہوتا ہے اور کبھی اس روح سے جو اس کے جسم میں نہاں ہے ......

اس کا بیان مناسب طور پر بدلتا رہتا ہے۔ کبھی وہ مخصوص و محدود ہوتا ہے اور کبھی وہ جسمانی اور شخصی حدود سے نکل آتا ہے۔ آخر کار شیلے اپنی حقیقی محبوبہ

یعنی اپنے خیالات کی روحانیت اور یزدانیت کو پالیتا ہے۔

سوال اٹھتا ہے کہ شیلےؔ کا خطاب کس سے ہے؟ وہ حقیقت کیا ہے جس کا احساس اُسے ہوا۔ وہ روحانی لطافت کیا ہے جس سے حقیقت ہم آہنگ ہے؟

اس نظم میں شیلے اس لطیف حقیقت کی تلاش انسانی (عورت کے) وجود میں کرتا ہے۔ اس کا اشارہ مختلف عورتوں کی طرف ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

بسا اوقات وہ عشقِ مجازی کے جوش اور شدّت کا بیان کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس حقیقی صورت کو جو ابدی اور غیر فانی ہے بار بار انسانی وجود میں تلاش کرنے کی غلطی کا مرتکب ہوتا ہے۔

اس کی ارادی کوشش ہمیشہ یہی رہی ہے کہ جو روحانی تجلّی اسے نصیب ہوئی تھی اس کا ایک درخشاں نقش الفاظ میں اُتار لیا جائے۔ وہ تجلّی جو خود اس کی روحِ ثانی تھی جو اس کے آرزوؤں کی جان تھی جو معراجِ عشق و کمالِ حُسن کا مظہر تھی اور حکمتِ مطلق آگہی کا سرچشمہ...

لیکن حقیقتِ مطلق کو وجودِ مجاز میں تلاش کی یہی غلطی اس نظم کے حُسن کو دوبالا کرتی ہے اور اس کی عظمت کو بڑھاتی ہے۔ یہ عشقِ مجازی ہی کی لَو ہے جو محض عقلی تشبیہات اور تمثیلات کو شعلہ زار بنا دیتی ہے۔ یہ عشقِ مجازی ہی کا اعجاز ہے کہ یہ نظم فلسفہ کی بے جان نظریت بن کر نہیں رہ گئی مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ شیلے کا ایمیلیا (EMILIA) سے عشق علمی اور مثالی عشق تھا۔ اس کے بعد شیلے نے جس عشق کا بیان کیا وہ خود عورت کی ذات سے تھا نہ کہ اس کی روحانی لطافت سے۔ شیلےؔ نے خود کہا ہے کہ اس نظم کا خالق وہ شیلے ہے جو کبھی کا مر چکا ہے"

شیلےؔ نے خود اس نظم کے زیرِ عنوان نوٹ میں لکھا ہے کہ "اس نظم میں

شریف النفس عالی ظرف مگر بدنصیب خاتون" ایسلا دی وی آئی" سے خطاب ہے جسے ایک "کانونٹ" (CONVENT) میں محصور کر دیا گیا ہے۔

ساتھ ہی اپنے اس احساس کو کہ اس نظم کو کم ہی لوگ سمجھ سکیں گے اِن اشعار میں قلم بند کیا ہے:

تجھے ڈر ہے مری تخلیق ایسے لوگ کم ہوں گے — جو سمجھیں گے تجھے اور جو ترے معنی کو پائیں گے

ترا موضوع ہے ایسا سمجھنا جس کو مشکل ہے — تخیل کی بلندی کو تری پانا نہیں آساں

کہیں تو ہاتھ لگ جائے اگر کم ظرف لوگوں کے — نہ رکھتے ہوں جو تیری قدر کو پانے کی اہلیت

نہ ہو مضموں کی اہمیت سے تیری آگہی جن کو — ترے معنی کی وسعت سے نہ ہو جن کو شناسائی

تو اس کا غم نہ کرنا اب نہ لانا تو شکایت بھی — نشاطِ جاں کا میری تو مجسم عکسِ رنگیں ہے

خودی میں ڈوب کر رہنا ہمیشہ خرم و شاداں — جو ہیں نااہل اُن سے صاف اُنکے منہ پہ کہہ دینا

کہ جس فکر و نظر کی ہے رسائی تیرے معنی تک — وہ اُس فکر و نظر کے نور کی نعمت سے عاری ہیں

جلالِ حسن سے اپنے انہیں مرعوب کر دینا — کہ وہ بھی کہہ اُٹھیں کتنی حسین کتنی حسیں ہے تو

جانِ جاں (ف ۱)

نشاطِ ہستی و سرورِ حیات کی دیوی — شعورِ مستی و کیفِ وجود ذات ہے تو

تری نگاہِ کرم سے ہے زندگی شیریں — ترے تبسمِ لب سے منور و رنگیں

یہ دیکھتا ہوں مگر کیا کہ تیری آنکھوں میں — خوشی کی کوئی نہیں درد و غم کے آنسو ہیں

ف ۱۔ اس نظم کے کئی حصوں کو میں نے نہایت اختصار سے اردو میں منتقل کیا ہے۔

تڑپ رہی ہے اُدھر تو اِدھر ہوں میں بیکل
بس اختیار میں اب تو مرے یہی ہے کہ میں
ترے خیالِ مسلسل کی ایک مالا میں

ہزار حیف کہ تو اس قفس میں قید ہے آج
ہے تیرے نغموں میں اے بلبلِ سرودِ حیات
پگھل کے اشکوں کے بن جائیں بے بہا موتی
اُنہیں، ہو سوزِ ترنم کا کیوں کوئی احساس

سمجھ لے دستۂ گل تو مرا یہ ہدیۂ شعر
اگرچہ وقت نے چھینی ہے ان سے رنگینی
اگرچہ پتیاں پھولوں کی ہو رہی ہیں زرد
بکھر رہی ہے ابھی ان سے میری بوئے وفا
نہیں ہے خارِ ہوس ان کے ساتھ نذر اُن کو

بنی ہے تیرے لئے آپ ہی پہ پروانہ
جو بار بار سلاخوں سے جنگ کرتے ہیں
یہ جنگ جس میں بالآخر یہ بال و پر تیرے

مگر مٹا نہیں سکتا میں دردِ ہجراں کو
تجھے بٹھا کے عقیدت سے دل کے مندر میں
پرو کے یاد کے پھولوں کو تیری بھینٹ کروں
یہ تنگ و تار قفس جس میں دم یونہی گھٹ جائے
مگر یہاں کی فضا میں بھی تیرے نغمہ سرا
وہ برقِ سوزِ ترنم کہ پتھروں کے بھی دل
مگر لطافتِ نغمہ کو جانیں کیا صیاد
لطیف حس سے وہ عاری ہیں کان سے بہرے
گلوں کا قرب نہیں شاخِ گل پہ تجھ کو نصیب
جسے سجایا ہے کلیوں سے یاد کی تیری
ہیں اترے اترے سے چہرے مٹی مٹی رونق
ہے ان میں باقی ابھی میرے پیار کی نرمی
ہیں نرم و نازک و نکہت بدوش یہ کلیاں
لگائے سینے سے گر تو چبھن نہیں ہے کچھ

وجودِ جوہرِ شمع نگہ تیری روحِ پاک و لطیف
یہ پر اُلجھتے ہیں جو ہر گھڑی قفس سے ترے
یہ جنگ جو کہ لڑا کر ہے سعیٔ لاحاصل
نڈھال ہوتے چلے جا رہے ہیں زخموں سے

یہ بال و پر جنہیں بخشا وجودِ نورانی

شفق کی سرخی میں لپٹا ہوا یہ نور و جمال
یہ دیکھ دیکھ کے روتا ہوں خون کے آنسو میں
جو کام آئے ترے جان تک کروں قرباں ٭

حصارِ قید میں تیری خراب حالت کا
کہ تو تو حسنِ ازل کا ہے اک شرارۂ تاب

حسیں خیالوں نے جذباتِ پاک تھے
یہ زخم خوردہ پر و بال و جسمِ خوں آلود
قفس کے ظلم و ستم سے نڈھال جان کرم
جو مجھ سے ہو سکے کچھ تو میں کیا نہ کر گزروں
مگر میں کچھ نہیں کر سکتا ایسا بے بسی ہوں
میں سوچتا ہوں کہ باندھا ہے میں نے جو نقشہ
کہیں وہ میرے تخیل کی ہی نہ ہو تخلیق
جو ڈھیرِ درد صعوبت میں گھر نہیں سکتا ٭٭

تو میری روح کا عکسِ منور و رنگیں
ہے جس پہ بار سا اک یہ لباسِ انسانی
ترا سراپا ہے نقشِ جلالِ حسنِ ازل
جڑے ہیں جس میں محبت کے جاوداں موتی
جمالِ ہستی کے انوار کا ہے آئینہ

تجھے تجھ سے چراغوں کی ایک دنیا ہے

تو جلوہ گر ہے مرے سامنے مری محبوب عـ۲
جمال و نور کی تخلیق نازک اور لطیف
ایسا نہیں تو حور بھی نہیں ہے تو
بقائے زیست نے اوڑھی ردائے رنگِ مجاز
یہ نرم و نازک و تابندہ مرمریں قالب
سرشتِ عرشی ہے صورت تری ہے ملکوتی
یہ کائنات یہ ایں مہر و مہ کا کہکشاں
ترے جمال سے ملتی ہے جس کو تابانی

٭ یہ مصرعے میں نے شیلے کے پہلے اور دوسرے بند میں تسلسل پیدا کرنے کے لئے بڑھا دیئے ہیں
عـ۲ شیلے نے اپنی نظم میں محبوب سے کبھی تو خطاب کیا ہے اور کبھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے میں نے اس "تو" اور "وہ" کی تکرار سے بچنے کے لئے تمام نظم میں محبوب کو مخاطب تصور کیا ہے۔

ہے رنگ پردۂ حسنِ شہود کے پیچھے
ہو ہلکے ہلکے ڈھلے بادلوں میں جیسے رواں
ستارہ یا کوئی طوفان کے اندھیرے میں

ہے اُن میں جان مگر ارتعاشِ روح نہیں
لطافت اُن میں نہیں وہ جو منعکس کرے
ہے جلوہ گاہِ حسیں، اِن تجلیات کی تو
جمال و نورِ مجسّم ہیں تیری صورت میں

تو ہے مصوّرِ فطرت کے فن کی خوش رنگی
چمک کے ہوتا ہے رنگیں سے اور بھی رنگیں
حباب آفتاب کی کرنوں سے جگمگاتی ہے

حسین و پاک و طہور جو اُٹھتے ہیں جذبات
جنہیں میں تیری محبت کا نام دیتا ہوں
یہ پیار اُن کی نظر میں ہے خطرناک ہوس
میں مطلقاً ہوں نرا کلیتاً ہوں میں تیرا
در اصل تجھ سے جدا تھا نہ ہوں نہ ہونگا جدا
تو "میں" تھا ہے اور میں تو ہوں یہی محبت ہے

ترے جمالِ جہاں تاب ہی کا نورِ جلال
بکھیرتا ہوا انوار چودھویں کا چاند
لٹاتے نور کا دیتا ہو بار بار پیام
نظر سے گذری ہیں جتنی بھی صورتیں میری
رواں دواں ہیں اگرچہ یہ خاک کے پتلے
جمالِ ذات کے رنگین و پاک جلووں کو
ہے تجھ شہود کا اعجاز، حسن کا حل تو
کسے ہے تاب نظر کسی کو تاب دیدِ جمال
تو ہے ترانۂ تخلیق کی ہم آہنگی
تو آئینہ ہے وہ جس میں جمال جلووں کا
حسیں سے ہوتی ہے جیسے حسین تر ہر شے

جو دیکھ کر تجھے ہوتی ہے کیفیت دل کی
جو پیدا ہوتے ہیں شیریں و نغمہ زا احساس
جہاں والے سمجھنے سے اُس کو ہیں قاصر
مگر نہیں ہے محبت یہ محض جسمانی
بسا ہوں تجھ ہی میں میں سر بسر مری محبوب
ہوئی ہیں حسنِ ازل کی شعاعیں دو یکجا
یہ پاک جذبہ ہے خالق تمام رشتوں کا

حسنِ ازل

اسی کی صورتیں ہیں سب تعلقاتِ جہاں
اسی کی ایک تجلّی ہے دوستی سچّی
چھپی نہ رہتی حقیقت تری نظر سے مری
اور اپنے آپ کو کر دیتا میں ترے ارپن

میں دیکھتا ہوں کہ دل کتنا صاف ہے تیرا
جو دیکھتا ہے تجھے سو دعائیں دیتا ہے
ترے وجود میں لطف و کرم ہے جلوہ فگن
تو ہی ہے مخزنِ سرمستی و سرورِ حیات
جہاں کے رنج و الم جس میں ڈوب جاتے ہیں
تمام ظلمتیں غصّہ و رحم کی ہٹتی ہیں
جہانِ زیست کے سب شور و غل پہ حاوی ہیں

جو اپنے نور میں غلطاں ہے واحد و تنہا
نشان ہے تری عظمت کا تیری تنہائی
دلِ زمانہ میں تو سرخوشی و سرشاری
لگا کے ہونٹوں سے کرتے ہیں پیدا نغمۂ جاں
دلِ دو عالم کی وسعت میں پھیل جاتی ہے
نہیں ہے مجھ سے ترے حسن کا بیاں ممکن

اسی کی موہنی صورت ہے بھائی بہن کا پیار
تو ہوتی اور کسی شکل میں عیاں تو بھی
تجھے میں لیتا ہی پہچان، نور کی دیوی

ترے خلوص نے آئینے کی جلا پائی
یہاں پھٹک نہیں پاتا ریا کا سایہ تک
نظر ہو جس پہ تری اس پہ ہوتی ہے برکت
نشاطِ روح کا سرچشمہ نہاں ہے تو
تجھی سے اٹھتی ہیں موجیں سرودِ ہستی کی
تو وہ تبسمِ رنگیں ہے جس کی کرنوں سے
وہ سوز و ساز ہے تو جس کی نغمہ زا لہریں

تو آسماں کی بلندی پہ وہ ستارہ ہے
اندھیرے دنیا کے جس کی جھلک سے کانپتے ہیں
بسی ہے رونقِ ہستی اسی کے دامن میں
تو ہے وہ بنسی جسے کیفِ عشق و سرمستی
وہ نغمہ جس کے سہارے مسرتِ ابدی
گناتا جاؤں کہاں تک حسین تشبیہات
یہ اس حقیقتِ رنگیں کے سب اشارے ہیں

خیالِ محبوب

جو بن کے روپ ترا بس گئی ہے آنکھوں میں
ترا ہی ذکر ہمیشہ زباں پہ رہتا ہے
اسی سے ہوتی ہے اکساب بے خودی مجھے حاصل
اسی سے روح میں کھلتا ہے ایک باغِ نشاط
نکال کر تو مجھے رات کے اندھیروں سے
مری حیات کی خوابیدہ خشک لہروں کو
کیا ہے واقفِ طوفانِ رنگ و بو تو نے
عطا کیا مجھے تو نے نشاطِ زیست کا راز
میں کیا ہوں۔ ذکر ترا۔ تیری یاد۔ تیرا خیال

ترا خیال۔ تری یاد زندگی ہے مری
اسی سے ملتا ہے میری انا کا سب احساس
اسی سے کیف سرورِ حیات ملتا ہے
تو خود ہی لائی ہے مجھ کو فنا کی وسعت تک
ہے لائی صبح کی نورانیوں کے دامن میں
بہارِ زلفِ عنبریں سے گرما کر
غمِ جہاں کو غمِ عشق میں بدل کر کے
تجھی نے مجھ کو دیا ہے سکونِ قلب و جگر

اگر کوئی دفعتاً لمحہ بھر کو رک جائے
لطیف تر ہے کہیں اس سے بھی وجود ترا

ہوا میں بجلی کی تیزی سے جاتے جاتے ہرن
تو اس کا جسم لطافت کا ہوگا نقشِ حسین

[illegible]

ہوا خموش ہوا اور رات کا ہو سناٹا
جڑے ہوں لاکھوں ستاروں کے بے بہا موتی
وہ چاندنی جو فلک سے اترتی ہو جیسے کہ
وضو کراتے ہیں غنچوں کو پاک شبنم سے
وہ نورِ پاک جو عریاں ہو لمحہ بھر کو بھی

بہار کی ہو فضا صاف اور نکھری ہوئی
اور آسمان کی شفاف نیلی چادر میں
چھپی ہو چاندنی میں جن کی خیرہ چشم چمک
ان ہلکے ہلکے بخارات سے جو صبح کے وقت
اسی طرح سے جھلکتا ہے جسم سے تیرے
تو شعلہ بن کے بھڑک اٹھے شوقِ دیدۂ بشر
لبوں سے اٹھتی ہے تیرے وہ موجِ خاموشی

جو میری روح میں بنتی ہے نغمۂ سیال
ہے کیف جسد کے سروں میں شراب کہنہ کا
وہ کیف ملتا ہے جو روح کو سمادھی میں
وہ کیف بنتا ہے طوفان جو محبت کا

ہے منعکس یہاں حسنِ ازل کی سب رونق
نشاطِ زیست کی لہریں یہاں درخشاں ہیں
نہ عقل و ہوش و حواس و شعور کی نظریں

نبائے زیست ہے۔ پیدا اسی سے ہے حرکت
ترے ہی دم سے حرارت حیات کی پائی
ترے تبسمِ رنگیں سے ہے بہارِ وجود

ترے وجود میں ان کا ہے امتزاجِ حسیں
وہ انتشار کہ جس سے ظہورِ ہستی ہے
تری تجلی کا اعجاز ہے کہ غیب و نمود
کہ مجھ کو ان کا یک دقت ہو گیا احساس

اک ارتعاشِ مسلسل ہے ارضِ امکاں میں

ہے جس کی نے میں لبسی انگبیں کی شیرینی
وہ کیف خواہشیں ہوتی ہیں غرقِ حب جس میں
وہ کیف بڑھ کے جو ہوتا ہے کائناتِ عشق

ہے نور آنکھوں میں تیری جمالِ فطرت کا
ہیں رقص و وجد میں روحیں یہاں ستاروں کی
وہ آفتابی شعاعیں جنہیں نہ دیدۂ شکمہ
سنبھال سکتی ہیں دامانِ تنگ میں اپنے
جمالِ دلنواز کی دلبری کا ہے تو۔ جلال ترا
کثیف مادۂ ہستی کے مردہ قالب میں
خلائے زیست کی بے جان وسعت نے
تری نگاہِ غلط سے ظہورِ عشق و جنون
یہ موجیں زیست کی حرکت و نورِ عشق و جمال
یہ منتشر کبھی ہیں اور مجتمع کبھی ایک ہی ساتھ
وہ اجتماع کہ لیا ہے جہاں سب بکھری ہیں
ہو گئے ہیں تیرے سراپے میں آکے یوں یکجا

وہ واحد اور ہمہ جائی حسنِ حسیں کا ظہور
وہ ارتعاشِ خفی جس سے وجد رقص میں ہے

اک ایک ذرہ جہانِ شعورِ ہستی کا
وہ رنگ جس سے بہارِ چمن عبارت ہے
جھلک لطیف اُسی کی ہے انگلیوں میں تری
وہ موجِ خوں جو لئے ہے شفق کا شعلۂ رنگ

تمام ہستی پہ امکاں میں پھیل جاتی ہیں
جو کیفیات ہیں ساری کہ جس سے قائم ہے
ہے نورِ حسن کا نظر سوزِ دلنوازِ خیال

نفس نفس ہے معطر ترا - تری زلفیں
کوئی جو زلف پریشاں ہوئی کہیں تو صبا

ہوئی ہے روح معطر کچھ اس طرح میری
کلی کے سینے کو دیتی ہے جس طرح گرما
چمن کا دامنِ رنگیں مہکنے لگتا ہے
یہ دل نواز یہ شیریں و کیف زا نکہت
نہیں ہے قدرتِ شاعر کو اُس کی کوئی خبر

مگر سرشت میں تیری صفاتِ یزدانی

وہ ارتعاش ہے جس سے نمودِ رنگِ جمال
اُسی کا عکسِ منور ہے تیرے عارض میں
تری رگوں میں رواں ہے وہ موجِ خوں بن کر

ترے وجود سے اُٹھ کر نشاط کی موجیں
اور اُس جمالِ ازل سے وہ ہوتی ہیں واصل
نظامِ دہر کا یہ سلسلۂ دور و دراز
نشان ملتا ہے جس کا وجود سے تیرے
ہیں تیرے جسم میں خوشبوئیں سو بہاروں کی
ہیں مشکبار فضائے جمال میں تیری
چمن میں سر خوشی و مدہوشی ہو کے چلتی ہے
دل و دماغ پہ میرے کبھی چھائی ہے خوشبو
شعاعِ مہر پگھل کر بصورتِ شبنم
اور اُس کی اُٹھتی جوانی کی تازہ خوشبو سے
بسی ہے جان مری نکہت میں قرب کی تیرے
یہ روحِ تازگی یہ جانِ تو بہارِ حیات
اسی سے زندگی لیکن ہے عنبر بیز تری
تو سامنے ہے ترا جسم جسمِ انسانی
تو عکسِ حسنِ ازل ہے تو نورِ سر تا پا

جلالِ عرش کا اُترا ہے تیری صورت میں
تجھی سے پیدا ہے جاریٔ حیات کی حرکت
خزاں کا ہو نہیں سکتا گزر جہاں تو ہے
تری ہی موجِ تبسم سے رنگ و بوئے حیات
تو ہے وہ نورِ حقیقت نظر میں جو میری
فضائے عالمِ بالا کی چاندنی ہے تو
کشش سے تیری ہی اُٹھتی ہیں بحرِ ہستی میں
نصیب ہوتی ہے امواجِ پست و شکست کو بھی

کہ اک قدم چلوں واپس تو موت ہے میری
یہ تو ہی جانے مجھے تو بس اتنا ہے معلوم
ملی ہے تیری نظر سے نظر، یہ پایا ہے
یہاں تو حسنِ مساوات کی حقیقت ہے
بلندیوں پہ پہنچتا ہے آسمانوں کی
تو امتیازِ من و تو کوئی نہیں رہتا

جہاں کے رشتوں میں رشتہ نہیں کوئی اپنا
ہماری راہیں ملیں اور مل کے چھٹ ہوں جدا
میں سوچتا ہوں کہ لازم تھا مجھکو جو حد تک

سرورِ مسرت ہے تو جاوداں محبت ہے
ترے ہی دم سے ہے احساسِ زندگی و بقا
نہ موت پاس پھٹک سکتی ہے کبھی تیرے
ترا ہی اخگرِ مسرت ہے نورِ مہرِ بقا
سنہری خواب کا لگتا ہے اک حسین پیکر تو
لطیف گہنوں تلے تیری پیار پلتا ہے
نشاطِ روح کی بے باک و جاوداں لہریں
وہ سر بلندی و تیزی کہ اُٹھتے ہیں طوفاں
ترے خیال میں پہنچا ہوں کس مقام پہ میں
میں کیا تھا تیری محبت نے کیا بنا ڈالا
تو سامنے ہے تجھے دیکھ کر میں زندہ ہوں
کہ فرقِ اعلیٰ و ادنیٰ نہیں محبت میں
یہاں تو کرمکِ ناچیز خاک سے اُٹھ کر
نمازِ عشق میں ہوتی ہے روح جب بے خود
زمیں کی پستیاں ملتی ہیں عرش سے جا کر
میں ہوں ترا تجھے اپنا مگر نہیں سکتا
نصیب میں کہیں لکھا ہے کیا ہمارے بھی
میں دیکھتا ہوں کہ امکاں نہیں تجھے پانا
مقامِ پاک و منور پہ اک بٹھا کے تجھے

میں کرتا عالمِ ارواح میں تری پوجا
اور اپنے آپ کو تیرے سپرد کر دیتا

تو اس طرح مجھے شاید قبول کر لیتی
مگر کہاں تھی یہ قسمت بس اب تو پیار ترا

دل و جگر میں لیے ہوں اور اپنی آنکھوں میں
ترے جمال کا نقشِ حسیں بسائے ہوں

ابھی تو فاصلے ہیں درمیاں ہمارے کئی

جہاں میں سازِ حقیقت کے ہم وہ دو سُر ہیں
جو مختلف ہیں مگر اُن میں ہے ہم آہنگی.

جو مل کے کرتے ہیں پیدا وہ نغمۂ دلکش کہ جسے
خوشی سے رقص میں آتی ہے روح ہستی کی

ہوائیں ناچتے ہیں جیسے جھوم کر پتے
زمانہ کہتا ہے مجھ سے تجھے محبت کا

نہیں ہے کوئی بھی حق کہنے دو زمانے کو
مری نگاہ میں محبت نہیں ہے قیدِ نظر

عشق و وسعتِ قلب و جگر و وسعتِ نظر

جہاں میں حسن کی رنگینیاں ہیں ہر جانب
نظر نظر نہیں ناچے نہ اِن کو دیکھ کے جو

نہیں وہ زندہ جو دل ان سے فیض یاب نہ ہو
ہے عشق وسعتِ قلب و جگر و وسعتِ نظر

دھڑکتا ہے پیار کہ بانٹو تو کم نہیں ہوتا
یہ کھیلتا ہے تو ہوتا ہے اور روح نواز

ہماری فکر و نظر کا یہی تو ہے اعجاز
دمکتا ہے تو وہ ہوتی ہے اور بھی روشن

بس ایک ہی تو نہیں رخ یہاں حقیقت کا
انیک صورتیں اس کی انیک اس کے رنگ

ہزار شیشوں کا آئینہ خانہ ہے دنیا
قیاس و وہم و تخیل کے روپ ہیں لاکھوں

یہی ہے شانِ جہانِ نمو کے جلووں کی
اسے جو دیکھ سکے صاحبِ نظر ہے وہی

جو پیار کر سکے اس سے وہی ہے صاحبِ دل
نہیں تو آدمی ہے تنگ دل و تنگ نظر

نشاط و غم

نشاط و غم ہیں جہاں کے یہی ہے آخر فرق

کہ غم تو فانی ہے لیکن نشاط ہے ابدی
یہ فرق نیک و بد و خوب و زشت و نیز و بد

یہ فرق بھی ہے فقط فرق نور و ظلمت کا
تمام ظلمتیں مٹتی ہیں آخرش. لیکن

تجلیاں ہیں ہمیشہ عروج پر اپنے
ہیں بے شمار یہ مانا کہ فکر کے عنواں
مگر یہ فکر کے جلوے یہ رخ محبت کے
یہ جزو کل ہے نہیں کل سے کم کسی صورت
یہ جزو کل سے زیادہ دکھائی دیتے ہیں
یہی ہے اصلِ "ہمہ او" یہی "انا الحق" ہے
خودی کا جلوہ تجلیِ صفاتِ باری کی
کہ کائنات پہ حاوی ہے اک اٹل قانون
حصولِ جنتِ فردا کی آس میں ہر دم

تو وہ کبھی ہوئی پوری جو ہوتی آئی ہے
وہ دن شباب کے کیا دن تھے روشن و رنگیں
صدائیں نغموں کی کانوں میں گونجتی تھیں مرے
مری تخیلِ رنگیں پہ ان دنوں اکثر
انھوں اڑانوں میں دیتی تھی روح کو جلوہ

رہی تھی عینِ جوانی کی تیز دھوپ میں بھی
وہی تھی یاد کی چھاؤں میں نغمہ گستاں

بشر کی فکر بھی اک نور ہے محبت بھی
ہے جلوہ بارِ محبت ہزار شکلوں میں
سبھی یہ نورِ احد کی شعاعیں ہیں عملاً
ہر ایک کل کے برابر ہے۔ بلکہ دیکھیں
یہی ہے رازِ حقیقت یہی ہے سرِ حیات
اسی مقام سے پلتے ہیں عارف و سالک
یہیں سے عاقل و دانا یہ دیکھ پاتے ہیں
ہے جد و جہدِ مسلسل میں مبتلا ہر شخص
نجات ملتی ہے اس سے تو بس محبت سے
مری دریچۂ محبت میں تو ہوئی داخل
مری جوانی کے ایام سے تجھے محسوس
نظر میں رہتے تھے میری حسین نظارے
مشامِ جاں میں تھیں خوشبوئیں سو بہاروں کی
اڑانیں ہوتی تھیں دور دراز ملک پری
جمال و نور کی اک صورتِ لطیف و حسیں

سنہری نور میں صبحِ شباب کے تھی وہی
وہی خیال کے ہر رنگ میں تھی جلوہ فروز
بلند چوٹیوں پہ تھی وہی تخیل کی

وہی تھی فکر کی گہرائیوں کے دامن میں
وہی تھی خواب کے پردوں کی چاندنی میں بھی
ہوا کے گیتوں میں چشموں کی سرسراہٹ میں

سریلے میٹھے ترانوں میں سب پرندوں کے
چٹک میں غنچوں کی، بادِ صبا کی آمد میں
سکوتِ کوہ میں سرگوشیوں میں جنگل کی
ہوا سے ہلکے قدم اپنے رکھ کے چلتی تھی
کہ دیکھتے ہوئے بھی وہ نظر نہ آتی تھی
سدا وہ ہنستی تھی تنہائیوں میں میرے قریب
سرورِ دل کو ملا، روح کو نشاط ملی

کچھ اس طرح وہ بسی تھی کہ بس وہی وہ تھی
غزل کے شعر سے افسانۂ محبت سے
اُسی کا جلوہ درخشاں ہر ایک صورت میں
یہ زندگی کہ جہنم بدوش تھی لیکن تو
وجود اس کا حقیقت کی تھی ہم آہنگی
خیال سے ہوئی اُس کے حیات جنت تھی
وہ ایک شمعِ فروزاں تھی عشق کے شعلے سے

وہ بیٹھی نیند کی بے خواب بے خودی میں تھی
اُسی کا روپ تھا فطرت کے شاہکاروں میں
سرودِ آبِ رواں میں نوائے باراں میں

سروں میں نغموں کے، خاموشیوں کے پردوں میں
سُنائی دیتی تھی اسی ہی کی نغمہ زا آواز
شفاف فرش پہ تاروں کی روشنی کے وہ
جلالِ حسن میں ملبوس تھی وہ کچھ ایسے
وجود اس کا حقیقی تھا لیک میرے لیے
نہ اس کی اصل کو میں پا سکا مگر اُس سے
عطا ہوا مری آنکھوں کو کیفِ نظارہ

مری نظر میں مرے دل میں جان میں میری
اُسی کی موہنی صورت اُبھرتی اُٹھتی تھی
اُسی کی نغمگی تھی ہر صدائے شیریں میں
ہر ایک نقشِ حسیں میں اُسی کا رنگِ جمال
اُسی کے جلوے نے جنت بنا دیا اسی کو
وہ روح فلسفہ تھی زندگی کا راز تھی وہ
اُسی کے نور سے روشن مرا شعور ہوا
شرارہ بن کے ملا چاہتی تھی میری حیات
نہ پاسکا اُسے لیکن شبابِ آتش پا

بدل سکا نہ میں اس "خواب" کو "حقیقت" میں
نہ اصلِ زیست کو رنگِ مجاز دے پایا
نہ کر سکا میں مجسّم لطیف جلوؤں کو
دعائیں کام نہ آئیں مرے نہ اشکِ خوں
سپرد کر نہ سکا اپنے آپ کو اس کے
پہنچ سکا نہ میں پروانہ وار شعلے تک
وہ دور ہوتا گیا اور دور ہوتا گیا
وہ اک سیارے پہ اور رنگِ نور پہ بیٹھی
مجھے دکھائی دی "حدِ نظر" سے جاتی ہوئی
سیارہ کیا تھا وہ تھا ایک کرۂ آتش
جیسے لگے ہوتے تھے برق جو ہر سوز کے پر
میں جتنا چاہتا اس کے قریب جا پہنچوں
وہ آگئی پنکھ اسے اتنا دور لے جاتے
وہ میرے دیکھتے ہی دیکھتے ہوئی غائب
اندھیرا چھا گیا آنکھوں پہ میری، میرا شباب
غمِ حیات کی تاریکیوں میں ڈوب گیا
یہ جی میں آیا کہ بس ترک کر کے اپنا جسم
پھلانگ جاؤں میں اس موت کے اندھیرے سے
ملا دوں حسن کے شعلے سے شعلۂ جاں کو

صدائے غیب مگر دفعتاً مجھے آئی
"غلط نہ سوچ نہیں راہِ مرگ راہِ وصال
یہ بزدلی ہے جہالت ہے اور کم نگہی
ہے جستجو تجھے جس کی وہ پیکرِ ازلی
سدا ہے پاس ترے تو ذرا نظر تو اٹھا"
سکوت چھا گیا سب کائنات پر یکسر
بس ایک میں تھا اور اک میرے دل کی دھڑکن تھی
جو خامشی سے فضا کی یہ پوچھتی تھی سوال
کہاں ہے کچھ تو بتاؤ وہ جانِ جاں ہے کہاں

ملا نہ ملتا تھا اس سے مگر جواب کوئی
حضورِ غم میں نہ جانے دعائیں کیں کتنی
ہوئی نہ ایک بھی لیکن قبول میری دعا
میں بے بسی کی طرف اپنی کر کے ان کو رجوع
اور اس پہ واسطہ دیکر خود اُن کی طاقت کا

صدائیں دیتا تھا تقدیر کے خداؤں کو
ذرا بھی رحم نہ آیا ستمگرا نہیں مجھ پہ
نہ میں بھلا ہی سکا اس کو بس رہی تھی جو
وفورِ غم سے نہ مٹ پایا اس کا نقشِ حسیں
مری وہ دنیا جو آباد اس کے حُسن سے تھی
خیال تیرا درخشاں رہا الم میں بھی
تجھے آنکھیں مری آنسو کبھی اور جلوے بھی

جو دل میں تھا میں اُسے ڈھونڈنے لگا باہر
جمال ہے جو سراپا جو نور ہے یکسر
یہ چاہتا تھا مقابل میں لا کے اپنا لوں
اُمیدِ وصل لئے دل میں بیمِ جاں کے ساتھ
نِکل پڑا تنِ تنہا تلاش میں اس کی
قدم مرے کبھی پڑتے تھے تیز سُست کبھی
کبھی یہ ہوتا تھا محسوس منزل آ پہنچی

اسی اس آس میں کہ کسی میں کہیں نظر آجائے
میں دیکھتا گیا ہر صورتِ حسیں جو تجھے

بہت ستایا اُنہیں نام اُن کا لے لے کر
نہ آئی ظلمتِ غم میں مرے کمی کچھ بھی
مرے خیالوں میں میری نظر میں دل میں مرے
وہ نقشِ حُسنِ ازل جس کو پوجتا تھا میں
اُسی طرح رہی قائم منور و رنگیں
جگر میں درد تھا دل میں نشاط کی موجیں

پیامِ غیب کے معنی کو میں سمجھا تھا
نہ روپ ہے کوئی جس کا نہ جس کا نام کوئی
میں اس حقیقتِ ازلی کو دے کے رنگِ مجاز
نظر میں اپنی لبھائے وہ جو بنی صورت
ہزاروں دھوکوں کا بارِ جاں کشتی پر
میں دشتِ زیست کے انجانے رستوں پر
کبھی تلاش یہ لگتی تھی سعیٔ لاحاصل

میں گرتا پڑتا بھٹکتا سنبھلتا چلتا گیا
جھلک تجھے مری گم گشتہ نور پیکر کی
جنونِ دشت نوردی کے راستوں میں ملی +

+ اس سے آگے کے تین چار بند میں نے نہایت اختصار کے ساتھ نقل کئے ہیں ان میں شیلے [illegible] اور دوسرے رازوں کے ساتھ اپنے تعلقات کا اشارتاً ذکر کیا ہے۔

مری نظر نے جو دھوکا دیا مجھے اک بار
میں ہمسفر بہم ہوا اور اس کے ہو لیا ہمراہ
گھلی جو زہر رنگ دیکھ تو ہوا معلوم
سنبھل کے اب لگا چلنے میں راہ پر اپنی
جمال اُن کا نہ آنکھوں میں بچ سکا میری
مگر یہ روح کا نکلا نہ روح سے رشتہ
نظر نہ آیا مجھے اس جمالِ فانی میں
یقیں جو شوق پہ اپنے تھا وہ بھی ٹٹنے لگا
مرا شعور بغاوت کا دے رہا تھا سبق
جو زخم خوردہ ہوا دل تھک کے سو رہا ہو نڈھال
مقابلے کے لئے اپنے دشمنِ جاں سے
تباہ کر کے ہی چھوڑے گا جان لے گا
یہ ہو رہے تھے مرے واسطے عذابِ جاں
اُبھر رہا تھا کف سے جب میرے چھوٹی جاتی تھی
نگاہِ شوق کے جلوے تھے منعکس جس میں
وہ زندگی میں مری آئی چاندنی کی طرح
تبسم اس کا ہر اک شے کو کر گیا رنگیں
وہ سب کی سب ظلمتیں نورِ شباب سے اُسکے
کہ نیم خوابی کی حالت میں جی رہا تھا میں

تو ایک زہر صفت کو سمجھ کے قند صفت
شباب نے مرے پی زہر بے خبر ہو کر
کہ راستے میں ہزار سود کے بھٹک گیا ہوں میں
حسین صورتیں آئیں بہت نظر لیکن
وفا کا رنگ بھی اُن میں مجھے دکھائی دیا
مجھے تلاش تھی جس حسنِ پائیدار کی وہ
میں جستجو کے حاصل سے ہو گیا مایوس
تھکا تھکا تھا قدم ڈگمگا رہے تھے مرے
مرے دماغ کی حالت تھی اس ہرن کی طرح
پلٹ کے جو کھڑا ہو جائے سینگھ تانے ہوئے
مجھے لگا کہ مرا شوقِ جستجو مجھ کو
میں اپنے شوق و تخیل سے چاہتا تھا نجات
دل و دماغ کی جب ہو رہی تھی یہ حالت
تو ایک صورتِ رنگیں مجھے پھر آئی نظر
اسے جو پایا تو تسکین ہوئی مجھے حاصل
فضا میں حسن بکھرتا گیا جہاں وہ چلی
جو ظلمتیں مجھے درد و الم کی گھیرے تھیں
کچھ ایسا حسن میں اس مہ جبیں کے تھا جادو
حیات و موت کے اک درمیانی خطے میں

یہ چاندنی کبھی پورن کی چاندنی ہوتی
تھی پُر سکون و حسیں جس سے زندگی میری
شعاعِ مہرِ خودی سوز مل سکی نہ مجھے
میں بن کے رہ گیا بس ایک گوہرِ نایاب

اک حشر خیز نیا شوقِ دید کا طوفاں
ہُوا خضا میں نمودار اک شہاب نیا
اُمیدّ و بیم کی کشتی تھپیڑے کھانے لگی
دفائیں میری رفیقہ کی ۔ مسکراتی رہیں

اٹھی تھی دفعتاً جو دفعتاً وہ بجھ بھی گئی
مری رگوں میں اُتر آئی موت کی سردی
وہ جلوہ جس کے لیے میں نے غم اُٹھائے تھے
وہ نورِ ہند کے مجسّم ترے سراپے میں
قدم قدم تھی ترے صبح کی درخشانی
ترے جمال سے خاکِ زمیں ہوئی رنگیں

خرام کرتی تبسّم کناں بہار آ ئی
مری مری ہوئی بے برگ و بار شاخوں میں

کبھی ہلال کی ہلکی سی روشنی کی لکیر
مگر یہ زندگی میری ہوئی نہ شعلہ بار
نہ آفتاب ہوا اُڑ کے قطرۂ شبنم
جو تو ریا نش تھا خزگانِ زندگانی پر
میں خواب میں تھا مگر خواب ہی میں پھر اُٹھا
گہن میں آ گیا جس سے مری حیات کا چاند
کشش سے جس کی مری زندگی کے ساگر میں
گہن میں آئے ہوئے چاند کی مگر کرنیں

بھڑکنی آگ مگر آتشیں سیارے کی
میں ایک بار اندھیروں میں گھر گیا پھر سے
ہوا نہ ختم مگر کچھ یہاں فسانۂ غم
بھٹک بھٹک بھی گیا تھا تلاش میں جس کی
پھر ایک بار نظر آیا دشتِ ظلمت میں
ترے وجود سے پھر زندگی چمک اُٹھی
فضائے زیست ترے دم سے مشکبار ہوئی
خزاں رسیدہ چمن میں حیات کے پھر سے
اُٹھائے دوش پہ انبار نور و نکہت و رنگ
پھر ایک بار نئی زندگی کی لہر اُٹھی

گلوں کے بچھ گئے قدموں میں میرے کاہکشاں
یہ پھول اور یہ کلیاں شگفتہ اور تازہ
تھے یوں لطیف و معطر و نرم و نازک کہ
ترے نفس کی روانی کا نغمۂ شیریں
سکوں بدوش، یہ جان ترانۂ ہستی
کہ تند و تیز ہوائیں بھی ہو گئیں خاموش
جو مشکبار ہوئیں تیری عنبریں زلفیں
اک ہلکی ہلکی سی گرمی کی لہر یوں اٹھی
کرن سے پہلی نظر کی پیار سا جاگے
ہو پی رہوں جیسے مجسم شعاعیں سورج کی
جگایا روح کو میری صدائے جلوہ سے
جو چھا گیا تھا مری زندگی کے شعلے پہ
پھر ایک بار ہوا سر بلند اور دھواں
جھٹک کے شعلے کی اٹھتی لپیٹ میں آیا
تو میرے جسم میں پھر زندگی کی لہر اٹھی
مری نظر کو ملی پھر سے تاب نظارہ
شعاعیں صبحِ امیدِ وصال کی اٹھیں
وہی تھا نور مجسم نظر نظر میں مری
جیسے لبھاتے رہا ہوں میں اپنی آنکھوں میں

فلک پہ شبنمی کلیوں کا ایک چھتر بنا
کئے تھے ہالہ جو تیرے حسین پیکر کا
ہوں جیسے اٹھتی محبت کے اولیں جذبات
شعاعیں نور کی بن کر بکھر گیا ہر سو
ہر اک صدا میں جہاں کی سما گئی ایسے
اڑا کے غنچۂ عارض سے پیار کی فرحت
تو سرد مہر ہواؤں کی مٹ گئی خنکی
رگِ بہار میں ہو تازگی رواں جیسے
جلالِ جلوہ ترا مجھ پہ یوں ہوا نازل
میں غارِ غم کے اندھیروں میں غرق تھا، تو نے
یہ خاکِ جسم مری بن چکی تھی دودِ الم
تری تجلیٔ آتشِ نفس سے یہ شعلہ
تمام رنج و الم درد و غم کی شدت کا
مجھے ملی جو ترے حسن کی درخشانی
دل و دماغ منور ہوئے مرے پھر سے
شبِ فراق کی ظلمت کو چیرتی یکسر
جو جلوہ آنکھ سے اوجھل رہا تھا برسوں تک
عطا ہوا تھا جو یہ جلوۂ جمال مجھے
میں آج دیکھتا ہوں۔ ایملی کہ وہ جلوہ

تیرے جمال کا ہی ایک عکس رنگیں تھا
تو زندگی کا مری جزو بن چکی ہے اب
ملی کبھی چاندنی مہتاب+ کی تجھے اتنک
مجھے یہ ہوتا ہے محسوس کہ تجھے دونوں
انہیں سے پیار کی وادی میں میرے جیون کی
ہے جن کے دم سے ترو تازگی و شادابی
بلند ہوتی ہیں دل کے اتھاہ سمندر میں
انہیں کے دم سے کبھی سطح آب دل سے ہی
انہیں سے ہوتے ہیں پیدا ہوس کے طوفان بھی
ہجوم اٹھتے ہیں احساس کی فضاؤں میں
نمود شوق کی یہ صورتیں بدلتی ہوئی
ظہور ان کا ہے فطرت کے ان اصولوں سے
کرشمے جادو سے فطرت کے ہیں نقوش حیات
رہیں وہیں انہیں خطرات انیک راہوں سے
ہوائیں لاتی ہیں ساحل پہ ساری موجوں کی
گھٹائیں آخرش دھرتی پہ آ برستی ہیں
زمیں پہ آ کے وہ سب توڑتے ہیں دم اپنا
وہ عشق جس میں تمازت ہے مہر رخشاں کی

تری ہی صورت زیبا کی تھی وہ ایک جھلک
تو آفتاب ہے جس سے یہ خاک ہے روشن
پر اب یہ حال ہے جس دن سے تجھکو دیکھا ہے
ہیں آفتاب کبھی اور ماہتاب کبھی حاصل
امید و شوق و مسرت کے پھول کھلتے ہیں
کشش سے میرے انہیں مہر و ماہ ہستی کی
سرور عشق و محبت کی کیف زا موجیں
فضا میں پھیلتی ہے دھند آرزوؤں کی
انہیں سے پیار کی ابر بھری گھٹاؤں کے
معاملات یہ دل کے یہ واقعات حیات
بلند و پست یہ لہریں مری محبت کی
ازل سے دونوں جہاں جن پہ ہیں عمل پیرا
جہاں جہاں ہے کسی کا مقام اور منزل
گھٹا اٹھا کے بالآخر ضرور لاتی ہے
نمی ہوا کی گھٹائیں فضا میں بنتی ہیں
جہاں سے اٹھتے ہیں طوفان تند و ہیبت ناک
ہے خطر تمام سے جذبات دل کی منزل عشق
وہ عشق جس میں ہے ماہ تمام کی فرحت

+ میری شیلے کی بیوی جسے اس نے مہتاب زندگی کہا ہے۔

تو آفتاب مری زندگی کا وہ مہتاب
ہو دونوں تم مری دنیا پہ اسی طرح حاوی
یہ نور چارے یہ آئینے حسنِ فطرت کے
فضائے کرۂ ارضی میں یوں بساتے ہیں
یہ لمبی نور کی باہیں سمیٹ لیتی ہیں
لباس جیسے کوئی زرنگار خوابوں کا
بقدرِ وسعتِ انوار و شدتِ جلوہ
کہ ذرے ذرے سے ہوتا ہے خاک کے حاصل
حصول جس کا ہے مقصد حیاتِ ارضی کا
ہو دونوں تم جنہیں کہتا ہوں چاند سورج میں
فضائے عشق میں میری سمائے ہو دونوں
نہ ماہتاب کو ہے آفتاب سے شرمانا
تجھے نہیں ہے کوئی شعلگی پہ اپنی گھمنڈ
مقام اس کا ہے اپنا ترا ہے اپنا مقام
خزاں میں زندگی پکڑے گی پختگی کا رنگ
چراغ جلتے جمال دو فلسے ہے روشن
ہے سچ تو یہ کہ محبت ہے بے کنار مری
ستارہ ٹوٹ کے غائب جو ہو چکا ہے اگر
تو ہو گا اس کو کبھی حاصل مقام پھر اپنا

مری حیات کے دن رات تم سے روشن ہیں
ستارے دائرہ کرتے ہیں جیسے عالم کا
بلندیوں سے فلک کی شعاعوں کو اپنی
کہ جیسے روشنی مینار سے اترتی ہو
ہماری خاک کی آوارہ ظلمتوں کو تمام
اندھیری رات کی تاریکیوں کو بھگا دے
زمیں پہ رہتے ہیں یوں مہر و ماہ اثر انداز
وہ نور جس کی ہے ہر ایک کو تلاش یہاں
اسی طرح اثر انداز زندگی پہ مری
تمہاری کرنوں سے روشن ہیں روز و شب میرے
نہیں ہے چاند کو سورج کی روشنی سے حسد
اسے نہیں ہے کوئی ٹھنڈی روشنی پہ غرور
وہ نور اپنی جگہ ہے یہ نور اپنی جگہ
بہا رِ زندگی تم سے ہے اور تم ہی سے
قدم قدم پہ مری زندگی کی راہ گزر
انہیں سے ہو گی چراغاں مزار کی ظلمت
نہ انتہا ہے کہیں کوئی اس کی وسعت کی
مرے جہانِ محبت میں وہ کبھی لوٹ آئے
نہ ہو گا چاند کو اس سے حسد نہ سورج کو

سنہری کرنیں جو اس پر پڑیں گی سورج کی
حسد کا رہ بھی گیا ہو جو اس پر سایہ کہیں
شہابِ شعلہ صفت کے شرارہ ہائے جمال
جو زندگی کے افق پر مری عیاں ہوں گے
کریں گی پوجا، اتاریں گی آرتی اُن کی
یہ پھول حسنِ تخیّل کے اے مری رانی
یہ پھول میں نے اُگائے ہیں دل کے گلشن میں
قبول کر تو انہیں اور اپنی آنکھوں سے
کہ ریں چھلک اُٹھے ان سے نشاطِ جنّت کا

بڑھے گی اور بھی اُس کے جمال کی رونق
چمک اُٹھے گا مرے چاند کے تبسّم سے
نقاب نور بنیں گے جمالِ ماہ کے لئے
یہ نور و حسن کے جلوے تو صبح و شام سدا
اُمید و بیم کے آفاق میں جلا کے دیئے
یہ پھول ہدیہ ہیں میرے خلوصِ الفت کا
نہ اور پھولوں سی نکہت نہ رنگ ہے ان کا
وہ نور اور وہ گرمی انہیں عطا کر دے

فضائے پاک محبت میں آج ہو جب تو
یہ بند حصنوں سے ہے آزاد جسم خاکی کی
میں مانگتا نہیں تجھ سے ترا کنوارا پن
یہ جسم آج ہے۔ یہ جسم کل نہیں ہوگا
یہ پیار روح کی گہرائیوں سے اُٹھا ہے
تو آج آ مری جاں میری جان سے مل جا
دراصل ایک ہیں ہم آ کہ ایک ہو جائیں
عروسِ نو کی طرح آ۔ مسرتِ ابدی
تو میرے پاس چلی آ نکل کے زنداں سے

اُٹھ اور اُٹھ کے مرے ساتھ۔ شاملِ پرواز
نہیں ہے پیار میں میرے ہوس کو دخل کوئی
یہ ایک روح کا ہے دوسری سے رشتۂ پاک
مرا یہ جسم نہیں تیرے وصل کا طالب
نہیں ہے جسم سے پیدا یہ شدتِ احساس
میں لازوال ہوں ہے لازوال عشق مرا
ملن کی اپنے مبارک گھڑی ہے آ پہنچی
خوشی میں ڈوب کے آ اور خوشی بکھیرتی آ
قفس سے اپنے چلی آ تو آج میرے پاس

بہت بلند ہیں ان سے نکلنا مشکل ہے
نہ کر سکا ہے مگر آج تک محبت کو
جو کود جاتی ہے زنداں کی سب فصیلوں کو
وہ زور اس میں وہ ہمت جو برق کی صورت
نہاں ہے تیزی و تندی ہی وہ اس میں طوفاں کی
جہاں میں موت سے بڑھکر نہیں کوئی طاقت
دراصل وہ ہے بیک وقت ہر جگہ موجود
وہ معبدوں میں محلوں میں اور قلعوں میں
مگر خلوصِ محبت کی طاقتِ غیبی
بڑی ہے موت کی بھی بے پناہ طاقت سے
اتوڑ آہنی زنجیریں مقدر کی
وہ دل جو درد کی شدت سے ہو گیا ہو خموش
جو خاک ہو کے پریشان ہو گئی ہو حیات

ہمارے پیار کی کشتی تو آ کہ ہم دونوں
فرازِ کوہ پہ دم سادھ کر کھڑی ہے ہوا
ہے پاک نیلی سطحِ آب پر اک ایسی راہ
تو آ تو لے چلیں کشتی ہم اپنی اس رہ پر

میں جانتا ہوں کہ دیواریں تیرے زنداں کی
فصیلِ قلعہ کی مانند ہیں یہ دیواریں
کوئی بھی قیدِ محبت میں اپنی طاقت ہے
دکھائی دیتی ہے بے بسی مگر ہے پوشیدہ
تمام مشکلوں کو وہ کی چیر دیتی ہے
اکھاڑ پھینکتی ہے جو ہر اک رکاوٹ کو
قدم قدم میں ہے اس کے خیال کی رفتار
بھلا لڑائی کے میدان کا تو ذکر ہی کیا
جہاں بھی چاہے اچانک ہی جا پہنچتی ہے
فقط عناصرِ فطرت کی طاقتوں سے نہیں
جکڑ لیا ہو جن اعضا کو موت نے کس کہ
وہ پھر سے ہوتے ہیں اعجازِ عشق سے آزاد
پھر اس میں عشق سے اٹھتی ہے اک نئی دھڑکن
وہ بندھ کے اٹھتی ہے شیرازۂ محبت میں
شن ایمیلی۔ ہے بندرگاہِ زندگی میں کھڑی
سفر شروع کریں اب تلاطمِ محبت کا
تو آ تو یہ بھی چلے اور بادباں بھی بھرے
رواں ہوئی نہیں اب تک جہاں کوئی کشتی
وہ دیکھ ہالسیونز[1] اڑ رہے ہیں متواتر

ص ۱ HALCYONS مشہور ہے کہ جب سورج راس الجدی میں ہوتا ہے تو یہ مرغ

اُٹھے گی اب نہ سمندر میں تیز و تُند ہوا
تو آ، سفر کے لئے یہ گھڑی مبارک ہے
اُڑا کے لائے گی اپنے اس آشیانے تک
جو رشکِ باغِ ارم ہے جو اپنی منزل ہے
جہانِ زیست کے ساگر کو پار کر لیں گے
سفر میں اپنے معاون بھی ہیں مصاحب بھی
کہاں ہے اپنی یہ منزل تجھے ہے علم اس کا
جہاں فرشتہ صفت چند سیدھے سادھے لوگ
سنہری دھتوں کی ہے ایک بھولی بسری یاد
ہمارے جانے سے اُبھریں گی رونقیں اس کی
اُٹھے گا لے کے بہار آفریں اک انگڑائی
خراج لیتی ہے فطرت سے یہ زمین پاک
سدا دمکتے سمندر کی نیلگوں لہریں
قبائے نقرئی راتوں کو زیب تن کر کے
سہمے سہمے کا مدھر راگ گنگناتی ہوئی

ہمیشہ کرتی ہیں اٹھکیلیاں کناروں سے

نہیں ہے خوف ملّاحوں کو کوئی طوفاں کا
ہماری کشتی یہ قادوس[۲] کی طرح ہم کو
جو دُور مشرقِ زرّیں میں جگمگاتا ہے
سوار ہو کے ہم اس کشتیٔ محبّت پر
یہ روز و شب یہ سکوں اور شورشِ طوفاں
ہمارا ساتھ دیں گے قریبِ منزل تک
یہ اک جزیرۂ روشن ہے[۳] ۔ رشکِ خلدِ بریں
الگ تھلگ سے بس اپنے جہاں میں رہتے ہیں
ہے شوخ شوخ سی لیکن یہ جنتِ خاکی
ابھی جو خواب میں ہے اس کا وہ جمال و رنگ
یہی حسین جزیرہ ہمارا گھر ہوگا
سنہری ریت کو ساحل کی آ کے چومتی ہیں
لباس دن کو پہن کر سنہری کرنوں کا
کفِ سپید کے پھولوں کو سر میں گوندھے ہوئے

ہوائیں دوش پہ لے کر جزیرے بھر دوں کا

گھنے درختوں کی گہرائیوں میں چھپ چھپ کر

سمندر میں آشیانہ بنا کر انڈے دیتا ہے اور اس غرض سے سمندر کی موجوں اور ہواؤں کو جاڑے سے ساکن رکھتا ہے۔ ALBATROS ہے۔ صد۲

صد۳ میں نے ... جزیرے ... کو ... جنت کر دیا ہے۔

لطیف صورتیں ہوتی ہیں رات کو رقصاں
شریلی میٹھی جھنکار اُن کے پائل کی
فضا میں گونجتی ہے اُن کے قہقہوں کے ساتھ

سرودِ رقص کی یہ نغمگی - وہاں ندیاں
چرا کے قہقہے یہ اور بکھر کے دامن میں
وہ آب و تاب ہے اُن کے شفاف پانی میں

خرام کرتی ہیں اور چھوٹتے ہیں سرچشمے
کہ جیسے ہیرے دمکتے ہوں قطرے قطرے میں
نسیمِ صبح میں وہ تازگی و نکہت ہے
کہ جان و جسم پہ ہوتا ہے وجد سا طاری

کچھ اور دور ہیں پگڈنڈیاں وہاں ایسی
جہاں گئے ہیں قدم یا تو چند ہرنوں کے
چرانے یا کبھی آتے ہیں بکریوں کو جہاں
نکل کے دور بہت بستیوں سے چرواہے

گذر کے آؤ جو پگڈنڈیوں سے تو جلوے
دکھائی دیتے ہیں، فطرت کے حسنِ سادہ کے
کشادہ صحن نہاں ہیں کہیں درختوں میں
کہیں بنائے ہیں شاخوں نے ان کی کاشانے
کہیں ہیں غار کہیں ہیں کھلے کھلے میدان
کھڑے ہیں پیڑ گھنے جن کے گرد۔ اور اُن پر
بہار دیتی ہیں بیلیں کبھی عشق پیچاں کی
ہیں آبشار کئی چھوٹے چھوٹے نغمہ زن
یہ نغمے گیتوں سے ہیں بلبلوں کے ہم آہنگ
مدھر سُروں کا فضا میں ہے ارتعاشِ لطیف
شعاعیں مہر کی آبِ رواں پہ پڑتی ہیں
تو بجلیاں سی لپکتی ہیں آبشاروں سے
چمکتے جن سے ہیں سائے تمام جنگل کے
فضا میں لیموں کے پھولوں کی بھینی خوشبو ہے
مشامِ جاں کے لئے کیف زا ہے یہ خوشبو
ہوا کے پردۂ نم میں پھوار ہو جیسے

لطیف بو جو سے اس کے نظارہ جو پلکیں
کھلے ہیں شاخِ بنفشہ پہ اودے اودے پھول
ہوا کو تیر صفت چیرتی ہوئی یکسر
تو دل میں درد اک اٹھتا ہے میٹھا میٹھا سا

ہوا کے جھونکے ہیں شاخِ شجر کی جنبش میں
سکوتِ دشت کی سرگوشیوں کے سرگم میں
وہ جانِ نغمۂ ہستی وہ ارتعاشِ لطیف
سما کے روح میں جیسے ہو روح جلوہ فگن
خیالِ "کن" کا یہ لگتا ہے ایک عکسِ حسین
زمیں نے گود میں شفقت کی دی ہے اس کو جا
کیا ہے باہوں میں محفوظ اس کو ساگر نے
نہا کے آتی ہے تازہ ہوا سمندر سے
شفاف و صاف ہے ماحول جس کے دامن میں

نہ جنگ کا نہ وبا کا نہ زلزلوں کا خوف
ہے تندرستی و صحت کا جام آب و ہوا
یہاں سے دور ہی رہتی ہے شورشِ طوفاں
ٹپکتے بھی ہیں جو آنسو یہاں تو شبنم کے

جھکی ہی جاتی ہیں ہو کر خمار آلودہ
ہے ساتھ ان کے کھلی زرد زرد نرگس بھی
دماغ تک جو پہنچتی ہیں ان کی خوشبو میں
کسک میں جس کی ہے اک کیفِ بیخودی کا ظہور
شعاعِ نور کی حرکت میں موجِ نکہت میں
سرودِ چشمہ میں آبِ رواں کے نغمے میں
ہے سب میں ایک ہی موسیقیٔ ازل کی لے
جو کائنات کی ہر شے میں بس رہا ہے یوں
یہ نکہتیں یہ نظارے یہ نغمگی یہ سرور
ہے اک جزیرے پہ فطرت کی خاص نظرِ کرم
فلک نے سایۂ رحمت کا اس پہ چھتر کیا
فضا میں اس کی مجسم ہوئے ہیں امن و اماں
اک ایک سانس میں پاکیزگی کا ہے احساس
ہزاروں ہیروں کی بکھری کا ہے ہلکی نیلی دمک
نہ قحط کا ہے نہ پالے کا ہے یہاں خدشہ
ہے کوہ و دشت پہ امن و سکوں یہاں طاری
یہاں اترنے کا لیتے نہیں ہیں کرگس نام
نشاط ہی میں لپٹا ہے یہ پاک خطۂ خاک
مگر خوشی کے ہیں آنسو یہ ان سے ملتا ہے

زمیں کی روح کو کیفِ خودی و سرشاری
یہاں کے کھیت کبھی گلشن کبھی دشت و صحرا بھی
ہری بھری نئی کرتے ہیں زندگی اپنی
فضا میں چاروں طرف پھیلتی ہیں خوشبوئیں
فلک سے درجہ بدرجہ اُتر کے آتا ہے
یہ جاں فزا دمِ تازہ یہ زندگی کا امیں
ذرا ذرا سی اُٹھتیں جیسے روئے روشن سے
اک ایک تار میں ہو جس نقاب کی پیلا
سرورِ شوقِ نظر کیفِ دیدِ رنگِ جمال
ٹھلنے آتی ہیں قریب کو اُتر کے گرد دل سے
ذرہ سا ادر سرکتا ہے رُخ سے جب پردہ
ہویدا کرتی ہیں دن کو شعاعیں سورج کی
عروسِ نو کا اُبھرتا ہو جیسے رنگِ حیا
چھلک رہی ہو خجیت کی جس سے لرزاں کو

ہے اس کے دل کے نہاں خانۂ منوّر میں
چراغ جیسے کسی غار میں ہو ضو افشاں
جمال اس کا بھی ہے لازوال و لافانی
جو یوں تو آتا نہیں آنکھ کو نظر لیکن

جو ازل

سرورِ زندگی وہ جس میں غوطہ زن ہو کر
بقائے ہستی کا شاداب حسن پاتے ہیں
اک ایک پتے سے پھر پھوٹتا ہے رنگِ جمال
حیاتِ نو کا بہار آفریں دمِ تازہ
پھوار پڑتی ہو جیسے زمیں پہ رک رک کر
کچھ ایسے اُٹھتا سمندر سے بھی ہے موج بموج
نقابِ رُخ کی تہیں بن کے رنگ کی لہریں
صد آرزوئے تجلی کی نرم و نازک تہ
نقابِ حسنِ جزیرہ کو جیا ندکی کہ نہیں
نسیمِ صبح دکھاتی ہے اس کی ایک جھلک
کمالِ جلوہ کو لیکن اس اپنی جنت کے
نکھر کے روپ دمکتا ہے اس طرح اس کا
ہو اس کے جسم پہ جب اپنے حسن ہی کا لباس

جزیرہ اپنا یہ بے جاں زمیں کا خطہ نہیں
جمالِ روح کی لو زندہ اور تابندہ
ہے جزو ہستیٔ جاوید کا یہ خطۂ پاک
بنائے حسنِ نمو وہ تبسمِ ازلی
لطیف جس کا ہے احساس جان و دل میں سوا

جھواڑل

تجلیات میں اُبھرا ہے کن فکاں کی جو
اُسی کی کرنوں کا پھیلا ہے رنگ یاں ہر سُو

اُسی سے بحر کی موجوں کی ہے قبا نیلی
اُسی سے سبز ہے جنگل کے باسیوں کا لباس

حسین جلوے یہ فطرت کے دیکھ کر جن کو
بشر کی آنکھ میں آتا ہے کیفِ حیرانی

ہے اس جزیرے میں چھوٹا سا اک نرالا محل
جوان عناصرِ فطرت سے ہے زیادہ حسین

کھڑا ہے کوہ کی چوٹی پہ جو تنِ تنہا
گھرا ہوا ہے یہ ویرانیوں میں جنگل کی

مگر وہ شان ہے اس کی کہ اس کے آگے سر
جھکا رہے ہیں ادب سے تمام شاخ و شجر

اسے بنایا تھا کس نے۔ بنا تھا کب یہ محل
یہاں کے لوگوں کو کچھ بھی نہیں ہے اس کی خبر

یہ کوئی قلعہ نہیں گھر ہے ایک سادہ سا
بنایا ہوگا اسے سینکڑوں برس پہلے

کسی اک ایسے شہِ وقت نے جو واقف تھا
خلوص و صدق و محبت کی سچی قدروں سے

جو جانتا تھا کہ جینے کا لطفِ محض ہے کیا
جو زندگی سے خراجِ نشاط لیتا تھا

یہ گھر تقدسِ اُلفت کا ایک ہدیہ تھا
جو اس کی روح نے ہم روح کو کیا تھا پیش

بشر کے فن و ہنر کا کبھی یہ تھا مظہر
مگر ہنر کا نہ فن کا ہے اب نشاں باقی

نہ بُت ہے کوئی نہ دیوار پر ہے نقشِ قلم
مجھے یہ لگتا ہے دل میں زمیں کے اس گھر کا

خیال خود ہوا صورت پذیر اور اُٹھ کر
جگایا خوابِ گراں سے پہاڑ کو اس نے

اُٹھی جو قوتِ تخلیق تو تخیل نے
نیاز و عجز سے دی اس کو دعوتِ تعمیر

درونِ کوہ سے غاریں بلند ہوتی گئیں
فرازِ کوہ پہ جا کر وہ بن گئیں یہ محل

کبھی جو زینتِ دیوار و در تھے نقش و نگار
وہ مٹ چکے ہیں مگر آج ان کی عریانی

ڈھکی ہے جنگلی بیلوں کے پھول پتوں سے
جہاں جڑے تھے جواہر جہاں چراغوں کی

ہزار ہا ہی شعاعوں کا رقص ہوتا تھا
ہے عشق پیچاں کے پھولوں کا رنگ [illegible]

وہ پھول اوس سے جن میں ہے آب پیروں کی
جدا جب ہوتے ہیں شاخوں سے اپنی مجبوراً
شعاعیں مہر کی کرتی ہیں روشنی دن کو
فلک سے رقص کناں ماہتاب کی کرنیں
پھوار بن کے برستے ہیں شب کی ظلمت پہ
ہمیشہ کرتی ہے خطرت یہاں پچیکاری

جہاں نہیں ہے گزر شورشِ زمانہ کا
مزے سے سوتے ہیں محوِ زمیں خواب میں کبھی
پتہ جو دیتی ہیں اُن کے سہلنے سینوں کا
نسیمِ صبح کے غنچوں کے اور پھولوں کے
سہلنے سپنے حقیقت کا نام جن کو ہم

کیا ہے عہد یہ دل میں کہ ایک دن تجھکو
ہماری مملکت ہوگی وسیعِ تنہائی
رہے گی نورِ محبت سے جو سدا معمور
ترے لئے مری ہمدرد میری جانِ رواں
جگانے آئیں گی ہر صبح مہر کی کرنیں
پھر آکے مانگے گی نکہت و تازگی تجھ سے

خزاں میں پھول یہ مرجھا کے۔ سوکھ کر پتے
تو خشک شاخوں کی جالی کے راستوں سے گزر
اندھیرا رات کا کرنے کو دور آتی ہیں
نہ ہو جب چاند تو تاروں سے نور کے قطرے
ملا کے سایوں کو یوں روشنی کے رنگوں سے
نئے اُبھرتے ہیں پھر نقش زرشِ مریہ
جزیرہ اپنا یہ ہے وہ مقامِ امن و سکوں
گلے میں ڈال کے اک دوسرے کی باہیں یہ یہی
لبوں پہ کھیلتی ہیں مسکراہٹیں اُن کے
سہلنے سپنے وہ موجوں کے یا دو باراں کے
دیار و دشت کے چشموں کے کہساروں کے
ظہورِ وقت سے دنیا میں دیتے آئے ہیں
یہ گھر بھی اور جزیرہ بھی ہیں مرے دونوں
میں لا کے ساتھ یہاں کی فضاؤں کا پانی
بسیں گی جس میں محبت کی کامنائیں پاک
سجائے میں نے ہیں اس اپنے گھر میں کمرے چند
یہ کمرے کھلتے ہیں مشرق کو جس کو تیرے
نسیمِ صبح شعاعوں کے دوشِ زریں پہ

ترے دریچے پہ آ کر کریں گی تجھ کو سلام
اُٹھیں گی تیری تجلی کی آرزو لے کر
ہماری پاک محبت سے لیں گے درسِ حیات

جمع کیا ہے ذخیرہ وہاں کتابوں کا
تری پسند کے ساز اور منتخب نغمے
نشاطِ روح کی موجیں بسی ہیں نغموں میں
گونجتی آتی ہیں ارواحِ ارفع و اعلیٰ
سب اک تواترِ دائم دکھائی دیتا ہے
اُٹھائے زندہ و تابندہ دیکھ لیتے ہیں
اُٹھ آئے ہنستا ہوا غیب کے پنگوڑے سے

بسی ہوئی ہے بقا میں یہ کائنات تمام
یہ سو تو سکتے ہیں لیکن نہیں ہے ان کو فنا
زماں کی برقِ رسی کو۔ ہماری عمرِ رواں
رہے گی زندہ و تابندہ دائم و قائم
ملے گا ہم کو بقائے دوام کا احساس
یہ زندگی کے حسین اور پاک احساسات

بلند لہریں سے اُٹھیں گی پہاڑ کی جبہ پہ
لپک لپک کے اُدھر نیچے بحر کی موجیں
بلند و پست ترے در پہ آ کے موج بموج

مطالعہ کے لئے میں نے آپ چن چن کر
کئے ہیں گنجِ محبت میں اپنے میں نے بہم
بلند و پاک خیالات ان کتابوں میں
زماں کی وسعتِ لاانتہا ہے جن کے طفیل
وہ دیدہ ور نہیں ماضی و حال و مستقبل
نظر جو پھیریں تو ماضی کو اپنے مدفن سے
اگر وہ چاہیں تو ایماء سے اُن کے مستقبل
رضا ہو ان کی تو گزریں نہ حال کی خوشیاں
دراصل مٹتی نہیں کوئی شے بھی دنیا میں
خیال اپنے عمل اپنے۔ زندگی اپنی
تو آ تو آ اے مری ہمدمِ روح رک لیں ہم بھی
سرورِ سرمدی بن کر نشاط زا رہے گی
ہمارے پیار کا کیف و سرورِ روحانی
مسرتیں یہ محبت کی پیار کے جذبات
ہمیشہ زندہ رہیں گے بقا کے دامن میں

مذاق بھی ہے ہمارا لطیف و پاکیزہ
ہماری خواہشیں محدود بے تعلق ہیں
حسیں سے اس کو حسیں تر بناتے جائیں گے
نہ دکھ کسی کسی جان کو ہم سے پہنچے گا
نہ عشق ہیجاں کی خلوت گہ محبت میں
نہ شب کو توڑ دے گا نہ ہم سے جھگڑا دے
ہمارے گھر کے ہی آ گے کریں گے عشق خرام
دھلی دھلی ہوئی تازہ رو پہلی کرنوں کی
گزرتی جائیں گی خاموش رات کی گھڑیاں

اور آخرش جو مہ وصال عروزہ شب آئے
تو روح بن کے ہم اس جنت جزیرہ کی
فضائے مست میں سورج کی روشنی کی طرح

رہے گا وحدت جاں کا ہی ایک زندہ شعور
وصال و ہجر کا جھگڑا نہیں ہے جس میں سوال
عمل میں لانا ہے یک جانی محبت کو
قدم ملا کے چلیں گے کھلی فضا میں ہم

ہماری زندگی سادہ و بے تکلف ہے
نہیں ہے عیش و طرب اپنی زیست کا مقصد
نہ ہو گی ہم سے شکایت کوئی بھی فطرت کو
ہمارے ہاتھوں کوئی شے کبھی نہ ہوگی خراب
نہ خوف ہم سے کوئی ہوگا فاختہ تک کو
کرے گی نغمہ دلشاد کا ہمیشہ الاپ
ہرن تو چاندنی راتوں کو بے خطر ہو کر
وہ سو بھی جائیں گے اوڑھے ہوئے چادر
سکون و امن کے اک اک نفس کے ساتھ لگے

تو آ کے گھر پہ بنے گر بکھر کی جیسے قیام
خزاں کے پتوں کی مانند ڈھیر ہو جائیں
ہر ایک سمت میں ہر ایک شے پہ چھا جائیں
ہر ایک سمت ہر اک شے پہ نور برسائیں
رہیں یہ جسم لباس کے ان پہ سجے گی آخر کار
بقائے ہستی دلشاد دوام کا احساس
وہ وقت دور نہیں لیکن اس سے پہلے بھی
اٹھیں گے بیٹھیں گے ہم ایک ساتھ ایک ہی تخت
سروں پہ ہوگا ہمارے فلک کا نیلا چھتر

کریں گے سیر کبھی سبزہ مرغزاروں میں
جہاں زمیں سے ملتا ہے آسماں جھک کر
کبھی کنارے پہ ساگر کے ہم کریں گے خرام
کچھ ایسے چھوتی ہیں آ آ کے پے بہ پے موجیں
وفورِ شوق سے دیتا ہے پیار کے بوسے
لرزتے جسم میں ساحل کے کوند جاتی ہے
تو ڈوب جائیں گے کیفِ نشاط میں ہم بھی
ہمارا جینا محبت کے ہوگا ہم معنی
گپھا میں پہنچیں گے ایسی جہاں کبھی سورج
گذشتہ شب کی جہاں چاندنی پڑی تھک کر
خموش رات کا ماحول ہے جہاں جاں کو
یہ تیری مدبھری معصوم نرگسی آنکھیں
جھکی جھکی ہوئی ان نیم باز آنکھوں میں
نئی چمک نئی رونق نئی اُمنگ لئے
مگر پھر ہوتا ہے بیدار تیز تر ہو کر
تو کم کچھ ہوتی ہے بوس و کنار کی تالشی
جگائیں گے ابھی خوابیدہ پیار کو تیرے
دمکتے جاتے ہیں چلمن میں تیری پلکوں کی

کبھی پہاڑ کی پہنچیں گے ہم بلندی پہ
جہاں سے اُٹھتے ہیں ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے
لپک لپک کے جہاں بکھرے سنگ ریزوں کو
یہ لگتا ہے کہ سمندر لبوں پہ ساحل کے
وہ لمسِ برقِ محبت نشاطِ جاں جس سے
جب ایسے لمس رہی ہوگی سرور میں فطرت
اک ایک سانس میں الفت کی سرخوشی ہوگی
اسی طرح کبھی ہم دوپہر کو سستانے
جگانے آتا نہیں رات کے اندھیرے کو
جہاں پہ سوتی ہے دنیا سے بے خبر ہو کر
ہو جیسے اپنے لئے ہی گپھا کی تنہائی
خمارِ خواب سے خمیدہ جو ہو رہی ہیں بند
ابھی اُٹھے گا ترا پیار نیم خوابی سے
یہ نور نیند کے دامن میں چھپ تو جاتا ہے
پھوار نیند کی پڑتی ہے ہلکی ہلکی جب
مگر حیا سمٹتی ہے پھر شعلہ بن کے اُٹھتی ہے
وہ قطرے نور کے جو اپنے آپ نیند میں بھی

کریں گے پیار کی شیریں و جانفزا باتیں
رہے گی تاب نہ اس نغمگی کی لفظوں کو
نگاہیں اٹھیں گی۔ اُٹھ کر ملیں گی اور اپنے
دلوں کی نغمگی بے صدا کے دامن میں
سکوتِ سازِ محبت کی جانِ موسیقی
ہمارے سینوں میں اُبھرے گی آرزوئے وصال
دلوں کی دھڑکنیں اک ساتھ مل کے ہونگی تیز
وہ بات ہونٹوں سے کہہ دیں گے ہونٹ دل جیسے
لبوں تک آئے گی، اس کے لپکتے شعلے کو
ہماری ہستی کی گہرائیوں سے جو چشمے
تپش کو اُن کی بجھی ہونٹوں کے لمس سے اپنے
دلوں میں ہوگا ہمارے طلوعِ کیفِ وصال
پہاڑی چشموں کے جوش و خروش کی جیسے
اُفق سے صبح آ کر شعاعیں سورج کی

اکٹھے بیٹھ کے خلوت کدے میں فطرت کے
زبان دیگی خیالوں کا اپنے جب تک ساتھ
تو روح پیار کی اُترے گی اپنی آنکھوں میں
سرورِ کیفِ محبت کو دوش پر لے کر
بکھیر دیں گی خموشی سے ہوگی ہم آہنگ
ملے گی سانس سے اک ایک سانس بھی اپنی
رگوں میں رقصِ تمنا کی لہر اُٹھے گی
جو بات آ نہ سکی گفتگو کے لفظوں میں
جو روح بن کے شرر آرزو کا سراپا
ملے گا وعدۂ تکمیلِ آرزو کا پیام
اُبل اُبل کے اُبھرتے ہیں سوزِ جاں بن کر
ملے گی جوشِ محبت کی پاک رخشانی
نشاطِ روح کی اٹھیں گی ضوفشاں موجیں
سمیٹ لیتی ہیں اپنے سنہری دامن میں

رہے گا جس میں بس احساس ایک ہونے کا
وجودِ فرد میں اکائی کی زندگی ہوگی
رواں ہو روح مگر ایک ہو گی دونوں میں

ملن یہ اپنی محبت کا وہ ملن ہوگا
مٹے گا فرق من و تو کا۔ زندگی اپنی
یہ دیکھنے کو تو اپنے رہیں گے دو قالب
رہیں گے جوشِ محبت سے دونوں دل معمور
وہ جوش وسعتِ دل کی فضائیں جو میری

اٹھا تھا شعلہ جہاں ایک شہاب کی صورت — بنا تھا شعلۂ پراں جو تیرے دل میں بھی
بڑھے یہ شعلے ملے اور مل کے ایک ہوئے — دلوں کی شعلگی مل کر ہوئی ہے اور بھی تیز
وہ شعلگی جو سدا برقرار رہتی ہے — زمانہ جس کو کبھی بھی بجھا نہیں سکتا
وہ شعلگی جو نہیں ایسی آگ سے پیدا — ہو جس کا نہ ہر مادی پہ انحصار اپنا
یہ شعلے عشق کے اک دوسرے کو دیتے ہیں — صلائے نور و درخشندگی و توانائی
لطیف و پاک یہ شعلے ہمیشہ اٹھتے ہیں — بلندیوں کی طرف آسمانِ الفت کی
ہے دو دلوں میں ہمارے بس ایک ہی احساس — امید ایک ہی ہے اور آرزو بھی ایک
شعورِ فکر بھی ہے ایک دو دماغوں میں — حیات ایک ہے ہو گی ہماری موت بھی ایک
جئیں گے ساتھ یہاں ہم جہانِ فانی میں — ملے گی ہم کو بقائے فنا بھی ایک ہی ساتھ
اب اور کیا کہوں لگتا ہے میرے لفظ یہاں — پروں پہ شعورِ تخیل کے جو پہنچتے ہیں
بلندیوں پہ جہانِ نشاطِ الفت کی — وہ لفظ رہ گئے ہیں بن کے پاؤں کی زنجیر
نہیں ہے روح میں اب تابِ برق پروازی — اکھڑ رہی ہے مری سانس کانپتا ہے جسم
بس اب تو کرتا ہوں میں زندگی سپردِ اجل — مرا پیام مرے شعر آ کے دیں گے تجھے
مرے یہ شعر جو حاصل ہیں زندگی کا مری — یہ شعر روحِ محبت کا جو ہیں قالبِ پاک

(پیامِ شاعر)

اے مرے اشعار میرے دل کی ساری کائنات — میرے احساسات کا گو تم ہو اک ہلکا سا عکس
تم سے بہتر پھر بھی میرا کوئی نامہ بر نہیں — جاؤ مجھ مجبور کا لے جاؤ تم اُس تک پیام
جس کے دم سے ہے سرور و کیفِ شعرِ زندگی — جس سے پیدا ہے نشاطِ نغمۂ حسن و جمال
خود تمہیں بھی یاد رنگیں جس کی دیتی ہے تبسم — جاؤ خدمت میں مرے دل کی مہارانی کی تم

اندر قدموں میں جھکا کر سر بصد عجز و نیاز
بس رہا ہے روح میں جس کی فقط تیرا خیال
ہم کمالِ فن ہیں اُس کا ہم سے ہے اُس کی حیات
یہ کہا ہے ہو کے نہ شعر و سخن ہی کا غلام
ہو گئے ہم ہیں مجسّم اس کے دل کی نغمگی

یہ کہو اُس سے کہ وہ جو جان و دل سے ہے ترا
ہم اُسی کے زندہ سپنے ہیں اُسی کے شعر ہیں
چھپ گئے ہیں کھلتا اس کے دماغ و دل پہ ہم
اس کے احساس و تخیّل کی حسیں صورت ہیں ہم
ڈھل گئی ہے شعر کے قالب میں وہ روحِ رواں

جو تری ہم روح و ہمدم ہمنوا ہمساز ہے
ہم تو جیتے ہیں ترے دم سے ترے ہی دم سے
حُسن کی دیوی محبت کی مہارانی رتنا

جو ہمیں تخلیق کرتی ہے تری ہی یاد سے
آ گئے ہیں قدموں میں تیرے لیے لب پہ یہ سوال
اپنے بندے کے لیے کیا حکم ہے آخر ترا؟"

اے مرے اشعار اس کو دے چکو میرا پیام
تو اُسے گا کر سُنانا یہ ترانہ پریت کا

محبت نہیں لذّتِ وصل ہی بس
محبت ہے جاوید، دائم و قائم
ہم آہنگ روحوں کا یہ پاک رشتہ
یہ نورِ ازل کی درخشاں تجلّی
نہیں رہتی دم بھر بھی یہ دفن ہو کر
تو مقابلے میں تو وصل انعام ہوگا
وہ دل آخرِ کار مل کر رہے ہیں

محبت کیے جا محبت کیے جا
محبت ہے درد، فرقت بھی شیریں
یہ جسموں کی فانی کشش ہی نہیں ہے
یہ ہے جذبۂ ایزدی کی لطافت
مجسّم اندھیروں میں مرقد کے ہرگز
دفن ہو سکے گا نہ گر اس جہاں میں
محبت جہاں دو دلوں میں اُٹھی ہے
محبت کیے جا، محبت کیے جا"

اے مرے اشعار رو رخصت مجھے اب الوداع

جا رہا ہوں میں تمہیں دے کر حیاتِ جاوداں — تم رہو گے زندہ اس دُنیا میں میرے بعد بھی

جاؤ تم اہلِ نظر کے دل میں جاکر گھر کرو — سب کو دو تم زندۂ جاوید الفت کا پیام

رحمتِ حق اہلِ دل پر ہی برستی ہے سدا

طبعِ سلیم

تُو نے غم سب اُٹھائے ہیں لیکن — ایک بھی غم کو غم نہیں جانا

زندگی کرنا جانتا ہے وہی — ہیں برابر نگاہ میں جس کی

نیک بختی کے ہدیے اور انعام — اور بد قسمتی کے جھکولے

پیار تقدیر کا اور اس کی مار — کرتا ہے جو قبول دونوں کو

اور ہوتا ہے حق کا شُکر گزار — ہیں مبارک وہ لوگ کتنے ہی

قوت و تابِ زندگی جن کی — عقلِ عرفاں کے تابع ہے ایسے

کہ انہیں ہے تمیز اصل و مجاز — جن سے تقدیر کھیل سکتی نہیں

جو نہیں کوئی ایسی شہنائی — جس کو تقدیر جیسے چاہے بجائے

ہے مجھے ایسے آدمی کی تلاش

نفس کا اپنے جو نہیں ہے غلام — جس میں یکجا ہیں شانتی اور پریم

مجھ کو مل جائے ایسا دوست اگر
تو میں گہرائیوں میں دل کی اسے
پیار سے اس طرح بٹھاؤں گا
جیسے تجھ کو کیا ہے تخت نشیں

گلِ حیات

خلوص اور وفا کے جڑاؤ زیور سے
جو حسن ہوتا ہے آراستہ و نور فشاں
تو اور ہی نکل آتی ہے اسکی شانِ جمال

کلی گلاب کی ہے کتنی دلکش و رنگیں
مہک جو پھیلتی ہے اسکی صحنِ گلشن میں
مگر ابھرتی ہے یہ دلکشی و رنگینی
ہیں پھول اور بھی رنگیں گلاب کی مانند
کھلاتی ہے جو انہیں صبح دم نسیمِ بہار
ہیں اُن کے بھی نگہبان ویسے ہی کانٹے
مگر ہے رنگ ہی رنگ ان کا حسن اور جمال
تو وہ کبھی بھی اٹھتے ہیں لہرا کے مسکراتے ہوئے
یہ پھول کھلتے ہیں اور کھل کے کس مپرسی میں
نہیں ہے کوئی بھی اس حسنِ رنگ کا طالب
وہیں ہی جاتے ہیں مرجھا کبھی شاخ پر ہی

مگر گلاب شگفتہ ہو یا ہو پژمردہ
شگفتہ ہو تو ہے نکہت و رنگ اس کی کشش
ہزار دامنِ گلچیں کو ہے طلب اس کی
ہے انہی بکھری ہوئی پتیوں میں عطر نہاں
جو پتیاں ہوں پریشاں تو مانگ ہے ان کی
ہے زندگی وہی جو رنگ و بو بکھیر آ جائے
گلِ شباب تو ہے عشق کی بہار و رس سے
ہو ختم جب تو اٹھیں اس سے لپٹیں خوشبو کی

کرونگا باغِ جہاں کو معطر و رنگیں
جھڑیں گی پتیاں تیری خزاں بیچ و آن سے
کرونگا حق و صداقت کے عطر کی میں کشید
اور اپنے شعر کے قالب میں اسکو بھر دونگا
ہمیشہ زندہ رہے گی گلِ حیات کی بُو

کارِ لاحاصل

ملمع سونے پہ اور رنگ پھول پر کرنا
گلوں پہ عطر چھڑکنا۔ بنفشے پر خوشبو
بڑھانا رنگوں میں قوسِ قزح کے رنگ اک اور
اور آفتابِ جہاں تاب کو دکھانا چراغ
ہے سعیٔ مضحکہ انگیز و کارِ لاحاصل

رواں دواں سایہ

زندگی ہے رواں دواں سایہ
اک اداکار ادنیٰ کم مایہ
جو گھڑی بھر سٹیج پہ آ کر
کچھ اکڑتا ہے کچھ بگڑتا ہے
اور پھر ایسے ہوتا ہے غائب
کہ نہ آواز اس کی آتی ہے
اور نہ صورت دکھائی دیتی ہے

یا کہوں یوں کہ اک کہانی ہے

جس کا سر ہے نہ پاؤں ہے کوئی
جو بیاں کر رہا ہے اک احمق
جس میں جوش و جنون ہے شور و غل
کُلیتاً مہمل اور ہے بے معنی

دیا کا جوہر

دیا کا ہے یہی جوہر کہ دل سے اُٹھتی ہے
کسی قسم کا طبیعت پہ زور پڑتا نہیں
فلک سے پڑتی ہے جیسے زمیں پہ میٹھی پھوار

نہ اس میں ہوتی ہے بندش نہ کوئی مجبوری
یہ اپنے آپ ہی ہوتی ہے پے بہ پے ایسے

دیا جو کرتا ہے اس پر خُدا کی برکت ہے
ہو زور و طاقت و منصب اقتدار کے ساتھ
بڑوں میں ہو تو بڑی شان اس کی ہوتی ہے
عصائے شاہی نشان سلطنت کی طاقت کا
جلال و رعب ہے اور اس کے خوف و دہشت سے

عطا و بخششِ حق کی ہے ایک صورت یہ
یہ جس پہ ہوتی ہے اُس پر خدا کی رحمت ہے
توان کا مرتبہ بڑھتا ہے اس سعادت سے
ہے تاج شاہی سے بڑھ کر کہیں جلال اس کا
ہے دل میں اُن کی رعایا کے یہ نشان تنبیہ
بہت بلند حکومت کے دبدبے سے ہے
دلوں میں تخت نشیں ہے بشانِ لطفِ خدا
زمینی طاقتِ شاہی کو وصفِ یزدانی

جلال پاک دیا کا جو بادشاہوں کے
اسی کے فیضِ فراواں سے ہی تو حاصل ہے
اسی سے عدل کو ملتا ہے نورِ حق کا لباس

پندِ سودمند

جہاں دیدہ ہوں، میری سنو۔ تجھے دیکھو
تم آئے تجربے سے میرے استفادہ کرو

نہ لاؤ اپنے خیالوں کو تم زباں پہ کبھی
کرو نہ اُن پہ عمل گر نہیں وہ مناسب

ملو ہر اک سے گراؤ مگر نہ اپنے کو
ہر اجنبی سے ملاؤ نہ دوستی کا ہاتھ
ہے اعتماد تمہیں جن کی دوستداری پر
یقیں ہے جن کی وفا اور خلوص کا تم کو
جو آزمائے ہوئے ایسے دوست ہیں اُن کو
جکڑ کے آہنی زنجیر سے محبت کی
قریب رکھو دل و جاں سے۔ دوستی اُن کی
ہے ایک نعمتِ نایاب۔ بے بہا دولت
نہ لاؤ دائرۂ دوستی میں لیک اُن کو
جنہیں پتہ ہی نہیں ہے کہ دوستی کیا ہے؟

نہ مول لو کوئی جھگڑا نہ کوئی جنگ و فساد
مگر جو جاؤ اُلجھ تو پھر اپنے دشمن کو
سکھاؤ ایسا سبق تم سے خوف کھائے سدا
سُنو ہر ایک کی لیکن کسی سے کچھ نہ کہو
جو نکتہ چیں ہیں تم اُن کی بھی سُنتے جاؤ مگر
اُنہیں نہ رائے سے اپنی کرو کبھی آگاہ
تمہارا جتنا ہو مقدور اُتنا اچھا لباس
ضرور پہنو۔ مگر سادہ ہو نہ بھڑکیلا
ہے شخصیت کا بشر کی لباس آئینہ
اُدھار لو نہ کسی سے نہ دو کسی کو اُدھار
لیا اُدھار تو کھویا جہاں میں اپنا وقار
دیا اُدھار تو ٹوٹے گی دوستی بھی ساتھ

تمام باتوں کی سرتاج ہے مگر یہ بات
کہ اپنے آپ کو ہرگز نہ کبھی فریب نہ دو
خلوص برتو گے گر اپنی ذات و فطرت سے
تو دوسروں کو بھی دھوکا نہ دے سکو گے کبھی
جیو گے ایسے تو پاؤ گے زندگی میں سکوں

تخیل کے پتلے

شاعر اور عاشق اور سودائی
سب تخیل کے ٹھوس پتلے ہیں
ایک کو دیتے ہیں دکھائی بھوت
وہ بھی ناپاک اور خبیث اتنی
کہ جہنم میں بھی سما نہ سکیں
یہ ہے سودائی باولا پاگل
اس سے کچھ کم نہیں ہے عاشقِ زار
جس کی محبوب جو نگاہوں میں
ایسا طوفانِ آرزو ہے بپا
کہ وہ تک میں جبینِ لیلیٰ[1] کی
دیکھا کرتا ہے پے بہ پے جلوا
نور و حسن و جمال زہرہ[2] کا
اور جوشِ جنوں کا شاعر کے
کہنا ہی کیا کہ اس کی برقِ نگاہ
مست و سرشار کوند جاتی ہے
آسماں سے زمیں تک ایسے
کہ چمک اٹھتے ہیں تخیل میں
اس کے انجانی صورتوں کے نقوش
غیر مادی لطافتوں کے وجود
جن کو شاعر کا سحر کار قلم
بخش دیتا ہے اُن کا نام و مقام
اس مکان و زماں کی دنیا میں

ص۱ لفظی: حبشی یا مصری ص۲ لفظی: "ہیلن"

تکبر کے کرتب

ہے اپنی دُنیا میں مغرور آدمی کا یہ حال
جو اُس کی ذات کا اپنی ہے جوہرِ تاباں

اکڑتا پھرتا ہے بہروپ بھر کے وہ اس کا
عجیب حرکتیں کرتا ہے زعمِ عظمت میں
فرشتے دیکھ کے جن کو بہاتے ہیں آنسو

کہ بے خبر ہے سراسر وہ اس حقیقت سے
ہے جس پہ ہر گھڑی ہستی خود اس کی اپنی عیاں
اُسے طلب ہے جو دم بھر کو اختیارِ خدا
ہے جیسے قبضے میں دنیا ہوا کوئی بندہ
بڑے ڈھٹائی سے چلتا ہے چالیں۔ دکھاتا ہے کرتب

سحرِ تماشہ

ہمارا کھیل ہوا ختم رنگ رلیوں کا
دراصل دونوں کا کوئی وجود تھا ہی نہیں
جواب ہوا کی لطافت میں ہو چکے ہیں جذب
یہ ایک نقش تھا موہوم شوقِ جلوہ کا
ہماری زندگی کا کھیل بھی ہے ایسا ہی
یہ شاندار محل اور اُن کے اونچے برج

سٹیج ہے نہ اداکار اب کوئی باقی
یہ کھیل کھیلا تھا کچھ غیر مادی پتلوں نے
یہ ایک سحرِ تماشہ تھا آنکھ کا دھوکا
تھی جس کی اپنی حقیقت نہ کوئی تھی بنیاد
فسانۂ شوقِ تماشہ فریبِ حسنِ نظر
بلند چوٹیاں جن کی ہیں بادلوں میں نہاں

یہ سربلند تبرک مآب دیر و حرم
یہ کائنات ہماری یہ کرۂ خاکی
یہ ہے لطیف عناصر کی خوشنما ترتیب +
رہے گا اس کا نہ کوئی کہیں نشاں تک بھی

عروجِ عرش نما جن کے کلس اور مینار
ہے جس کی عظمت و شوکت پہ اتنا ناز ہمیں
بالآخر ہوگی پریشاں جو ایک دن لیے

جہانِ شوق میں تشکیل خوابِ ہستی کی
تہوں میں نیند کی ہوتا ہے جلد ہی خاتمہ*

ہماری اصل وہ جوہر ہے جس سے ہوتی ہے
یہ مختصر سا شعورِ حیات کا سپنا

ستاروں کی شان

میں مان ہی نہیں سکتا کہ جگ کے خالق نے
کہ میرِ قصرِ جہاں، معمارِ اعظم نے
فقط نمائش و آرائش سما کے لیے
فضا میں حیرتِ چشمِ تماشہ بیں کے لیے

چراغ تا بہ فلک بے غرض جلائے ہیں
سجائی نور سے ہیں آسماں کی محرابیں
کیے ہیں شعلوں کے یا یہ مجسمے آویزاں

حقیر پھول ہو کتنا ہی صحنِ گلشن میں
اک ایک میں ہے جھلک اپنی خاص خوبی کی

اک ایک شے کا جہاں میں ہے مقصد و مطلب
کنارِ آب پہ یا کتنی سادہ کلیاں ہوں

زمیں کی پیار بھری گود میں ہے اس کی جا

ہو سنگریزہ کوئی کتنا ہی بے صرف
نظر میں ماں کی ہے اُس کی بھی اپنی ہی قیمت

+ زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب — موت کیا ہے انہی اجزا کا پریشاں ہونا

یہ حال ہے تو مجھے آئے گا یقیں کیسے

کہ مدعا نہیں کوئی جلالِ رخشاں کا
کہ آسماں پہ ستارے چمکتے ہیں یونہی

بس اُن کا کام ہے چھپکے سے گھومتے رہنا
غلام گردشوں میں قصرِ آسمانی کی

لباسِ زرّیں میں ملبوس جیسے خدمتگار
بغیر کام کے بس آگے پیچھے پھرتے ہیں

موت کی موت

اے موت تو غرور نہ کر اپنے زور پہ
کہتا ہے سب جہاں تری طاقت ہے بے پناہ

دہشت ہے تیرے نام سے ہر ایک کو یہاں
ہر دل میں تیرے خوف کا سایہ گھناؤنا

طاقت کی تیری لیک حقیقت نہیں کوئی
دہشت و خوف کی تجھے تو ضرورت نہیں کوئی

اے سادہ لوح۔ تو جنہیں اپنے خیال میں
کرتی ہے چت وہ لوگ کبھی ہوتے نہیں ہیں ختم

اور میں جو تیری اصل سمجھتا ہوں تو سُن تجھے
مارے گی کیا۔ یہ تاب یہ طاقت نہیں تجھے

آرام میں جو لطف ہے راحت جو خواب میں

اُس سے بھی بڑھ کے سکھ ہے تری میٹھی نیند میں
اس ہی سبب سے دنیا میں سب اچھے آدمی

کرتے ہیں اپنے کام کی تکمیل جلد جلد
اور بھاگے بھاگے آتے ہیں آغوش میں تری

کرتے ہیں ترک ہنسی خوشی اپنے جسم کو
آزاد ہو کے کرتے ہیں حاصل نشاطِ جاں

اے موت تو غرور نہ کر اپنے آپ پہ

تُو دوسروں کی دست نگر ہے غلام ہے
تقدیر کی غلام ہے تُو اتفاق کی

شاہوں کے غیض و غصہ امیروں کے ظلم کی
تو خُونیوں کی قاتلوں کی بھی ہے خوشہ چیں

جنگ و جدل، وبا و علالت، دغا فریب
اے موت تو اک ایک کی خدمت گزار ہے

ایسی ہی نیند نیند ہے ٹونے کی۔ پوست کی

ہستی مری ہے ہستی جاوید و لازوال

غداری بے وفائی شر انگیزی و فساد
کیوں پھر بھی تجھ کو غرور پہ اپنے گھمنڈ ہے؟
آخر یہ سارا زور ترا نیند ہی تو ہے
کیوں خوف کھائے تجھ سے بھلا کوئی آدمی؟
تو خوابِ یک نفسی ہے میں بیداریٔ ابد
اے موت تیری موت ہے میری خود آگہی

روشنِ دل

کہوں کیا کتنا پاکیزہ ہے وہ دل
نہیں چھند چھپاتا آنکھیں نور اس کا

ہے اک اک لفظ میں رس نغمگی کا
وہ جو کہتا ہے گھر کرتا ہے دل میں

لگے ہوں جیسے پر اس کو ہوا کے
کنارِ آب پر پھولوں کی روحیں

ہے کتنا ہی لطیف اور کتنا کامل
کہ وہ نورِ الٰہی سے ہے روشن
حسیں کتنی ہے اس کی وضعِ اظہار
ہے اک اک بات میں موجِ سعادت

عمل میں اس کے تیزی ہے بلا کی
جو ہو یہ شانت تو لگتا ہے ایسے
ہیں مستِ استراحت رقص کے بعد

مرد راست باز

زندگی جس کی سچ پہ مبنی ہو
جس کے معصوم و بے خطا دل میں
ایسا کوئی خیال تک نہ اٹھے
حق و ایماں کو جس سے پہنچے گزند
جس سے بو آئے خود پرستی کی
کٹتے ہوں پُر سکون دن جس کے

بے ضرر اور سادہ خوشیوں میں
جس کو دیتی نہیں فریب اُمید
کر نہیں پاتا غم جسے مایوس
ایسے انسان کو بچاؤ کے
ساز و ساماں کی ہے ضرورت کیا
اس کو تیغ و تفنگ سے مطلب

قلعوں سے اور زرہ بکتر سے
کیا کرے گا وہ مخفی نہ خلنے
برق و طوفاں کا جس کو خوف نہیں
آفتیں آسماں سے ہوں نازل

ہمتیں یا اٹھیں سمندر سے
اس کی بے خوف چشم بینا میں
سب نظارے ہیں زمینِ فطرت کے
کیسے ہی کیوں نہ اس کے ہوں حالات

پیدا تقدیر کتنے ہی اسباب
فکر و تشویش کے کرے ۔ وہ تو
اُن سے آزاد ہو کے ہوتا ہے
غرق یکسر مطالعۂ حق میں

ہوتا ہے ایسے علم اور عرفاں
آسمانی حقیقتوں کا اسے

نیک اندیشی اور پاک خیالی

اُس کے ہر دم کے دوست اور ساتھی
غمِ خویش رفتہ اس کی دھن دولت

یہ جہاں اک سرائے اس کے لئے
راہ میں روح کی زیارت کی

مختصر اور عارضی سا مقام

مبارک ہے جنم اس کا مبارک اسکی تربیت
کبھی سر جس کا حکمِ غیر کے آگے نہیں جھکتا

محافظ اس کے حسین کے ہیں پاکیزہ خیال اس کے
سچائی، سادگی اور حق پرستی ہے ہنر جس کا

نہیں مغلوب جو جذباتِ نفس و غیظ و غصہ سے
جہاں کا ہو کے بھی آزاد ہے جو ہر تعلق سے

جو رحلت کو جہاں سے ہر گھڑی تیار رہتا ہے
نہیں پروا اسے کوئی بُرا یا اچھا کہتا ہے

نہیں جس کو کسی سے بھی حسد کتنی ہی کیسے ہی
خوشامد سے کسی کے دل کو زخمی جو نہیں کرتا

کوئی دُنیا میں پائے سرفرازی اور سرداری
سیاست کے اصولوں پر نہیں جس کا چلن چلتی

ضمیر اپنے کے ہے تابع جو ہے اخلاق پر قائم
جسے تعریف احساس بزرگی دے نہیں سکتی

جسے افواہیں سننے کو نہیں ہرگز کوئی فرصت
تباہ کر گئے جسے بڑھتی نہیں ہے ظلم کی شوکت

جو صبح و شام کرتا ہے پرستش اپنے خالق کی
خدا سے مانگتا ہے بس خود اس کے پیار کی برکت
نہیں اُٹھتا عطیوں کو مگر دستِ دُعا اُس کا
یہ دولت بے بہا ہے اس سے بڑھ کر اور مانگے کیا

گزرتے دن ہیں جس کی زندگی کے پُرسکوں ایسے
کبھی مل بیٹھتا ہے اپنے جیسے سادہ ہمدم سے
کہ رہتا چین سے ہے خود کسی کو دُکھ نہیں دیتا
کبھی چیدہ کتابوں میں جو پاتا ہے جواب اپنا

جہاں میں ایسا انساں فطرتاً آزاد ہوتا ہے
تمنّا سر بلندی کی۔ نہ ڈر رہتا ہے پستی کا
غلامی ہے اُمید و بیم کی۔ اس کو نہیں ہوتی
کہ محرومی میں بھی اس کو کمی ہوتی نہیں کوئی

نفرت

میرا دشمن مرے قریب آیا — تو اُسے میں نے گھور کر دیکھا
تیر غیض و غضب نظر سے مری — چھوٹا تیزی سے بغض و نفرت کی
ہونٹ غصّے سے تلملا اُٹھے — اور مرے انگ اینٹھ اینٹھ گئے
مُنہ حقارت سے میں نے جو موڑا — تو وہ ظالم وہ وحشی یوں بولا
"ایک دن وہ بھی آخر آئے گا — ختم جب ہوگا زہر نفرت کا
تیر جتنے بھی ہیں عداوت کے — چل چکے ہوں گے سارے ترکش سے
پھر ہم اک دوسرے سے پوچھیں گے — ہے یہ بغض و عناد کس کے لئے

اور نہ پائیں گے اس کا کوئی سبب — کوئی معقول وجۂ غیض و غضب

تب یہ سوچیں گے کیسے اور کیونکر — بھر بھر بھڑکے دشمنی کے شرر"

یہ کہا اور سامنے میرے — وہ کھڑا ہو گیا وہیں تن کے

منتظر تھا مرے جواب کا وہ — حرفِ اثبات چاہتا تھا وہ

تاب میں دوستی کی لا نہ سکا

اُس کے آگے سے جھٹ نکل بھاگا — لگ رہا تھا مجھے تو ڈر ایسا

کہ میں دم بھر کو بھی جو رُک جاتا — تو اُمڈ آتا پیار دل میں مرے

اور بڑھ کر میں چوم لیتا اُسے — جیسے بے ساختہ کوئی بوسہ

رے روشن جبیں حسینہ کا

شہنشاہی دولت مری میرا من

شہنشاہی دولت مری۔ میرا من — سراسر سرور و خوشی میرا من

مسرت سا ہے اک سرمدی۔ میرا من — خودی میں ہے اک بے خودی۔ میرا من

وہ خوشیاں میسر ہیں اس سے مجھے — جو بڑھ کر ہیں دنیا کے ہر لطف سے

وہ پاکیزہ و جاں فزا برکتیں — ہیں کم جن سے دنیا کی سب نعمتیں

ابھی پیدا ہوتی ہیں گو خواہشیں — کہ حاصل مجھے بھی ہوں آسائشیں

قناعت کی پُر کیف لذت مگر — بھٹکنے نہیں دیتی من کو اُدھر

II

نہ شاہی جلال و شکوہ سے مجھے — لگن ہے نہ دولت کے انبار سے

نہ پُرفن ذہانت مجھے چاہیئے (ق) نہ ایسی ظرافت مجھے چاہیئے
جو گھائل دلوں کو کرے طنز سے لطافت سے زخموں کو پھر خود بھرے
نہ اُس حُسنِ یوسف کی خواہش مجھے جو چشمِ زلیخا کو خیرہ کرے
میں ان خواہشوں کا نہیں ہوں غلام مرا من ہے اپنے ہی میں شاد کام

III

یہ دیکھا ہے افراطِ نعمت سے بھی بالآخر تو اُکتا ہی جاتا ہے جی
بلندی پہ تیزی سے چڑھتے ہیں جو وہی گِر کے دیتے ہیں جان اپنی کھو
حوادث کا ہوتے ہیں وہ سب شکار جو ہر گام پر کرتے ہیں مار مار
لگاتار محنت سے دن رات کی کماتا ہے دولت و زر آدمی
لگی رہتی ہے ساتھ ہی فکر یہ کہ اس کی حفاظت کرے کس طرح
اُسے خوف رہتا ہے اس بات کا کہیں کھو نہ جائے یہ مال و متاع
یہ منظور ہے میرے من کو کہ ہاں یہ خوفِ زیاں اور فکرِ اماں
میں بندِ تعلق سے آزاد ہوں مگن ہوں میں اپنے میں دلشاد ہوں

IV

میں قانع ہوں ہر حال میں ہر گھڑی قناعت پہ مبنی مری زندگی
نہیں چاہتا میں کہ لاکھوں چلیں مرے حکم پہ اور میری کہی
میں خوش ہوں اسی میں جو ہے میرے پاس مرے من کو ہر چیز آتی ہے راس
کوئی شے نہیں بھی اگر دستیاب تو کیا غم کہ من میں ہے اس کا جواب
میں شاہوں کی مانند ہوں کامراں مرا من ہے اک دولتِ بے کراں

V

ہیں دُنیا میں ایسے بھی کچھ آدمی (ق) نہیں جن کی املاک کی حد کوئی

مگر جن کے دل میں ہے خواہش یہی کہ ہاتھ آئے کچھ اور بھی اور بھی

مرے پاس دولت و ثروت نہیں مگر شکر ہے من میں حسرت نہیں

میں نادار لیکن ہوں دل کا امیر دے اپنا جو اوروں کو میں وہ فقیر

وہ پھیلائے ہی رہتے ہیں اپنے ہاتھ لُٹاتے ہیں جو پاس ہے میرے ہاتھ

ہے پاس اُن کے سب کچھ مگر ہر گھڑی ہے احساس پر اُن کے چھائی کمی

وہ اندیشہ و فکر میں مبتلا میں محفوظ آزردگی سے سدا

VI

میں نقصان پر دوسروں کے کبھی اُڑاتا نہیں اُن کی بے جا ہنسی

مصیبت میں اور اُن کے دُکھ درد میں کبھی بھی نہیں کوستا ہوں اُنہیں

نہ کترا کے اُن سے نکلتا ہوں میں نہ اپنے کو بہتر سمجھتا ہوں میں

نہ امواجِ سود و زیاں دہر کی (ق) نہ جیون کے دُکھ سُکھ کی لہریں کوئی

مجھے مضطرب کر سکی ہیں کبھی بسی ہے مرے من میں وہ شانتی

جو ہر حال میں ہر جگہ ہر گھڑی حقیقت کو اپنی نہیں بھولتی

کسی سے نہیں ہے عداوت مجھے کسی سے نہیں خوف و دہشت مجھے

مری دوستی ہے خلوص و وفا خوشامد کی جس میں نہیں کوئی جا

ہمہ دوستی و ہمہ آشتی سکوں دل میں اور ہر طرف شانتی

مری زندگی سیدھی سادھی بھلی (ق) غنیمت ہے جتنی عنایت ہوئی

نہ ڈر ہے مجھے اس کے آلام سے — نہ ہے خوف کچھ اس کے انجام سے

VII

کچھ ایسے بھی ہیں اس جہاں کے مکیں — جنہیں اعلیٰ قدروں کی وقعت نہیں

ہوس رانی اُن کا معیارِ طرب — کسوٹی خرد کی ہے غیظ و غضب

وہ کرتے ہیں بس زر پہ ہی اعتبار — عیاری ہے اُن کا طریقۂ کار

مگر میری واحد خوشی ہے یہی — کہ من میں ہمیشہ بسے شانتی

مری تندرستی ہے دولت مری — ہے عافیتِ جاں امارت مری

محافظ مری ہے صفائے ضمیر — یقیں اور ایماں مرے دستگیر

میں رشوت سے خوش کرنا سیکھا نہیں — مجھے دھوکا دینا تو آتا نہیں

ہیں یوں جی رہا ہوں بالآخر یونہی — چلا جاؤں گا جگ سے ہنسی خوشی

دُعا ہے کہ میری طرح اور بھی — کریں امن و آرام سے زندگی

کہوں میں کیا؟

(۱)

یہ رنگیلا جہاں اور اس کے خدمتگار احباب ساتھی — اکٹھے ہو کے سب آئے اُٹھانے مجھکو میرا

(2)

اُٹھا حُسنِ جہاں پہنے لباسِ رنگ و بوئے گل — بڑھا میری طرف پھر دعوتِ سیرِ چمن لیکر

نہ اُٹھے ہاتھ لیکن جب مرے اُسکے لئے تو وہ — لگا کہنے "بتاؤ تو ذرا یہ ہاتھ کس کے ہیں"

جواب اس کا مرے [illegible] کیا؟

(۳)

پھر آئی رقص کرتی چھن چھناتی دولتِ دُنیا — لگی کہنے "سُنا ہے راگ کی پہچان ہے تم کو"
بتاؤ تو بھلا میں کر رہی ہوں ناچ کس قصہ پہ — کہوں میں کیا مرے مولا جواب اس کا بھی تم ہی دو

(۴)

لباسِ ریشمی کی سرسراہٹ اور چمک لے کر — جلالِ دنیوی اپنی تجلی لے کے پھر آیا
نہ اُٹھی آنکھ میری اس کی خالی شان شوکت پہ — میں کیا جانوں کہ کیوں مرعوب کر پایا نہ وہ مجھکو
جواب اے ذوالجلال اس کا تم ہی دو کہ میں کہوں بھی کیا؟

(۵)

پھر آئی بذلہ سنجی شوخیِ گفتار و خوش فہمی — لئے تفریحِ طبع کو مری تقریر کی شوخی
مگر اُلجھا نہیں اس میں میں کہتا بھی تو کیا کہتا — شعورِ کل تم ہی خود دو جواب اس خوش کلامی کا

(۶)

مگر اے میرے مالک یہ بھی تو لازم نہیں کوئی — کہ تفصیلاً دیا جائے جواب ان سب سوالوں کا
یہی کافی ہے رنگیلے جہاں کے ان غلاموں کو — دیا جائے یہ جتلا میں تو اک تیرا ہوں بس تیرا
وہ میرے حال پہ ہی چھوڑ دیں مجھکو تو اچھا ہے

جُدائی

اذیت کی جو کہتے ہیں کہ طاقت ہے جدائی میں — جو دُکھ ہے فاصلے میں درد ہے جو اک کی دوری میں
مجھے انکار ہے اس سے کہ میرا تو یہ ایماں ہے — کہ سچا پیار ہے جن دو دلوں میں درمیاں اُن کے

نہ ہوتا ہے مکاں حائل نہ ہوتا ہے زماں داخل
جُدا ایسے دلوں کو موت تک بھی کر نہیں سکتی

کہ پیار اُن کا امر ہے۔ زندگی و موت سے بالا
جُدا ہی نہیں کبھی ایسے دل کبھی تنہا نہیں ہوتے

اُن سے کہہ دو

(1)

شاہی دربار سے کہہ دو کہ چمک سب اس کی
شان و شوکت و درخشندگی و آرائش
چوب بوسیدہ کی صیقل کے سوا کچھ بھی نہیں

(2)

واعظِ دیر و حرم کو بھی سُنا دو جا کر
کرتے ہو نیکی کی تلقین یقیناً لیکن
اپنے کہنے پہ کرو خود بھی عمل تو جانیں

(3)

حکمرانوں کو بتا دو کہ حکومت اُن کی
اُن کے تخت کہ ہم غریبوں کے ہے بل پہ قائم
اُن کی آسائش و عشرت ہے ہمیں پہ مبنی

(3/A)

اُن کی عزت ہے نہ ہے پیار کسی دل میں کہیں
ظلم کے خوف سے کرتے ہیں اُنہیں لوگ سلام
یا کہ ہم جھک کے لئے آداب بجا لاتے ہیں

(4)

اہلِ منصب کو بتا دو کہ وہ ادنیٰ ہیں غلام
اُن کی مرضی ہے نہ کچھ اور نہ طاقت اپنی
بیچ ڈالا ہے اُنہوں نے تو ضمیر اپنا تو خود

(4/A)

اُن کی ہر بات کا مقصد ہے حصولِ منصب
خوشہ چیں ہیں وہ خوشامد ہے وطیرہ اُن کا
لیک لوگوں سے وہ کرتے ہیں حقارت کا سلوک

(5)

اپنی دولت کی جو کرتے ہیں نمائش ہر دم
ان سے کہہ دو کہ گدائی کا ہے پردہ سب ٹھاٹھ
اپنی تعریف و ستائش کی ہے خواہش اُن کو

(6)

جوش و سرگرمی و طوفان روی سے کہہ دو
پردہ پوشی نہ کریں جوش سے کم ظرفی کی
دل میں پیدا کریں صدق اور صفا اور خلوص

(6/A)

عاشقی کا ہے جنہیں دعویٰ بتا دو اُن کو
کہ جسے عشق وہ کہتے ہیں ہوس رانی ہے
محض جسموں کی کشش ہی تو نہیں سچا پیار

(6/B)

یہ فقط حرکتِ دائم ہے۔ زماں سے کہہ دو
آس میں پیدا ہے سکوں اپنی ہی کم نظری سے
وُسعتِ دیدۂ بینا نہیں محبوسِ زماں

(6/C)

جسم کے حُسن پہ اور تاب و تواں پہ اس کی
ناز اور فخر ہے جن کو اُنہیں اتنا دو بتا
کہ یہ رنگینیاں دراصل ہیں اک تودۂ خاک

(7)

زندگی سے یہ کہو عمرِ رواں روز بروز موت کے اور بھی نزدیک ہوئی جاتی ہے
کون تکیہ کرے اک رو بہ تنزل شے پر

(7/A)

نام و ناموس کے دیوانوں کو بھی سمجھا دو آ ہی جاتی ہے یہاں عزت و شہرت و وقار
آج سب کچھ ہے مگر کل کا نہیں کچھ بھی پتہ

(7/B)

حسن کے شعلوں کو کہہ دو کہ وہ بجلی بن کر عاشقِ سادہ کے کاشانۂ دل پر نہ گریں
راکھ ہو جاتا ہے اُن کو بھی بالآخر اک دن

(7/C)

شانِ بخشش و عطا، لطف و کرم سے کہہ دو اعتبار اُس کا بھی دُنیا میں نہیں ہے کوئی
ڈگمگاتے ہیں بھلائی کے قدم بھی اِس جا

(8)

بذلہ سنجوں کی ظرافت سے کہو ہنسی مذاق دامنِ حسنِ لطافت میں لیے ہے رنجش
جس سے اٹھتی ہیں غلط فہمیاں اور جنگ و فساد

(8/A)

فضل و دانش کو دکھا دو کہ وہ مکڑی کی طرح اپنے ہی جالے میں باریکیوں کے پھنستی ہے
خودکشی کرتی ہے عقل اپنے ہی ہاتھوں اپنی

(۹)

اور قانون سے کہدو کہ وہ انصاف نہیں

اک تنازعوں کا فسادوں کا ہے گورکھ دھندا

سادہ لوگوں کو دیا جاتا ہے جس سے دھوکا

(۱۰)

اور تنقید سے کہدو کہ وہ اندھی ہے

اہل و نااہل میں کر سکتی نہیں کوئی تمیز

اُس کو پہچان ذرا اچھے بُرے کی کبھی نہیں

(10/A)

کہدو فطرت سے کہ ہے اسکے حسین جلووں میں

انحطاط اور خرابی و فنا کی صورت

حُسن دائم ہے پر قائم نہیں اسکے جلوے

(10/B)

دوستی ہے جو دکھاوے کی اپنے بھی کہدو نہ

اس کے دامن میں ہے بیگانگی و بے مہری

بے وفائی و ریاکاری، فریب اور دغا

(10/C)

کام جن کا ہے عدل گستری و دادرسی

اُن کے قانون کو کہدو یہ باآوازِ بلند

کہ ہے تاخیرِ عدل اصل میں تنسیخِ عدل

(۱۱)

اہلِ فن اہلِ ہنر اہلِ سخن سے کہدو

حسنِ تنقید پہ مبنی ہے جو حسنِ تخلیق

قدر و قیمت نہیں وقعت نہیں کوئی اسکی

(11/A)

مدرسوں سے کہو تدریس ہے اُنکی سطحی
اُن کی تعلیم میں وسعت ہے نہ گہرائی ہے
علمِ اشیا ہے مگر خود سے نہیں آگاہی

(12)

دین والوں سے کہو زورِ یقیں اُن میں نہیں
نام لینے سے خدا کا اُنہیں شرم آتی ہے
ورنہ کیوں شہروں سے ایمان ہوا ہے غائب؟

(12/A)

بے ایمانی کی غلط کاریاں شہروں میں تو تھیں
اب یہ گاؤں کے بھی ماحول میں جا پہنچی ہیں
رحم و ہمدردی کہیں ملتی نہیں ڈھونڈے سے

(12/B)

اور اخلاق کا معیار ہوا اتنا پست
کہ جہاں چاہتے تھے آدمی نیکی کا کمال
اب وہاں خالی دکھاوا ہی ہے مقصود انہیں

(13)

کڑوی باتیں ہیں جو کہنے کو کہی ہیں میں نے
مُنہ پہ اک ایک کے گر صاف انہیں کہہ دو گے
تو یہ ممکن ہے کہ خنجر کوئی تم پر پھینکے

(13/A)

ظلم اور جبر سے۔ باطل سے ریاکاری سے
بات سچی کبھی برداشت نہیں ہو سکتی
اُن کا خنجر ہی طریقہ ہے زباں بندی کا

(13/B)

لیک ہوتی تو نہیں بند کبھی سچ کی زباں　　جھوٹ غالب نہیں آسکتا صداقت پہ کبھی

خون کر سکتا نہیں روح کا کوئی خنجر

زیارت ح۱

مرا نشانِ زیارت سکونِ خاموشی　　مرا عصائے سفر ہے یقینِ مستحکم

نشاطِ جاں مرا کاسہ، شعورِ ہستِ دوام　　ہے نانِ سادہ مری اور مری شرابِ ناب

ہے ایک جرعۂ آبِ خود آگہی و نجات　　جلالِ ذات کا پردہ ہے میرا خرقۂ فقر

وصالِ دوست کی اُمید میرا دستانہ

(2)

میں جانتا ہوں کہ اب دینا ہوگی جان مجھے　　کھلی ہے میرے لئے اب تو بس یہی اک راہ

نہیں ہے اس کے سوا دردِ دل کا کوئی علاج　　نکل کے آؤں گا اس راہِ خونچکاں سے میں

وہاں زخمِ جگر کو بھرے گا خونِ مسیح　　کفارہ میرے گناہوں کا اُس کی قربانی

ملے گا مجھکو جو انعام اس کی برکت کا　　تو میری روح کریگی خوشی خوشی پرواز

فضائے عالمِ بالا میں سوئے خطۂ بریں　　قدم بڑھاتا ہے جیسے خوشی خوشی زائر

ح۱ اس نظم کو پڑھتے وقت مندرجہ ذیل باتوں کو دھیان میں رکھنا ہوگا۔
عیسائی زائرین جب سینٹ جیمز کی زیارت کو جاتے ہیں تو گھونگے کا خول بطور
نشان پہنتے ہیں۔ زیارت کے اور ساز و سامان میں خرقہ۔ عصا۔ کشکول وغیرہ
شامل ہیں۔
بیت المقدس کی زیارت سے فارغ ہو کر زائرین، خرما کی شاخ بطورِ نشان
اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے۔

لئے سرورِ زیارت دل منور ہیں
گزرتا جاؤں گا اُن نور کے پہاڑوں سے
اک ایک نور کی وادی میں رکتا جاؤں گا
تمام عمر کی میں تشنگی بجھاؤں گا
میں چوم چوم کے جامِ نشاطِ ابدی کو

اور ہاتھ میں لئے خرما کی شاخِ پاک نشاں
ہیں جن کے دامنِ روشن میں چشمے امرت کے
اک ایک نور کے کہسار پر بھٹکتا ہوا
پیوں گا جرعہ بہ جرعہ شرابِ حسنِ حیات

(3)

جو پاک اور مبارک یہ دن میں دیکھوں گا
تو زائرین مجھے اپنے جلسے خوش و خرم
وہ زائرین جنہوں نے لباسِ آب و گل
لطیف ہستیٔ شاداں کی پہن رکھی ہے
پھر اپنے ساتھ پلاؤں گا اُن کو آبِ حیات

نشاطِ روح کا احساس جب مجھے ہوگا
سکونِ جاں میں بسے سر بسر ملیں گے کئی
اُتار پھینکا ہے اور تازہ و شگفتہ قبا
اُنہیں میں لاؤں گا امرت کے میٹھے چشموں پہ

(4)

مٹا کے جامِ شہادت سے تشنگی جاں کی
خدائے حق و صداقت دامن میں جس کی
جہاں ضمیر نہیں ہوتا زر کے زیرِ نگیں
جہاں یسوع کی شفاعت ہر اک کو ہے حاصل
کسی طرح کی بھی قیمت ادا نہیں کرنا۔
مجھے لاکھوں گناہوں کے اپنے۔ اٹھا کے وہاں
عذاب اور اذیت کی غیض و غصہ کی
ہمارے سارے گناہوں کو بخشوا دے گی

چلیں گے عرش کے دربارِ پاک و روشن میں
فساد و فسق کی آواز اُٹھ نہیں سکتی
جہاں ہر ایک کو ملتا ہے حق شنوائی
یہ فیضِ عام ہے اس کا کسی کو اس کے لئے

سزا کریں گے جو تجویز نارِ دوزخ کی
تو دے کے واسطہ اپنا یسوع کی قربانی
اور اس کے قدموں میں پائیں گے ہم حیاتِ دوام

انجام

یہ کال کا خاصہ ہے، وہ سدا لکھ پہ ہی اپنی
اور کرتا ہے واپس جب تو خاک کی اک مٹھی

تو ختم یہ کرتا ہے سب قصہ تگ و دو کا

مقصد نہیں ہستی کا انجام نہیں اپنا

لے لیتا ہے ہم سب سے خوشیاں بھی جوانی بھی

جیون کا سفر اپنا ہو جاتا ہے جب پورا
سو جاتا ہے مرقد میں بے صوت و صدا اپنا
یہ موت کی خاموشی اور قبر کا اندھیارا
بخشے گا خدا تجھ کو قدموں میں خود اپنے جا

بے چینی کی چرخی

ازل میں ہو چکی تکمیل جب تخلیقِ آدم کی
عطا کی قدرتِ حق نے اسے تاب و توانائی
جو جسم و جان نے پائیں نعمتیں یہ نورِ عطا کی
شعور و ہوش اور احساس کی اسکو لطافت دی
جلالِ حق نے تب بڑھ کر اسے عظمت و شوکت دی
نشاطِ روح نے پھر اس پہ برکھا کی مسرت کی
دلِ خالق سے اب اٹھی سکوں کی نعمتِ ازلی
ملی لیکن نہ خالق سے اجازت آگے بڑھنے کی

تو خالق نے کہا "برساؤ اس پہ برکتیں میری"
دیا حسنِ ازل نے پھر اسے شوقِ خود آرائی
تو پھر عرفانِ حق نے اسکو دانائی عنایت کی
بلندی فکر کی وسعت نظر کی دل کی گہرائی
خرد اپنی ارتقا و آگہی کی آرزو بخشی
رگ و پے میں سرور و کیف کی خواہش رواں کر دی
کہ ہو تکمیل برکاتِ الٰہی کے تموج کی
یہ "فرمایا" بشر کو بخش دوں گر میں یہ نعمت بھی

تو مجھ کو بھول کے بھیرے گا اپنی خلقتِ عرشی
وہ سمجھے گا عطیوں کو مرے برکاتِ فطرت کی

سوا اس کے مبارک ہوں اُسے سب نعمتیں میری
یہ بہتر ہے رہے دل میں خلش آرام کی باقی

جو دولت کی خماری یاد کو میری بھلا دے گی
تو دے گی پھر اُبھار اس کو دلِ خستہ کی بے چینی

اگر بھیرے گا انساں نیک کاری خیر اندیشی
تو میرے پاس لائے گی اُسے درماندگی دل کی

سکونِ دل سے انساں کو کبھی محروم رہنے دو
اُسے میری جدائی کے کبھی دُکھ درد سہنے دو

دُعائے بصر

اے ربِ ذوالجلال۔ اے معبودِ کائنات
موسم سب اپنے وقت پہ آتے ہیں ہر برس

ہر ایک کا مقام مقرر ہے دہر میں
میرے لئے تو دن نہیں چڑھتا مگر کبھی

نے صبح کا سہانا سماں ہے نہ شام کا
رنگینیاں تھیں ہیں شگفتہ بہار کی

غنچوں کا دیکھ سکتا نہیں میں ہجومِ رنگ
گلہ مویشیوں کا نہ کوئی طائروں کی ڈار

انساں کا منہ کبھی دیکھتا مجھ کو نہیں نصیب
وہ حسن جس میں منعکس ہے۔ ترا جمال

ظلمت نے گھیر رکھا ہے اب کلیتاً مجھے

کالی گھٹائیں چھائی ہیں چاروں طرف مرے
دیوار سے اندھیرے کی مجھ کو الگ تھلگ

اب کر دیا ہے صحبتِ زندہ دلاں سے بھی
فطرت کے اُن نظاروں سے محروم ہوں جو اب

ملتی شعور و عقل کو ہے جن سے روشنی
قلب و جگر کو ہوتی ہے جن سے خود آگہی

نظارے وہ رہے ہی نہیں ہیں مرے لئے
جلوے وہ سارے مٹ گئے ہیں میرے واسطے

دانش کا خارجی تھا جو ماخذ۔ نہیں رہا
اب تو مری دعا ہے یہی۔ نورِ ذوالجلال

درخشندگی تو اپنی مرے دل کو کر عطا
عرفان و آگہی کی بنیں ایک کہکشاں
ہٹ جائے سامنے سے مرے دھند جہل کی
دیدار اُن حقیقتوں کا ہو مجھے نصیب
جلووں کے ساتھ جن کو ملے قوتِ بیان
اے روحِ ذوالجلال اے معبودِ کائنات

اس کی تمام قوتیں تیرے جمال سے
مشعل جلائیں دل کی آنکھیں تیرے نورِ پاک سے
نا آگہی کی دُھند ہوں کالی گھٹائیں سب
قاصر ہے جن کو دیکھنے سے دیدۂ مجاز
کر پاؤں رازِ غیب مخفی تا کہ میں عیاں

جلالِ باری

بابلائے خیر۔ صانعِ عالم۔ خدائے پاک
یہ معجزات تیری صناعی کی شان ہیں
کیا ذاتِ بے مثال کا ہوگا تیری جلال ×

ممکن نہیں کہ پائے ہر اک دیدۂ مجاز
آنکھوں کو لن ترانی سے کرتی ہے آشنا
اُس شعلگیٔ قدرتِ قادر کا کچھ ہیبت
حسن کی نہیں ہے تاب نظر کو مری ذرا

جلوہ ہے اس کے حسن و جمال و جلال کا

تخلیق کے کرشمے۔ یہ انوارِ کائنات
یہ ہے ترے ظہور کا حسن و جمال تیرے
قاصر ہے اس کے ذکر سے میرا بیانِ خام
تو عرش پر ہے تخت نشیں تیری تجلی
حُسنِ نمو میں ڈھونڈتی ہے اک جھلک تیری
اور دل کو میرے دیتی ہے تسلی شعاعِ نور سے
اور اس عطا و لطفِ نمو کا تجھے خبر

روشن نژاد پاک فرشتو تمہیں نصیب
جس سے تمہارے دن ہیں نہیں رات کا گزر

حاصل ہے اس کا قرب تمہیں۔ جل کے تم سبھی
بیٹھے سُروں میں گاتے ہو حمد و ثنا کے گیت
تعریف اس خدائے دو عالم کی سب کریں
لیکن نہ ابتدا ہے خود اس کی نہ انتہا
تم بھی اُٹھو آؤ اور میرے ساتھ گاؤ آج
لبریز اس کی حمد و ثنا سے کئے ہوئے
گونجے تمہارے نغموں کی آواز خلا میں
ہمساز ہوں تمہاری سُریں میرے گیت سے

جیسے بھی جس جگہ بھی ہو جس حال میں بھی ہو
شامل ہو میرے نغمۂ طاعت میں میرے ساتھ

دیکھو تو گر خموش بھی ہوتا ہوں میں کبھی
چشموں میں وادیوں میں درختوں کی چھاؤں میں

برکت رضا کی بخش سعادت دے خیر کی
کچھ نقشِ شر چھپائے ہوئے ہیں ابھی بھی سر
کر دے ہر ایسے سائے کو اک شعلہ سر بسر

گردا اُس کے تختِ نور کے خرّم و شادمان
آج آؤ اور مجھ سے ملاؤ تم اپنے سُر
ہستی کا جس میں اوّل و آخر و وسط ہے
اور ہاں صلائے عام ہے امواجِ ارضِ پاک
اے خوش نوا پرندو۔ ادھر تانیں اپنی تم
لے جاؤ آسماں کی فضاؤں سے عرش تک
اور تم بھی گاؤ ساتھ مرے۔ جل نوا سیو
دریا و بحر کا ہو ہم آہنگ جل ترنگ
اور تم بھی میرے ہمسفرو۔ رہروانِ ارض
چلتے ہو۔ رینگتے ہو کہ کرتے ہو تم خرام

اعجاز اس ترانۂ تسلیم کا ہے یہ
تو بھی برستا رہتا ہے اس کا فضا میں رس
سُر گونجتے ہیں میرے سرودِ سلام کے
اے ربّ العالمین کرم و لطف کر زیادہ
تاریکیوں میں دورِ شبِ جہل کی اگر
تو آفتاب ہست! تو کرنوں سے خیر کی

ماورائے خوابِ ہستی

اُتر گیا ہو جب آنکھوں سے سحرِ حسنِ نمو
دکھائی پیار کی دے جب لطافتِ اصلی
اُمید و شوق کا سایہ نہ خوف و نفرت کا
نہ جب مجازِ صوَر کا ہو درمیاں حائل
بجائے ہستیِ واحد ہیں کالعدم ہو جب
خزاں کی زرد رُخی ہو کہ تازہ رنگِ بہار
سیاہی ہو غمِ ہجراں کی یا ہو نورِ وصال

سرودِ نے سے جب اُٹھے سکوتِ ہست کی لے
وہ خامشی جو سکوتِ دوامِ ہستی کا

جب اُس کو ہو ملے احساسِ ماورائے حیات
تو اُس کے ہوتے ہیں زیرِ نگیں مکان و زماں

ہو جیسے نیند میں احساسِ نیم بیداری
فسونِ خواب کے چکر سے ہی نکل آئے
کہ ان کی بندشوں میں پھر نہ مبتلا ہو کبھی

کشش و رغبت سے آشنا جب ہو نگہِ بشر
نظر میں جب نہ کوئی انتشار کا ہو عکس
تجلی ایک حقیقت کی ہو۔ کوئی پردہ
لباسِ حسنِ نمو۔ یا فتنۂ مرگ و حیات
ہر ایک شے کی نظر آئے سادہ عریانی
ہو گلنارِ شگفتہ کہ تخم بستہ ہو

نگاہِ پاک کے ہو ساتھ جب سماعِ پاک
خموشی رگِ جاں ہو۔ ستار کی جھنکار
رواں ہیں دامنِ نغمہ میں جس کے صوت و صدا
بشر کو ملتا ہے جب یہ مقامِ دید و شنید
شعور۔ قدرتِ کامل، جلالِ رخشاں کا

فسونِ مجازِ نمو کا کچھ ایسے ٹوٹتا ہے
اور اپنے خواب سے ہو کے آدمی آگاہ
اور اُس کی بھول بھلیوں کو کر لے سر ایسے

بشارتِ صفا

ہر روز ہی دُنیا میں — لیتا ہے جنم کوئی

دُکھ درد میں گھلنے کو — آتے ہیں مگر کوئی

دامن میں لئے خوشیاں

جیون یہ کسی کا تو

اک صبح درخشاں ہے — اوروں کے لئے لیکن

اک رات ہے اندھیاری

یہ سلسلہ دُکھ سُکھ کا

جاری ہے ازل ہی سے — غم اور خوشی ہی تو

تانا اور بانا ہیں — اس جامۂ خاکی کا

جو روحِ بشر آ کر — دُنیا میں پہنتی ہے

وہ روحِ حقیقت میں — جو نورِ الٰہی ہے

ہر درد کے دامن میں

ہے موجِ طرب پنہاں — ہر رنج کے پہلو میں

ہے کیفِ نشاطِ جاں — ہر آہ کے پردے میں

آہنگِ خودی رقصاں

اِن راتوں میں دُکھ سُکھ کے

[illegible]

آسائشِ مطلق کی
عرفانِ محبت کی
بنیاد ہے ہستی کی +

تسکینِ مکمل کی
یہ بے خودی و مستی

احساس ہوا جس کو
ڈر اس کو نہیں رہتا
اٹھ جاتا ہے جیون میں +

اس رازِ حقیقت کا
دنیا میں کسی شے کا
وہ سنخ ہے دکھ سکھ کی

نقشِ الٰہی

مصیبت میں آتی ہے اپنے ہی آپ
محبت کی، برکت کی، تسکین کی
جو ہوتی ہے سچی دعا یہ قبول
تو احساسِ بخشش و فیض و کرم
جبیں کرتی ہے سجدہ با چشمِ نم
رواں دل میں ہوتی ہے موجِ نشاط
محبت و رحمت و فضل و کرم
یہ برکات ہیں جلوۂ کبریا

ہر اک لب پہ فضل و کرم کی دعا
اعانت کی اور رحم کی التجا
جو ملتی ہیں یہ نعمتیں بر ملا
ادا کرتا ہے ایسے شکرِ خدا
زباں سے نکلتی نہیں جب صدا
اجابت جو بنتی ہے سیلِ عطا
عنایت و شفقت و لطف و عطا
حقیقت کا وسیلہ ہیں اس کی چھٹا

یہ پروردۂ حق - وجودِ بشر
وجودِ خدا ہی سے پیدا ہوا

وہ نقشِ ربوبیت والوہیت
یہ آئینۂ حُسنِ صدق و صفا

لطافت کا حق کی مجسم نفس
یہ نورِ نظر اُس کی ہی ذات کا

جو چاہا خدا نے کہ لطف و کرم
مجسّم ہوا اس کا۔ تو اس نے کیا

اُسے قلبِ آدم میں صورت پذیر
اور آنکھوں میں پھر اس کی چمکا دیا

شعاعیں یہ بکھریں رُخِ پاک پر
اور ہونٹوں پہ رنگِ تبسم کھلا

محبت کی حب وسعتِ بے کنار (ق)
ہوئی طالبِ بستگی تو خدا

لباسِ بشر میں ہوا جلوہ گر
تبرک ہوا آب و گل کو عطا

سکونِ حیات اور امن داماں
بنے زندگی کی درخشاں قبا

جو پڑتی ہے مشکل کسی پہ کہیں (ق)
تو ہر شخص ہر قوم ہر ملک کا

کوئی ہو کبھی ہو دین اس کا ایمان کوئی (ق)
اُٹھاتا ہے ہر بار دستِ دُعا

اب آگئے اُسی صورتِ پاک کے
ہوئی جلوہ گر جس میں ذاتِ خدا

محبت و رحمت و فضل و کرم
عنایت و شفقت و لطف و عطا

جہاں بھی ہیں جلوہ فگن بس وہیں
درخشاں ہے نورِ جلالِ خدا

مبارک وہ انساں خوشا وہ وجود
جو آئینۂ برکتِ حق بنا

خالقِ کائنات

آگہی کچھ مجھے نہیں تیری
لیکن اتنا تو جانتا ہوں میں

تیرے ہاتھوں سے خوشتر ہیں
راہ روشن یہ اپنی قائم ہے؛

اور ارض و سما کی وسعت میں — پھرتی ہیں سب ہوائیں آوارہ
تیرے ایما سے رنگ کی دیوار — درمیاں روز و شب کے حائل ہے
دامنِ دشت و صحنِ گلشن میں — پھول کھلتے ہیں حکم سے تیرے +
نور تیری رضائے پاک کا ہے — جگمگاتا ہے جو ستاروں میں +
بحر و بر کی تہوں میں تو نے کیے — ہیرے اور موتی ان گنت ہیں نہاں +
حسنِ تخلیق کا کمال مگر — معجزاتِ نمو کی اوجِ جمال
ہے وہ معراجِ حق کی موجِ رواں — جس سے حرکت میں ہے دلِ انساں

ان مصرعوں کو اصل سے تھوڑا تجاوز کر کے یوں بھی لکھا جا سکتا ہے!-

اصل سے اُن کی بے خبر ہوں میں
اپنی اپنی فضا میں آوارہ
جانتا ہوں مگر ہوائیں سب
پھرتی ہیں تیرے ہی اشارے سے

اتنا معلوم ہے مجھے لیکن
تیرے ایما سے رنگ کی دیوار
وقت ہے ایک رازِ سربستہ
درمیاں روز و شب کے حائل ہے

علم دشت و چمن کا مجھکو نہیں
دامنِ دشت و صحنِ گلشن میں
ایک پایا ہے یہ بہاروں سے
پھول کھلتے ہیں حکم سے تیرے

آسماں تک نہیں مری پرواز
دیکھتا ہوں مگر کہ نورِ رضا
دور مجھ سے ہے وسعتِ افلاک
منتشر ہو رہا ہے تاروں میں

بحر و بر سے نہیں ہوں واقف میں
ہے بس اتنا کہ تو نے ان میں نہاں
اُن کی گہرائیوں کا مجھ کو پتہ
خود سے ہیں ہزاروں لعل و گہر

رفاقتِ حسنِ ازل

جسے نصیب رفاقت ہے حسنِ ازلی کی
کہ آفتاب کی تاب و توان ہے اسکے ساتھ
اور ہمرکاب ہیں ماہِ تمام کی کرنیں

ذرا بھی خوف کبھی بھی اُسے نہیں آتا
قدم قدم پہ ہیں اس کے چراغ انجم کے

بگڑتی ہے کبھی جو صورت کبھی زمانے کی
نشانِ وقت کی بے درد سخت گیری سے
نکھر کے اور بھی ہوتا ہے حُسن نور افشاں

جو آ پڑا وقت کبھی اس پہ آ کبھی جاتا ہے
تو ہاتھ غیب کے اُس کو سنوار دیتے ہیں
کچھ ایسے پڑتے ہیں چھینٹے کہ چشمِ خوش ہی ہیں

پہاڑیوں پہ فقط چاندنی کی چادر ہی
وہ نور زار و لطافت مآب نقشِ قدم
وہ دیوی اُتری تھی جب چپکے سے وہاں چھوڑ گئی
اس آنکھ میں وہ ستارہ جو شام کو تنہا
جمالِ نورِ ازل کا وہ پھول ہے جس میں

اس آنکھ کو نظر آتی نہیں کبھی ہر سو
دکھائی دیتا ہے اس کو تو چاند دیوی کا
جو اوج پہ کسی خوش بخت کوہ کی ثبت ہوا
سکوتِ شب کی گرہ ڈھونڈنے میں نغمہ بجی کہ
بسیطِ وسعتِ گردوں میں جھلملاتا ہے
تمام کرنیں اسی کی ہیں نقطے ہستی کی

II

شرابِ جلوۂ تاباں کے جامِ رنگیں سے
خیالِ پاک سے ہوتی ہے پرورش جس کی

سدا جو سب سے خود و سرشار و مست رہتا ہے
جو یادِ حسنِ تجلی کے دم سے زندہ ہے

رواں ہے جس کے رگ و پے میں موجِ رنگِ جمال
کبھی جو سر جھکتے ہیں آئے گی اُس کے ناداری

ہے خوانِ نعمتِ حال و سرور پر اس کے
پیاس رہتی نہیں کوئی بھی جسے پی کر
کسی بھی شے کی نہیں رہتی بھوک کھا کے جسے
ہمیشہ نور فشاں ہیں تبرک و رحمت
شعاعیں "نام" کے تاروں کی جھلملاتی ہوئی

اُسے تو ہو گی نہ اس وقت بھی کمی محسوس

حیات اس کی مسلسل ہے دعوتِ شیرانہ
مئے نشاط سے لبریز جامِ جلوۂ پاک
وہاں ہے طاعت و تسلیم کی بھی شانِ جلال
اور اس "غریب" کے کاشانۂ دل و جاں میں
جلالِ مہرِ تجلی و حسنِ ماہِ خیال

ظہورِ الوہیت

آتشیں مادۂ تخلیق کو اس دُنیا میں
عہد در عہد ہی ہو گی برابر جاری
تب کہیں جا کے ملی ہو گی انا کو میری
تب کہیں جا کے ہوا ہو گا عیاں سبزے میں

جانے کتنے ہی بگولوں ڈھلا گیا ہو گا مجھے
جانے کتنے ہی دُکھوں کی مجھے دی ہو گی آنچ
صبحِ رخشندہ کے انوار کی رنگین جھلک

کتنے یُگ تیز کینہ نفس میں گزرے ہونگے
جذبِ الوہیتِ خالق کی مسلسل کوشش
آب و باراں کی۔ نباتات کی پیاری صورت
عجز و تسلیم کا اور صبر و قناعت کا رنگ
کتنی ہی سخت ریاضت کا سہا ہو گا درد
سخت تپ اور کڑی سادھنا کے سانچوں میں
تب ابھری ہو گی نمودار مری فطرت میں
تب کہیں جا کے ہوئی ہو گی لطافت حاصل

میرے احساس کی کلیوں کو گلِ "ڈیزی"ؔ کی

ہار کے کرتا رہا ہوں میں نچھاورنے کے بار
تب کہیں جاکے نئی زندگی پائی میں نے
تتلیوں کے سے جو رنگین پروں میں چمکی

حسن کی معراجِ خودی یاب کو پانے کیلئے
اور پھر جامۂ جسم لیا پچھلا ایک نیا
آخرش اُس نے مجھے گود میں اپنی جا دی
میری درماندگی کو شانتی اور چین ملا

اور ملی ہوگی تبھی بحر کی وسعت دل کو
کاوشِ زیست کے میدان جب کٹتے جنموں
تب کہیں جا کے ہوا مجھ کو عطا تازہ دم
مرغزاروں میں جو لہرائی ہے فرحت بن کر
اور گیتوں کے مرے میٹھے سُروں میں اُبھری
ارتقا کے مگر اُس مرحلے کا کیا کہنا
ان گنت بار مجھے موت کو اپنانا پڑا
آخرش مجھ کو ہوا "ماتا" کا دیدار نصیب
اُس کے نینوں سے گرا پیار کا امرت مجھ پر

جمالِ ازل کا شاہین باز

(شکاری باز کو جیسے ہوا میں چھوڑتے ہیں)
(شکار کرنا تھا اک حُسنِ بے مثال مجھے)
ابھی ہیں چاندنی پرچھائیوں کے جھیڑے سے
پروں پہ چاندنی کی ہوگی چمک مرے جسد کے
اک ایسا نغمۂ بے لفظ و بے صدا جس میں

فضا میں میں نے انا کو یونہی اُچھال دیا
پھر اس سے میں نے کہا "انتظار میں رہنا
اک ایسے لمحے کو چھو لکا آؤں گا تمھاری طرف
جو اونچا اُڑتا چلا جائے گا لئے لب پر
جھلک ستاروں کے اسرارِ نور کی ہوگی

ح DAISY

اور ارضِ خاک کے سوزِ جگر کی بھٹی نے
تمہاری نذر میں جب آئے یہ بے بدل اُگلا
نہ چھوڑنا اسے پکڑے ہی رکھنا سختی سے
جمال اس کا تمہیں ڈال دے گا حیرت میں
جھپٹ کے اس پہ اسے دستیاب کر لینا

II

شکار کے لیے لپٹنے لگی وہ منڈلانے
لگا مچلنے اک ہلچل وہاں ہر ایک طرف
مجھے تو طائرِ بے زاغ کی تھی لیک تلاش
لیک اک آتشِ سیمیں کی دفعتاً اُٹھی
فضا میں پیدا ہوئی اک کڑک وہ برقِ رواں
جو پورے زور سے اپنی اُڑان پر آئی
(کمالِ حسن کی پاکیزگی کا یہ عالم)
جمالِ جلوہ یہ اوجِ نمو یہ تھا اپنی
لیا جکڑ اُسے پنجوں میں اور تیزی سے
اُڑی اور اس کے معلق ہوا میں وحشی خودی
میں روندتا ہوا اب جھاڑیوں کو نرسل کی
سنائی دی مجھے مرغابیِ مضطریں کی صدا
(طلب تھی میری نظر کو جمالِ کامل کی)
اور اُٹھ کے سامنے بجلی کی طرح کوند گئی
وہ بال و پر کی سفیدی کی ایک موجِ رواں
چمک پروں کی بنی کلس نورِ انجم کا
فلک یہ دیکھ کے حیران رہ گئے بادل
کہ اس پہ جھپٹا وہ خونخوار تند باز ایسا
زمیں پہ آ اترا میرے پاس لے کے میرا شکار

III

یہ آسمانی غنیمت یہ حسن کا پتلا
اُٹھایا ہاتھوں میں میں نے خوشی خوشی لیکن
وہ اس کے اکھڑے ہوئے پر وہ اسکی چیخی زباں
نہ شانِ حسن تھی باقی نہ اس میں رعبِ جمال
مجسمہ نور کا میں دیکھتا تھا جس کے خواب
وہ ایک بوجھ تھا بے جان بے لچک ظالم
وہ اس کی سیمیا وحشتگی کا سرد دھواں
وہ جسم و جاں کی ہم آہنگی سرورِ حیات

وجودِ زندہ و تابندہ و نشاط انگیز
لیے تھے حسنِ تخیل نے میرے جس کے خواب
سرور و کیفِ نشاطِ دوام کی موجیں

اُڑان حسن کی تھی جو طرح سر خوشی کی مثال
ہوئی تھیں جس کی تجلی سے موجزن دل میں
وہ محض ڈھیر تھا اک گوشت کا رے آگے

IV

مگر میں اب بھی امانے ترنگ کے شاہیں کو
اور اس اُمید سے میں اپنے دل کو خوش کر کے
نواحِ مہ میں ستاروں کے بعد لولوؤں کے گرد
ہاں سے عہد اب بھی جو ہی دل میں دستیاب کہیں
(جو اپنے پیار سے گرما دے جان و دل کو مرے)
ہمیں شکار کا اپنے ہے انتظار ابھی

فضائے دہر کی اونچائیوں میں چھوڑتا ہوں
کہ ایک طائرِ نو پر کو پھر اُڑا لوں گا
میں اب بھی جب کہ یہ سمجھتا ہوں علی التواتر
کمالِ حسن کا واحد و بے مثال وجود
انا کا باز اُدھر بھی اِدھر ہوں سر گرداں

V

(ابھی سمجھ نہیں پایا ہوں میں کہ حسنِ جمال
وہ اس کی روح وہ سرچشمۂ سرورِ حیات
ابھی سمجھ نہیں پایا کہ جستجو کا حل کیا
لطیف و پاک وجودِ منور و درخشاں

جھپٹ کے پایا تو جانا کہ ہے لیک پیار اس کا
نہ گیر و دار سے حاصل ہوا نہ ہوگا کبھی
خرد کی زد میں تصور تو ہے مگر اس کا
گرفت میں کبھی آیا ہے اور نہ آئے گا) *

دُعا

سزا کے خوف سے یا رب رہا کر دے مجھ کو
اور اپنے غیض و غضب کا بھی ڈر نہ رہنے دے

---

* (اضافہ از مترجم)

تجھے تو چاہیئے لذت وہ پیار کی تیرے
کہ جس میں اور نہ احساس کوئی بھی آئے

میں کھلتا اب تجھے اپنانا چاہتا ہوں مگر
ہو دل میں خوف تو ممکن وصال ہو کیونکر

دراصل اپنا مرا ہے ہی کیا عطا ہے تری
زبان بھی نطق بھی قلب و جگر نظر بھی مری

جو تیرا ہوتے ہوئے تجھ سے دور ہوتا ہوں
تو اور کچھ نہیں کرپاتا چھپ کے روتا ہوں

جو راہ میں ترے دربار لطف و برکت کی
جواب دیتی ہے طاقت قطع مسافت کی

تو بیٹھے بیٹھے ہی آگے کو میں سرکتا ہوں
میں تجھ سے اپنا تعلق بنائے رکھتا ہوں

کہ فاصلہ من و تو کا کچھ تو کم ہو جائے
جگر کا درد مرا بڑھ کے تیرا غم ہو جائے

ہے التجا یہی میری یہی ہے میری دعا
دل و دماغ سے ہو دور خوف کا سایا

تو اپنے پیار کی وہ بے پناہ طاقت دے
کشش سے اپنی جو مجبور جلوہ کر دے تجھے

وہ پیار جس نے جگایا تھا تیرا شوق نمو
وہ پیار جس کے لئے عرش سے تھا اترا تو

وہ پیار ہوتے ہیں پتھر کے دل بھی خدا جس سے
وہ پیار پیار کا خالق بھی ہے مطیع جس کے

وہ پیار تاب کبھی لا سکا نہ جس کی کوئی
وہ پیار جس کے قدم میں ہے برق رفتاری

وہ پیار فلسفے جس کیلئے ہیں بے معنی
وہ پیار جو تری صورت ہے اور مری خودی

وہ پیار غیض کی جس میں نہیں ہے کوئی جگہ
وہ پیار ہو نہیں سکتا جو خوف آلودہ

سزا کے خوف سے یارب رہا کرو مجھکو
اور اپنے غیض و غضب کا کبھی ڈر نہ رہے

تجھے تو چاہیئے لذت وہ پیار کی تیرے
کہ جس میں اور نہ احساس کوئی بھی آئے

نابینا

بہارِ نو نے بجائی سحر کی شہنائی
شریلی تان اُٹھی رنگ و بو کی ہر جانب
دل و دماغ میں لہرائے گیت فرحت کے
بہشتِ گوش بنا حسنِ خلدِ نظارہ

میں مستِ نغمۂ حسن و جمالِ فطرت تھا
کہ گزرا پاس سے اک بدنصیب نابینا
ٹٹولتا ہوا راہ کو عصا کی ٹھک ٹھک سے
بہت ہی رحم مجھے اس غریب پر آیا

مگر سوال اچانک اُٹھا یہ دل میں مرے
کہ کیا ہے آنکھوں میں میری وہ نورِ بینائی
ہر ایک شے کی حقیقت اُبھرتی ہے جس میں

ہوا یہ پھر مجھے محسوس میرے ساتھ کوئی
لطیف روح ہے شاید رواں قدم بقدم
جو میری بے بصری پر بھی کھا رہی ہے ترس
جو سن رہی ہے مری اندھی چال کی آواز
حواسِ خمسہ کی لاٹھی سے جستجو میں کرتا ہوں
جہانِ تیرہ عناصر کی جادہ پیمائی
جلالِ حسنِ حقیقت سے بے خبر یکسر
اک اندھا۔ آنکھوں کے اندھے سے بھی ہے جو بہتر

سانورا پریتم

وقت کے ہیں سارے رسیا
ساتھ مرا ہے آخر کا
اکدن اُکتا جائیں گے
چاہنے والے ادھر ترسے

لیکن ہیں بانہیں پھیلا ۔۔۔ تجھے بناؤں گا اپنا
چمک دمک کے سب ساتھی ۔۔۔ میں اندھیارے کا سنگی
صبر ہے کتنا دیکھ مرا (ق) ۔۔۔ برسوں تک چپ چاپ کھڑا
اوٹ میں گہرے سائے کی ۔۔۔ رہ دیکھوں گا میں تیری
پائے گی جب تو مجھ کو (ق) ۔۔۔ تو ہر خواہش سے تجھ کو
مل جائے گی آزادی ۔۔۔ یاد مٹے گی ماضی کی

میری الفت کا ساماں ۔۔۔ نہیں جہاں کی رنگ رلیاں
پیار کا میرے ۔ سرشاری ۔۔۔ مستی نہیں دکھاوے کی
کتراتی جن سے دنیا (ق) ۔۔۔ انہیں میں دیتا پیار اپنا
بھاری بھیگی پلکوں کو ۔۔۔ رنگ سے عاری ہونٹوں کو
دیکھتا ہوں چہرے پہ ترے ۔۔۔ چھائے ہیں غم کے سائے
رونق چھپی اداسی میں ۔۔۔ ڈر سے چھپا تاریکی میں
چھوڑے تجھے تیرے اپنے ۔۔۔ تھک کر مجھ سے دور ہوئے
ساتھ ہوں لیکن جیتے تیرے ۔۔۔ دل میں تیرا پیار لئے
سانورا پیتم میں سانچا ۔۔۔ ساتھ ہے میرا آخر کا
کرتے ہیں یوں تو دعوے ۔۔۔ پیار کی دنیا میں سارے
لیک وفا کے سب دعوے ۔۔۔ ہوتے ہیں ثابت جھوٹے
عہد وفا کا یہ میرا ۔۔۔ ہوا ہمیشہ ہی پورا

میرے گھر تو جو آئے گی
سیج سہاگ کی سدا سجی
عشق رسالیوں میں اس کے
ملے گا کل آرام تجھے
ہوگی دل میں خوشی رواں
چین سے تو سوئے گی یہاں
خواب سہانے دیکھے گی
نیند ہی میں مسکائے گی

گیت

نہ پوچھ مجھ سے کہ جاتی ہے جب بہار گزر
تو خود ہی دیکھ لے سوئے ہیں اب گلاب کہاں
تو رنگ ہوتا ہے غائب کہاں گلابوں کا
ترا جمال ہی ماخذ ہے سب بہاروں کا

نہ پوچھ مجھ سے کہ جب دن غروب ہوتا ہے
تو خود ہی دیکھ لے پنہاں کہاں ہے یہ دولت
کہاں چھپاتا ہے خورشید سونا کرنوں کا
اٹھا کے دیکھ تو پردہ تو اپنی زلفوں کا +

نہ پوچھ مجھ سے کہ جاتا ہے بیت موسم گل
تو خود ہی دیکھ لے بیٹھے سُر ان ترانوں کے
تو بلبلوں کے مدھر گیت ڈھونڈتے ہیں کہاں
ملتے ہیں گھل کے یہ آواز سے تری یہاں

نہ پوچھ مجھ سے ستارے جو شب کو ٹوٹتے ہیں
تو خود ہی دیکھ لے ان کی ضیائے گم گشتہ
کہاں چھپاتے ہیں وہ آسمانی پھلجھڑیاں
ہے تیری آنکھوں میں بن کر کے کہکشاں رخشاں

نہ پوچھ مجھ سے کہ عنقا[ح۱] کا آشیاں ہے کہاں

+ اصل کے مطابق: بھرا ہے نور سے دامن تمہاری زلفوں کا

ح۱ عنقا PHOENIX

نہ یہ کہ شعلوں سے اپنے وہ کیسے اٹھتا ہے
ترے بدن میں مہکتا گلاب بنتا ہے

تو خود ہی دیکھ شرارۂ حیات کا کیسے

مجھے کسی سے پیار ہے

میں پیار کرتا ہوں تجھ سے مگر یہ پیار مرا
یہ بال شبنمی سبزے سے نرم و نازک ہیں
نہیں ہے پیار مرا ان پہ منحصر لیکن

سنہری گیسوؤں سے تیرے منسلک تو نہیں
نفاست اور چمک ایسی ہیں کہ نیلوں کی ہے +

گلابی گالوں کی رونق کا ہی تو پیار نہیں
سپید و سرخ کی ان میں ہے وہ ہم آہنگی
مگر نہیں ہے مرا پیار بس ان ہی کے لئے

میں پیار کرتا ہوں تجھ سے مگر یہ پیار مرا
کمالِ رنگ کا مظہر ہیں یہ شگفتہ پھول
کہ موقلم میں نہ آئے کسی مصور کے

تری نگاہِ محبت کا ہی تو عکس نہیں
کہ تاب لا نہیں سکتا کوئی بھی دل اس کی

میں پیار کرتا ہوں تجھ سے مگر یہ پیار مرا
وہ نور ہے تری آنکھوں میں کیفِ الفت کا
مگر نہیں ہوں میں تیرِ نظر کا تیری شکار

نہیں ہے پیاس فقط تیرے سرخ ہونٹوں کی
وہ جوش و گرمیٔ احساس ہے ان ہونٹوں میں
مگر نہیں ہے مرا پیار تیری شعلہ لبی

میں پیار کرتا ہوں تجھ سے مگر یہ پیار مرا
جو جھوم جھوم کے بھی ان کو تجھ نہیں پاتی
کہ ان کے لمس سے چھو کے دل پگھل جائیں

+ اصل کے مطابق — یہ نرم شبنمی سبزے سے بھی زیادہ ہیں
نفاست ان کی زیادہ ہے کونپلوں سے بھی

بس اک کشش نہیں اُن موتیوں کی جنکی لڑی
وہ رس ہے تیرے دہن میں اک ایک لفظ ترا
مگر نہیں ہے مرا پیار بس خوشی آہنگی

میں پیار کرتا ہوں تجھ سے مگر یہ پیار مرا
ہے پاسباں ترے شیریں سخن و نغمہ کی
لئے ہے صوت و صدا میں ترانہ ہستی

کمالِ حُسن کی دلبری۔ جمالِ محبوبی
جو تیری مرمریں گردن کی ہے لطیف اُٹھان
تری حیات کا آئینہ جمال و نشاط
وہ پیار جو مری محبوب تجھ سے ہے مجھکو
ترے جمال کی رنگینیاں ہیں جس کا عکس

میں پیار کرتا ہوں تجھ سے مگر یہ پیار مرا
نہیں ہے حُسن کے اس نقرئی ستونوں کا پیار
ہے جسکی اوج پہ رخشاں تری جبین کا چاند
مگر نہیں ہے بدن کی چمک دمک کے لئے
مجھے تو پیار ہے "اس تجھ" سے لازوال ہے جو

بہارِ خودی

خوشی کی دیکھنا ہے کرنیں روئے سالخوردہ پہ
شگفتہ مسکراہٹ خنکیوں میں نیلے ہونٹوں کی
ضعیف اعضا میں رقصاں بے تعلق روح کی طاقت
خیالوں کی بلندی اور قوت ناتوانی میں

بہارِ زندگی کی تازگی جھرّیوں میں چہرے کی
جھلکتی برف کے دامن میں رنگینی گلابوں کی
رواں خستہ رگوں میں گرمیٔ احساس کی موجیں
اکٹھا دیکھنا ہے گر بڑھاپے اور ہمت کو

اگر یہ دیکھنا ہے کیسے لیکر بوجھ برسوں کا
اواخر عمر کے اوقات ہلکے پھلکے رہتے ہیں
اور اُن میں کیسے آتی ہے گلوں کی نکہت و نرمی
اگر یہ دیکھنا ہے دوستانہ پیار سے کیسے
جُدا اک دوسرے سے جسم و جاں ہوتے ہیں آخر جب
بشر کی زندگی کا جب فسانہ ختم ہوتا ہے
نہ ہوتی ہے شکایت اور نہ ہوتا ہے کوئی شکوہ
نہ ہوتی ہے کوئی رنجش نہ کچھ تکرار ہوتی ہے
جُدا ہوتے ہوئے اک دوسرے کو چوم لیتے ہیں
اور اک ہلکی سی آہ بے ساختہ لب سے نکلتی ہے
پھر اپنی وسعتوں میں روح آزادانہ بستی ہے
اگر مطلوب ہے دیدار اس روحِ مبارک کا
تو اپنے پہ نظر کر جاوداں ہستی تو ہی تو ہے

مندر میں

مندر میں گئے پوجا کے لئے
دو شخص مگر سچ بات ہے یہ
اک گیا تھا پوجا کو سچی
اک شان دکھلانے کو اپنی
اک مورتی کے نزدیک گیا
اور سامنے اس کے کھڑا رہا
رہی مورتی مورتی اس کے لئے
پایا نہ نکل وہ اپنے سے
سجدے میں جھکا سر دوسرے کا
پر جب چرنوں میں اس کا دھیان لگا
ہوئی مورتی زندہ اس کے لئے
درشن پر جھٹ پائے اُس نے

لندن

گلی گلی سے میں گزرا ہوں شہر لندن کی
مکاں بھی کوچے بھی سڑکیں بھی اور دریا بھی +
ہر ایک چہرے پہ رنج و محن کے نقش نہاں
ہر ایک سمت سے ہر اک صدا میں متواتر
ہراس و خوف کی زنجیر کی چھنک پیدا +

ہے زر خرید ہر اک شے یہاں تجارت کی
ہے ثبت مہر غلامی کی آدمی پہ بھی
ہر ایک آنکھ میں بے چارگی کا عکس عیاں
پکار آدمی کی ہر کہ گریہ طفلک کا

ہے حسن کے خد و خال کی اک گونج حلقہ در حلقہ
دھوئیں کے بن کے جو بادل سیاہ و ہیبت ناک
یہ بے بسی کی کسی بے نوا سپاہی کی
سرشکِ خون کی رنگینی و درخشانی
ہے دردناک مگر سب سے بیشتر وہ شراب
زبانِ کسب سے مجبورِ کسب عورت کی
شرابِ عصمتِ کشتہ کے دردِ عصیاں کا
ہماری زندگی کی ہر خوشی کی ہریالی
اسی کے جھونکوں سے دنیا بنی ہے اک دوزخ
وہ اشکِ پاک بھی معصومیت کا جس کی چمک

بشر کی اپنی بنائی ہوئی ہے یہ زنجیر
یہ درد کی ہے کسی چمنی روب کی آواز
نکلتی آتی ہے انگیٹھیوں سے گرجوں کی +
ہے آہِ سوزِ دروں جو پگھل کے بنتی ہے
ہیں جن سے روشن و رنگیں محل کی دیواریں
جو آدھی رات کو بے ساختہ نکلتا ہے
جو خون کرتی ہے حسن و شباب کا اپنے +
شراب جس کی تپش سے جھلستی رہتی ہے
جلن پہنچتی ہے اس کی دلہن کی سیج پہ بھی
اسی تپش ہی سے ہوتا ہے جل کے خاکستر
طلوع ہوتی ہے نوزائیدہ کی آنکھوں میں

کوئلے کی کان میں

نہیں ہے شکوہ۔ شکایت نہیں کوئی بھگون
مگر یہ دیکھو تو۔ سردی۔ اندھیرا اور جھپڑ
ہے اپنی کرسیِ عرشِ بریں پہ تخت نشین +
جہاں جلاتے ہیں لاکھوں شہاب پھلجھڑیاں
تو اس اندھیری گپھا میں اگر کبھی آئے
اور آ کے گیلی فضا کی گھٹن میں لے کچھ سانس

یہ کان کوئلے کی کھیل کا نہیں میداں
ہمارے حال کی تجھ کو خبر نہیں۔ تجھ تو
جہاں کروڑوں ستاروں کا نور بکھرا ہے
بہارِ زیست کو سورج جہاں ہے گرماتا
چراغ چاند کا اپنی جبیں پہ باندھے ہوئے
تو تھوڑی دیر میں اکتا کے جائے گا تو تھک

ہمارے سر پہ اندھیرا ہی بس اندھیرا ہے
ہمارے کانوں میں پہیوں کی ہے فقط آواز
ہمارے لب پہ مگر ہے دعائے عافیت
تو پھینک اپنی طرف مٹھی بھر ستارے آج

ہمارے گرد رواں کوئلے کی "ویگن" ہیں (۵)
ہمارے دل میں مگر تیری یاد بستی ہے
ہمارے واسطے بھی دل میں ہے ترے کچھ پیار

بھولے تو نہیں کیا؟

بھولے تو نہیں کیا؟ تجھے بھولے تو نہیں کیا؟
جب اس کے سوا بند تھے دنیا کے سبھی کام

وہ درد کے دن، کرب کے دن، جنگ کے وہ دن
شہروں کے چوراہوں پہ رکے جیسے ٹریفک
مانا کہ نکل آیا ہے اب آگے زمانہ
مانا کہ تجھے جینے کی فرصت ہوئی حاصل
مانا کہ ہے بدلی ہوئی حالات کی صورت

(۶) "[illegible] ویگن"

+ براجمان ہے آکاش کی بلندی پر۔

مانا کہ تری زندگی خوشیوں سے بھری ہے
رخشندہ گھٹاؤں کی طرح تیرتے ہیں اب
انمٹ ہو گئی ہے پر وہ خلا فکر و نظر کی
منڈلاتی تھی جو دل پہ ترے بھوت کی صورت

مانا کہ خیالات نئے اور منوّر
اک زندگیِ نو کی کھلی تازہ فضا میں
جو زد سے لڑائی کی ترے سر سے اٹھی تھی

زندہ ہے اسی طرح ـ مہیب اور خطرناک
بھولے تو نہیں کیا؟ تجھے بھولے تو نہیں کیا
وہ دیکھے ہیں مقتولوں کے لاشے ترے آگے
مت بھولنا ان کو کبھی مت بھولنا ان کو

لیکن وہ گذشتہ تو نہیں بدلا ـ وہ اب بھی
ہے جنگ تو جنگ اب بھی ـ وہی خون کی ہولی
وہ درد کے دن کرب کے دن جنگ کے وہ دن
معصوم تھا خوں ان کا ـ تجھے اس کی قسم ہے

II

ہونگے تو تجھے یاد بھیانک وہ مہینے
وہ راتیں کبھی بھولی تو نہیں ہونگی تجھے جب
تو کھینچتا تھا تار، زمیں کھودتا تھا تو
جو سہے تھے کبھی چھچھوندر بھی تجھے یاد ہی ہونگے
گلتی ہوئی سڑتی ہوئی لاشوں کا تعفن
وہ گرد لپیٹے ہوئے تڑکے کی سپیدی
بھولا نہیں گر تو انہیں، اب بھی تو پوچھ کیا
ایسا تو نہیں ہے کہ کہیں جنگ ہو پھر سے؟

ممیتز[1] کا تھا مورچہ جب تیرے حوالے
نگرانی کبھی کرتا تھا تو اور ہاتھوں سے اپنے
اور دمدمے پر رکھتا تھا تو ریت کے بورے
اور آگے کی خندق میں کئی ہم قدموں کی
ہاں ـ سامنے آنکھوں کے تیری اب بھی تو ہوگی
سرخی وہ قیامت کی وہ بارش کی مصیبت
تھم کر ذرا دم بھر کے لئے خود سے ہے پوچھا

۱ـ MAMETZ

ہاں یاد تو ہوگا تجھے اب تک بھی یقیناً
اس حشر میں ڈالی تھی نظر ہم پہ جو تو نے
جن چہروں پہ تھی ثبت سیاہ مُہرِ قضا کی
ہمدردی و مجبوری، غم و غصہ کے آثار
بجلی ہو تری جان میں لہرا گئی جیسے

وہ شور وہ غُل حملے سے پہلے جو بپا تھا
اور دیکھے تھے مُرجھائے ہوئے مُردنی چہرے
تو خود ترے چہرے پہ نظر آتے تھے تجھکو
جھٹکا سا ترے جسم کو لگتا ہوا دیکھا

جب زخمی سپاہیوں کے سٹریچر پہ سٹریچر +
بے خون وہ چہرے وہ سہلگے کے مجسّمے
معصوم جواں آنکھوں میں وہ بجھتی ہوئی لَو
جس لَو میں خوشی اور محبت کے انھی رنگ
ہیں آج عبارت انہیں رنگوں سے بہاریں
اُن آنکھوں کو اُن چہروں کو اُن زخموں کو ہرگز
خوں گشتہ و پژمردہ و بے رونق و بے رنگ

اور ہاں تری آنکھوں میں وہ نقشہ بھی تو ہوگا
بے تاب و تواں جسم۔ لڑھکتے ہوئے وہ سر
گذرے تھے ترے آگے سے اور دیکھی تھی تو نے
جس میں ابھی جینے کی ہلک کانپ رہی تھی
زیتنے تھے جھلک موت کے سایوں میں بھی دب کر
تجھکو انہیں رنگین بہاروں کی قسم ہے
مت بھولنا جن میں تھی جوانی کی اُمنگیں

کھوکھلے انسان

I

خیالِ محض سے تشکیلِ نقش و صورت تک
نزولِ حرکتِ جاں سے جلالِ قدرت تک
نہ جانے جہل کی تاریکیاں ہیں کتنی وسیع +

شعورِ ہست سے حسن و جمالِ فطرت تک
جہاں میں پھیلے ہوئے ہیں مجاز کے سائے
جو آگہی ہے کسی کو تو ایک تجھ کو ہے

ہماری ظلمتِ ادراک تیرا نورِ نہاں

+ مقامِ جہل کو پایا نہ عقل و عرفاں نے — میں بے خبر ہوں باندازۂ [illegible] ہنر (راحت گوندوی)

II

وجودِ وحشت کدۂ جسم و جاں تصور سے — جہانِ شوق کی تخلیق کے مناظر تک
نفیس لذتِ احساسِ موجِ الفت سے — نشاطِ وصل کے ساحل شکن تلاطم تک
طویل سلسلہ ہے زندگی کا عالم میں — ہے کائنات سے باہر حیات کی منزل

ہماری دشت نوردی ترے سکوں کا نشاں

III

شعورِ ذات میں حسنِ نمو کے اٹھنے سے — جمالِ ذات کے انگڑائی پہلی لینے تک
جلالِ ذات کے مظہر جہانِ امکاں سے — انائے ذات کی صورت گری کے جلووں تک
لطیف لفظِ خودی سے وجودِ اشیا تک — وسیع سایہ ہے ہر سو فضا میں چھایا ہوا

جو آگہی ہے کسی کو تو بس تجھی کو ہے
ہماری ظلمتِ ادراک تیرا سِرِّ نہاں

خموشی کی لَے

نہیں جو مرگِ ناچشیدہ وہ پائیں گے رموزِ حیات کیا — مرے نہیں جو وہ کیا جئیں گے کہ زندگی موت ہی میں بسی ہے
نہیں خموشی کے نغمے سے واقف جو راگ وہ گا سکیں گے بھلا کیا — سکوت کامل ہی ہے تو پیدا تمام راگوں کی نغمگی ہے

کایا پلٹ

تم آؤ گے یہاں واپس تو مجھ کو پاؤ گے
یہ نور آنکھوں کا ہوگا نہ میرے ہونٹوں کا
یہ حسن دیکھ کے ڈوبو گے کیفِ حیرت میں
وہ دورِ چین اور آرام کا نہ تھا عرصہ
لطافت حسن کی۔ رنگت جمال کی کیونکہ
ادا اس پہ نکہتِ شیریں ہے جیسے موج بموج
تجھے خبر نہیں تنہائیوں میں بس کر میں
بس ایک تیرے تصور میں بے خود و سرشار
جو راستے ہیں پُر اسرار صومعۂ دل کے
ترے ہی پیار کی یادِ حسیں کے دامن میں

جمالِ پاک کی رخشندگی سے مالا مال
شعاعیں دے رہا ہوگا۔ مگر جلال جمال
یہ حسن مجھ میں نہ تھا یہ کہاں سے اُبھرا ہے
جو دورِ تیری جدائی کا مجھ پہ گزرا ہے
اُمڈ کے آتی ہے سادہ وجود میں میرے
اُٹھی ہی آتی ہے اس جسم کے گلستاں سے
ترے خیال کی پاکیزگی میں ڈھلتی رہی
میں خلوتوں ہی میں دل کی خرام کرتی رہی
اُسے نہیں یہ خرم و شاداں و مسرت چلتی رہی
یہ جسم و جاں کی لطافت اک ایک پلتی رہی

قرض

میں قرض کیسے چکاؤں گی اس کا جس نے مجھے
حسین خوابوں کی دولت سے مالا مال کیا
جب اپنے خوابوں کی دنیا ہی مٹ چکی تھی ہری

میں کیسے قرض چکاؤں گی اس کا جس نے مجھے
زبان بند تھی جب اور شکستہ سازِ دلی
عطا کی نغمگی شیریں سنہرے گیتوں کی

پیامبر

اے مرے ہمراہیو۔ اے میرے گیتو۔ الوداع
ہو گیا ہے ختم یہ شیریں تعلق روح کا
یا جنم تم کو دیا تھا جس نے گام آ ام نے
اور کتنوں ہی کو ہو گی تمنگی کل تک نصیب
اب تمہیں جانا ہے لیکن اپنی اپنی راہ پر
یاد ہے گزری خوشی کی اس کو کرنا خوشگوار
دل کی تسکیں کا ہے ساماں غم ہیں بھی یادِ نشاط

اس سفر میں رنج و راحت درد اور آرام کے
اور آنکھوں سے تمہاری اشک برسیں گے کبھی
تو یہ کہنا دل غمِ امروز سے آگاہ ہے

تم سے تھا میرا تعلق مختصر سا ایک کھیل
برق یا خوشبو کے لمحوں کی ہو یا اولاد تم
تم ہی میں سے کتنے تو میٹھے سروں میں ڈھل گئے
تم بہر صورت ہو میری ذات کا نقشِ حسیں
راہ نا ہموار ہو گر اور پتھریلی زمیں
رس حسرت کا ہے میٹھا بیتی ہی کا کیوں نہ ہو
الوداع ہمراہیو۔ اے میرے گیتو۔ الوداع
لوٹ کر واپس سفر سے اب نہیں آنا تمہیں
پھول برسیں گے لبوں سے مسکراہٹ کے کبھی
لوگ پوچھیں گے خوشی کی وجہ اور غم کا سبب
دیدۂ بینا میں فردا کی خوشی کا نور ہے

بازیچۂ حیات

خوشی سے ناچ رہی ہیں وہ ڈالے ہاتھ میں ہاتھ
نصیب بحر کی موجوں کو ہے سرورِ حیات

وہ گا رہے ہیں، مگر سُر گیت مل کے سب پنچھی
سرورِ ہست سے معمور ہے فضائے ہی

مہکتے پھولوں سے گودی بھری ہے دھرتی کی
عطا ہوئی ہے اسے زندگی کی رنگینی

شرارے دامنِ آتش سے اٹھتے ہیں خنداں
لپکتے شعلوں میں بھی ہے نشاطِ جاں رقصاں

ہوا بھی پانی بھی دھرتی بھی اور اگنی بھی
یہ سب عناصر ہستی ہیں غرقِ کیفِ خودی

بنا ہے قالبِ انساں انہی عناصر سے
ملے ہیں اس کو مگر کچھ ہی لمحے خوشیوں کے

نشاط سے ہوئی تخلیق جس کی اُس کو بھلا
نصیب غم ہوا کیوں، درد دل میں کیوں اُٹھا

اُداسی +

آسماں صاف ہے بادل کا نشاں تک بھی نہیں
کرنیں سورج کی لئے تازگی و نورِ حیات

بحروبر کے دلِ حساس کو گرماتی ہیں
دمبدم ناچ رہی ہیں بتبسم لہریں

سرخوش و مست و سبک پا و درخشندہ بدن
چھوٹے چھوٹے سے جزیروں نے ادھر ساگر کے

اور برفیلے پہاڑوں نے بلندی پہ اُدھر
پہن رکھا ہے شعاعوں کا لباسِ زرّیں

اُجلی اُجلی ہے فضا جس کی چمک سے ہر سُو
اوج پر کوہ کی پیدا ہے جھلک اُودی سی

+ اس نظم کو پڑھتے وقت اسی بات کو دھیان میں رکھنا ہوگا کہ شیلے جس موسم کا بیان کر رہا ہے وہ یورپ (اٹلی) کا موسم ہے یورپ میں عموماً (اور انگلینڈ میں خصوصاً) مطلع صاف کم ہوتا ہے ایسے دن نہایت ہی خوشگوار گنے جاتے ہیں جب سورج اپنی پوری آب و تاب سے چمکتا ہوا دکھائی دے۔ سورج کی کرنیں گرمی اور تپش سے نہیں بلکہ بہار اور [illegible] سے منسوب ہیں۔ جب

سطح پہ بحر کی لہراتی ہے نیلی چادر ۔۔۔ کارواں جیسے ہو الماس کی کرنوں کا رواں

ارضِ نم کا نفسِ نرم و معطر و لطیف ۔۔۔ عارضِ ہر گُلِ خوابیدہ کو سہلاتا ہے
نغمہ بر لب ہیں ہوائیں مترنم ہے فضا ۔۔۔ رس بھرے گیتوں کی کرتے ہیں پرندے برکھا
جوشِ امواجِ تلاطم نہیں اب شور بپا ۔۔۔ نغمۂ زیست کی لے بن گیا ہے ان کا خروش
وہ ہم آہنگی ہے ان نغموں میں لگتا ہے مجھے ۔۔۔ کہ یہ سب ایک ہی آواز کے ہیں زیر و بم
کیفِ ہستی کی نشاط آفریں آوازِ بقا ۔۔۔ شہر کا شور بھی اس جا تلک آتے [illegible]
گونج تنہائی کی بن جاتا ہے اک [illegible] ۔۔۔ اور بن جاتا ہے خلوت کے سرودِ [illegible]

II

نہ سمندر میں رواں ہے کوئی کشتی نہ جہاز ۔۔۔ اس کا پانی ہے شفاف اتنا کہ آتی ہے نظر
اودی احمر سبز وہ سب بوٹیاں بکھری [illegible] ۔۔۔ فرش پر گیسوئے سنبل کی طرح پھیلی ہیں
یوں لپکتی ہیں کنارے کو درخشاں لہریں
موج در موج رواں کہکشاں ہو جیسے ۔۔۔ جھلملاتی ہوئی برسات کی یا ہیں لڑیاں

کرنیں سورج کی شرر خیز ہیں یوں موجوں پہ ۔۔۔ بجلیاں کوندتی ہوں جیسے زمیں پر آ کر
قدرتِ حسن کے اس منظرِ کیف آگیں میں ۔۔۔ اُٹھتی ہر لہر سے ہے پیار کی جب بیٹھی لے
اور آہنگ ترانے سے ہے لبریز فضا ۔۔۔ ریت پر میں لبِ ساحل ہوں اکیلا بیٹھا
ہوتا اس وقت جو ہمدرد کوئی پاس مرے ۔۔۔ جس کا دل ہوتا مرے سوزِ جگر کا ہمراز

زندگی اپنے ہر قالب سے جھلکتی نظر آتی ہے۔ شیلے نے نظم میں ایسے ہی موسم کے ایک حسین د
جانفزا دن کا زندہ و تابندہ منظر پیش کیا ہے اور اس کے ساتھ شاعر کے اپنے دل کی
اُداسی کا دلگداز توازن۔ یہی توازن اس نظم کی جان ہے۔

اور جو آپ ہی پالیتا مرے پیار کی بات
زندگی میری بھی ہو جاتی حسین اور شیریں

III

لیک صد حیف کہ ہمت نہیں اب مجھ میں نہ آس
پاس میرے نہیں سرمایۂ روحانی بھی
ہیچ سب ثروتِ کونین ہے جس کے آگے
اور پھر حلقۂ تنویرِ تجلی و جلال

تنِ خستہ میں ہے مایوس مری جانِ حزیں
مجھ کو حاصل نہیں معراجِ خودی کی دولت
اہلِ دل ڈر کے خود اپنے میں پلتے ہیں جسے
سر پہ پہنے ہوئے کرتے ہیں دو عالم میں خرام

نہ مجھے زورِ حکومت ہے نہ شہرت حاصل
نہ ہوئی مجھکو کبھی فرصتِ آرام نصیب
زندگی کرتے ہیں ہنس ہنس کے وہ کہتے ہیں حیات
جانے کیوں ساقیٔ فطرت نے مگر میرے لئے

نہ ملی پیار کی نعمت مجھے اس دنیا میں
اور لوگوں کے تو حصے میں خوشی آئی ہے
عیش و آرام کا اک سلسلہ ہے جام بہ جام
زہرِ غم بھر دیا ہے جام میں میرے لب تک

IV

سہتے سہتے ہوئی ہے درد کی شدت میں کمی
اب تو نرمی سی ہے مایوسی میں اپنی پیدا
موجِ غم جیسے کہ ہو موجِ نسیمِ سحری

وہ کسک اب نہیں باقی جو کبھی پہلے تھی
درد و غم میں بھی ہے یک گونہ لطافت و سکوں
لہر نازک سی ہو جیسے بحر کی ساحل کے قریب

آنسو ٹھٹکے مانند سسکتے ہوئے بچے کی طرح
اور کچھ دیر بہا لوں گا میں غم کے آنسو
سرد گالوں کو بالآخر مرے سہلائیں گے

روتے روتے جو کہیں میں بھی پڑا سو جائے
غم اٹھائے ہیں جو اب تک جو اٹھائے ہیں ابھی
تازہ و گرم سمندر کی ہوا کے جھونکے

اونچی اٹھتی ہوئی لہروں کے دامن میں — فکر کی آخری رو ڈوبتی آئے گی نظر
اور پھر موت آئے گی دبے پاؤں تو" صدا — اُس کے آغوش میں میں چین سے سو جاؤں گا

کتنا شیریں و دلآویز تھا اس دن کا جمال
لطف اندوز نہ ہو پایا مگر میں اس سے +

خود ہی محروم رہا - اس سے نہ ہمساز ہوا
حُسنِ جلوہ کی لطافت کو پراگندہ کیا +

دل جو انوارِ تجلی سے منور نہ ہوا
میری کم بینی سے لیکن نہیں پڑتا کچھ فرق

تب کے پردے میں وہ چھپتا ہے منظر کا جمال
آنکھ میں اپنی بسا کر اُسے بخشی ہے بقا

آنکھ سے ہو گیا وہ نورِ بدامن منظر
غم اسی نوع کا جو محسوس کیا ہے میں نے
میرے مرجانے پہ کچھ لوگوں کو بھی ہو شاید
لیکن اس بات کا افسوس انہیں بھی ہو گا

تب جھٹ دیکھتے ہی چھپ گیا جنہ سایوں میں

دید کی لذتِ شیریں سے - دلِ یاس زدہ
میری مایوسی نے پژمردہ دلی نے میری

مجھ سے صد حیف کہ توہین ہوئی فطرت کی
دُھندلا آنکھوں میں جو شکووں کی بدولت رہی +
حُسنِ فطرت کی دلآویزی و شیرینی میں
نورِ خورشید سے ملتی ہے تجلی جس کو یہ
زندہ رہتا ہے مگر یاد میں اس کی جس نے

میری افسردہ دلی کو ہے یہ غم کہ اجل
یاس آلودہ نظر جس کو نہ اپنا پائی
منظرِ نورِ بدامن کے گزر جانے پر
اُن کو ہمدردی و الفت تو نہیں ہم تجھ سے
کہ گیا اُٹھ کے وہ غریب الوطن اس دنیا سے

صدا فیض

قدرِ حسن کی نہ ہوئی جس کو سمجھ پائے نہ وہ
جس کے سننے کی ہوئی تاب نہ فرصت اُن کو

دامنِ شعر میں لایا تھا جو اپنے بھر کر
نور و پاکیزگی و حسن و جمالِ فطرت

اور سازِ دلِ حساس کے تاروں میں لطیف
راگ ہمدردی کے اور پیار کے شیریں نغمے

حسن کی شیرینی و درخشندگی کچھ کم نہ ہوئی
ناشناسی و حرف گیری و ناقدری سے

حسنِ فطرت میں کمی جیسے نہیں ہوتی کبھی
دل کی مایوسی سے اور آنکھ کی بے لبری سے

"یہ ترا جام ہے"

(۱)

تیرے ہی حصے میں یہ جام ازل سے آیا!
سچ تو یہ ہے ترے ان ہاتھوں نے خود کی ہے کشید

جام میں تیرے بھری ہے جو یہ بے نور شراب
جگ کے جگ بیت گئے تجھ کو نہیں سکی خبر

شاخِ عصیاں کے ثمر ہی سے یہ شیریں تلخی[۱]
خود ترا دستِ ہوس جام قضا میں لایا

میرے ہاتھوں تجھے یہ جام تو پینا ہوگا
یہ ترا جام ہے

۱؎ سوامی جی کے موضوع سے گریز کرتے ہوئے میں یہاں یہ اضافہ کرنا چاہوں گا۔

تجھ کو معلوم بھی ہے کتنے جنم بیت گئے
بادۂ تلخیٔ ایام کو پیتے پیتے
"تشنگی پھر بھی تری کم نہیں ہونے پائی"
آج پینے کا سلیقہ میں سکھاتا ہوں تجھے

(باقی اگلے صفحہ پر)

— (۲) —

یہ تری راہ ہے

تیرے ہی واسطے مخصوص و مقرر ہے یہ راہ
دشت سے ہو کے گذرتی ہے یہ درد و غم کے
پھر بھی اس راہ گذر پہ تجھے چلنا ہوگا
جو نہ ہرگز تجھے رکنے کی اجازت دیں گے

یہ خطرناک کبھی تاریک کبھی دشوار بھی ہے
"دن کو ہوتا ہے جہاں شب کی سیاہی کا گماں" (محرم)
میں نے اس راہ میں پھیلائے ہیں پتھر ایسے
ہر قدم ہونا ہی ہوگا تجھے سرگرم سفر

دوسروں کے لئے کچھ اور کھلی ہیں راہیں
دلکشا وہ بھی ہیں، روشن بھی ہیں ہموار بھی ہیں!
با دلِ شاد رواں ہیں جو مسافر ان پہ
بند ہیں تجھ پہ مرے لال مگر یہ راہیں
میں نے مخصوص کیا ہے جنہیں تیرے ہی لئے[1]

جو گزرتی ہیں مسرت کی ہری وادی سے
آئیں گے تیری طرح وہ بھی بالآخر مجھ تک
تجھ کو دکھ درد کے رستوں سے گزرنا ہوگا

لے تو یہ دُردِ تہہ جام خوشی سے پی جا
ڈال دے پھر مری آنکھوں میں تو اپنی آنکھیں
ان میں پا جائے گا تو رازِ شکستِ شیشہ
پیاس بجھ جائے گی سب تیری ہمیشہ کے لئے

[1] اس بند کے موضوع کو یہاں سے بدلتے ہوئے یہ اضافہ کرنا ہوگا۔
جگ کے جگ بیت گئے تجھ کو نہیں اس کی خبر
آمد و رفت کا ہے سلسلہ کب سے جاری
آ، چلنے کا طریقہ میں بتاتا ہوں تجھے

(باقی اگلے صفحہ پر)

اس میں دُکھ درد ہے سُکھ چین کا یہ کام نہیں
اس میں بس محنت و تکلیف ہے آرام نہیں

میری تخلیق میں اس کام کا ہے خاص مقام
مدعا اس سے مرا کیا، مرا مقصد کیا ہے
یہ سمجھنے کی ابھی کوششِ بے سود نہ کر
میرے ایما سے اُٹھ اور اُٹھا تو یہ کام سنبھال
خود بخود راز یہ تقدیر کا کھل جائے گا
دیکھ پھر جلوۂ تاباں کا ان آنکھوں سے جلال

یہ ترا کام ہے
نہ نمائش کی ہے اس کام میں کچھ گنجائش

اس کی تکمیل کسی اور سے ہونے کی نہیں
آج میں دعوتِ تسلیم تجھے دیتا ہوں
کلکِ تقدیر نے کیوں لکھا ترے نام یہ کام
عرض کی تجھ کو اجازت ہے نہ ہے اذنِ سوال
ہنستے ہنستے تجھے یہ بار اُٹھانا ہوگا
میرے کہنے سے تو کر بند یہ آنکھیں اپنی

دے مرے ہاتھ میں ہاتھ اور اسی راہ پہ چل
بھول جا رنجِ سفر چھوڑ دے سب فکرِ مآل
خوفِ گم گشتگی و دوریِ منزل کا خیال
عشق کا پہلا قدم ہی ہے نویدِ منزل

ملکہ مجاز

انتساب — بنام ہیریٹ

یہ کس کے پیار کی کرنیں ہیں جو سپر بن کر
عناد و بغض و حسد نفرت و حقارت کے

جواب بن کے مرے شعر کی لطافت کا
حسین صلہ ہے یہ جذباتِ پاک کا میرے

وہ نورِ حق و صداقت کا مہر و الفت کا
بڑھائی جس نے مری تابِ نیک کرداری

جمال و حسن محبت کی ضو فشاں کرنیں
مری اخوت و انسان دوستی کو جلا
یہ پیار بانہوں میں جس کی ہے کائنات تمام

سرودِ شعر کا میرے ترنمِ شیریں
عطا ہوئے تجھے فیضانِ روح سے تیرے
مرے کلام کے گلہائے تازہ و رنگیں

مجھے بچاتی ہیں زہریلے تیز تیروں سے

یہ کس کی شیریں و جاں بخش قدرداں تحسین
خلوصِ دل سے مرا حوصلہ بڑھاتی ہے
گراں بہا ہے یہ انعام شاعری کا مری
ملا تھا کس رخِ تاباں سے روح کو میری
جگائی جس نے مرے دل میں خیر اندیشی

میں ڈوب ڈوب کے نظروں میں کس کی دیکھا کیا
ملی کن آنکھوں کی رخشندہ مسکراہٹ سے
تری نگاہوں نے بخشا ہے ہیریٹ مجھ کو

دل و دماغ کی پاکیزگی کا میری کمال
مرے تخیل و تخلیق و فن کا حسن و جمال
کھلے تھے تیرے بہار آفریں نفس سے ہی
جنہیں میں تارِ سخن میں پرو کے لایا ہوں

ترے کرم کا۔ عنایت کا تیری شکرانہ
صفائے قلب و نظر کا۔ سرورِ جاں کا خزانہ
قبول کر اسے، دے اپنے دل میں اسکو جا

یہ میری نذرِ عقیدت یہ پیار کا ہدیہ
وفا کا عہد یہ پیماں مری محبت کا

گزرتے جائیں نہ کیوں کتنے ہی برس لیکن
چمن سے دل کے اکٹھا کیا ہے چن چن کر
صنم کدے میں ترے دل کے فیض سے تیرے
یہی سعادتِ ازلی ہے برکتِ ابدی

زمانہ کتنا ہی چاہے بدلتا جائے رنگ
ہر ایک غنچہ ملغمہ و شعر جو میں نے
سدا رہے گا شگفتہ، معطر و تازہ
کہ تیرے نام کی نسبت ہی ہے بقائے دوام

ابتدائیہ

اس نظم میں شیلے نے سیاست کے ظلم وستم۔ تجارت کی لوٹ مار اور مذہبی تعصب اور قہرمانی کے خلاف آواز اُٹھائی ہے لیکن یہ آواز قنوطیت کی آواز نہیں۔ اس نے ایک ایسی دُنیا کا تصور پیش کیا ہے جس میں آزادی۔ اخوت اور محبت انسان کی زندگی کو خوشگوار اور پُر نشاط بنا دیں گے یہ تصویر ملکہ "مجاز" مادرِ گیتی۔ کی زبانی بیان کیا گیا ہے۔ ایک پاکدامن' نوجوان حسینہ اپنے غمزدہ محبوب کو داغِ مفارقت دے جاتی ہے۔ اس کی پاک روح کو مادرِ گیتی اپنے نورانی رتھ پر عالمِ بالا میں لے جاتی ہے اور اُسے اُس کی اپنی قادر و سرخوش حقیقت سے آشنا کر کے ماضی، حال اور مستقبل کا نظارا کراتی ہے۔ آئندہ کا خوشنما منظر دکھا کر مادرِ کائنات اُسے ایک بار پھر اس کے خاکی جسم میں آگہی کی پاک اور پُر کیف زندگی بسر کرنے کے لئے واپس زمین پر بھیج دیتی ہے۔

اس نظم کو پڑھتے وقت تین باتوں کو خیال میں رکھنا لازمی ہے اول یہ کہ جس وقت شیلے نے یہ نظم کہی اس کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی۔ قدرتی طور پر اس میں عنفوانِ شباب کا جوش ہے یہ جوش کئی مقامات پر سخت کلامی کی صورت اختیار کر لیتا ہے نظم کی سپرٹ کو برقرار رکھتے ہوئے میں نے کسی قدر اس کو نرم کیا ہے اور فٹ نوٹ میں اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

دوسری اور زیادہ اہم بات یہ ہے کہ شیلے نے مذہب کے خلاف جو بہت

کچھ کہا ہے اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اُسے ذاتِ باری کی حقیقت سے انکار ہے اس نے خود اپنے نوٹ (NOTES) میں کہا ہے ۔

"خدا کی ہستی سے انکار سے مراد ایک خالق کی ہستی سے انکار ہے ۔ (یعنی ایسی کوئی ہستی نہیں جس نے سات روز میں دنیا کو تخلیق کیا) انکار اس ہستی جاودان ۔ روح اعظم سے نہیں جو تمام عالم میں رواں دواں ہے اور جس میں تمام عالم بس رہا ہے ۔"
اس حقیقت کا بیان اور احساسِ خودی کے منور نقوش اور خود آگہی کے نغمہ بدوش کیف و سرور کی صورت گری ہی دراصل اس نظم کی جان ہیں ۔

تیسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ روح کے جس بعد از مرگ تجربے کا شیلے نے بیان کیا ہے اس کی تصدیق نہ صرف مذہبی کتابوں سے بلکہ زمانہ حال کی طبی اور نفسیاتی تحقیق سے بھی ہوتی ہے ۔

THIS NEGATION MUST BE UNDERSTOOD ONLY TO AFFECT A CREATIVE DEITY THE HYPOTHESIS OF A PERVADING SPIRIT COETERNAL IN THE UNIVERSE REMAINS.

ملکۂ مجاز

موت اور گہری نیند ہیں ہمزاد
شیریں و دلنواز نیند کا روپ
حسن میں موت کے ہے دہشت و خوف

نیل لب، بے ضیا و بے رونق
ماہِ بے آب - رو بہ انحطاط
غنچہ لب، تبسم درخشاں
تختِ زریں پہ موجِ قلزم کے
صبحِ خنداں کی جلوہ افگن ہو

چشمِ حیرت کے واسطے لیکن
دونوں ہی ایک رازِ سربستہ

داغِ عصیاں سے پاک سرتاپا
جسمِ پاک اُس کا محض خواب میں ہے؟

لے لیا ہے گرفت میں اپنی

ہے کشش اپنی اپنی دونوں میں
اور جاذبِ نظر جمالِ مرگ
خواب کے حسن میں سکون و سرور ہے

موت یوں زرد رخ ہے جیسے ہو
بسترِ تار پر افق کے دراز
خواب رنگیں ہے اس طرح جیسے
پاک دامن لجاتی دوشیزہ

خواب اور موت میں ہے کتنا فرق
انتہائی کشش ہے دونوں میں

کیا اَنیتھی [ح ۱] کی روحِ پاکیزہ
موت کی نیند سو گئی ہے یا

کالے ہاتھوں نے موت کے اس کو
اور درخشندگی حسین کی

ح ۱ IANTHE

پردۂ خواب میں ہوئی ہے نہاں؟
وہ لطافت جو بن کے برقِ جمال
زندگی کا شرارۂ رقصاں
نور کا پُتلا ہو گیا ہے خاک

مرمریں جسم کھو چکا ہے کیا
کوند جاتی تھی دیدہ و دل میں؟
یا شبِ خواب میں ہوا اوجھل
یا دھڑکنے کی تاب ہے اس میں؟

ٹکٹکی باندھے دیکھتا ہے اُسے
اس کا محبوب اس کے سرہانے
یہ ہی اُٹھتا ہے بار بار سوال
اُس کی بے خواب سہمی آنکھوں میں

جاگ اُٹھے گی پھر اینٹھتی کیا
نور افشاں تبسمِ رنگیں سے
زرد ہونٹوں پہ اس کے اُبھرے گا
روح پرور نشاطِ جاں کا اس
دلِ مسرور کا جوابِ حسیں

ہاں یقیناً وہ جاگ اُٹھے گی
گرچہ اس کے دمکتے اعضا میں
کوئی حرکت نہیں ہے اب باقی
اور خاموش ہو چکے ہیں لب
جن سے رس پریم کا برستا تھا
جو فصاحت کو بخشتے تھے جاں
تغیض و غصہ کو شیر کے بنتی جبہ
ٹھنڈا کرنے کی تاب رکھتے تھے
سنگدل ناتھوں کو بھی جن کی
نرم گفتار جیت سکتی تھی

بند ہیں اس کی شبنمی آنکھیں
اُن کے نازک حسیں پپوٹوں پہ
اب بھی لیکن ہے ایک ہلکا عکس
نیلگوں تتلیوں کی رونق کا

جس کے دامن میں نیند کی دیوی
سوتی ہے جگ سے بے خبر ہو کر

اس کی لانبی سنہری زلفوں نے
حسن کی شانِ بے نیازی کو
جیسے بیلیں ستونِ مرمر کو

پھیل کر اس کے پاک سینے پر
ڈھک دیا ہے حیا کے آنچل سے
اپنی باہوں کے سائے میں لے لیں

کچھ سنو تو یہ تیز رو آواز
دور سنسان کھنڈروں سے کہیں
ایک آہنگِ نو کو ساتھ لئے +
بیشتر کچھ سُروں کی نرمی ہے
جیسے وحشی ہواؤں کی روحیں
چھیڑتی جا رہی ہوں بے سمجھے

آ رہی ہے کہاں سے نغمہ بدوش
اٹھتا آتا ہے جیسے کوئی گیت
آہ بادِ خزاں کی نرمی سے
اور کچھ سُر ہیں ایسے بے ترتیب
بر ربطِ بحر و بر کے تاروں کو

رہگذر ایک روشن و رنگیں
یوں فضا میں بکھرتے جاتے ہیں
رنگ گھر جیسے چاند کی کرنیں
اس رہِ رنگ و نور پہ دیکھو
گھوڑے اس رتھ کے آسمانی ہیں
نورِ ہستی کی ہے لگام ان کی

اور دیکھو تو اوجِ گردوں پر
کھل کے نیچے اترتی آتی ہے +
رنگ قوسِ قزح کے متواتر
نکلیں گر جیسے گوہروں کے شیشوں سے +
ہے رواں ملکۂ مجاز کا رتھ
جنبشِ لب کو دیکھ اڑتے ہیں
رکتے ہیں آنکھ کے اشارے پر

حُسنِ جمال [uncertain]

مہارانی کے حُسن کی کرنیں
پا گئی دم سے اُس کے ساری فضا
بے صدا نغمگی کے بیٹھے سُر

ملکۂ کائناتِ ارضی کا
آنہ پایا نہ آ ہی سکتا ہے
جس کی نظر جمال ہیں ہیں سدا
ہے رواں بن کے اک سحابِ ضیا
اک ہجومِ تجلیاتِ نگاہ

ماہِ کامل کی روشنی میں بھی
تھی نفاست وہ اسکے رُخ میں بھی
کہ نہ تھی چاندنی کی چادر میں

حُسنِ لطافت [uncertain]

اپنی دُنیا کا تو نہ تھا منظر
اور اُس میں نہ کچھ سما پایا
دلکشی جلوہ ہائے فطرت کی
رقصِ انجم کی نور دامانی

رکھ اِنتہی کے پاس آکے رُکا
منتشر ہو گئیں ہر جانب
بس کے خوشبو ہیں ہو گئیں مسحور
بنکے رے خامشی کی جاگ اُٹھے
حُسنِ ملکوتی و سماوی تھا
حُسن جس کا تصوّرِ رنگیں
ایسے شاعر کے بھی تخیّل میں
کارواں حُسن کے مناظر کا
کہکشاں اک جلالی عظمت کا
دلکش و جاں فزا و حیرت زا
جسم اُس کا لطیف تھا اتنا
سایہ ہلکا سا بھی نہ تھا پیدا +
نُور ہیروں کا موتیوں کی دمک
عکس کی اک لکیر تک بھی کہیں
یہ منوّر سا پاک جلوۂ حسن
دیکھا جس آنکھ نے یہ نظارا
شان و عظمت جمالِ آدم کی
حُسنِ حم کی لطافت و فرحت

آنکھ سرشار و مستِ جلوہ تھی
بے خبر ہر صدائے ارضی سے
جیسے صدہا ہوں بجتے خلدِ سماع

وہ وجودِ نفیس و نازک و نرم
ہلکا پھلکا سا ابر ہو جیسے
شام کے جال بلبلا دھندلکے میں

اِس وجودِ لطیف و روشن سے
جیسے الماسِ تاجکِ سحری
نور برسائے صبحِ کاذب پر

اک ادائے عطا و شفقت سے
حسنِ خوابیدہ "اینتھی" پر

نور افشاں جمال کی کرنیں
مرکزِ حسن کی طرف مائل

بے خودی بخش تھا یہ نظارہ
کان تھے خامشی کی نے میں غرق
نغمۂ ایزدی کے سُر لیکن

عالمِ قدس کا مجسمۂ پاک
جلوہ افروز تھی وہاں ایسے
جل رہی ہو جیسے شعلۂ نمود

نور کی کرنیں پھوٹ پڑتی تھیں
اور ہالے کئے تھیں منظر کا
تیز ٹھنڈی شعاعوں سے اپنی

اس حسیں ملکۂ سماوی نے
ڈالی اپنی نگاہِ جاں پرور
حسن جو سو رہا تھا موت کی نیند
دے کے منظر کو پاک لمس اپنا
ہو رہی تھیں ادائے دلکش سے

اپنے نورانی رتھ سے اب اتری

سحرِ رنگِ نمود کی رانی
یوں لگا جیسے صحنِ گلشن میں
صبح دم ہلکی ہلکی بادِ صبا
ہو رواں جوشِ رنگ و بو لیکر +
ہاتھ میں اس کے تھا عصائے مجاز

جس پہ گوندھی ہوئی امر کلیاں
تھیں بقائے حیات کی ضامن +
تین بار اس عصا کو لہرا کر
رقصِ تخلیق میں وہ لے آئی
ہو گئی اک سکوت میں اُٹھا
لب ہلے گویا پھر لبِ اعجاز
"اے ستارو زمیں پہ برساؤ
آج تم اپنی یہ برکتیں ساری
اور تم اے عناصرِ ہستی
بھول جاؤ تمام غیض و غضب
اے سمندر تُو جوشِ طوفاں کو
اپنی گہرائیوں میں سونے دے
اے ہوا تُو بھی اپنی تُندی کو
تھام لے آج اپنے سینے میں
اور اب سُن تُو روحِ اینتھی
جاگ اُٹھ اپنے خوابِ غفلت سے
تُو نے ہر طور سے بچائے رکھا
اپنی پاکیزگی کو دُنیا میں
کر نہ پائے تجھے کبھی پابند
کوئی دُنیا کے دار و گیر رسم و رواج
آ نہ پائے کبھی ترے نزدیک
تنگ ظرفی غرور و خود غرضی
نیک و آزاد و پُر خلوص و پاک
لو دوامِ حیات کا انعام
ہے بقائے دوام و کیفِ نشاط
اُٹھ تو اپنی بقا کو اپنا لے"

سُنتے ہی یہ پیامِ جاں پرور
جسمِ خاکی کا بن کے عکسِ لطیف ×

× ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں 'soul' سے شیلے کی مراد "سوتے شخص" سے ہے نہ کہ آتما۔ مگر آگے کے مصرعوں میں آتما ہی کا ذکر نظر آتا ہے۔

روحِ اینھتی کی ہوگئی بیدار + | پردہ ہائے مجاز دُور ہوتے
ہوگئی بے نقاب شانِ خودی | آشکارا ہوئی عظمتِ ازلی
برقِ ہستی ہوئی تجلّی بار | خود درخشاں جمالِ پاکیزہ
حُسنِ کامل کی شانِ رعنائی | ذاتِ مطلق کا نورِ عریانی
شعلۂ ہست جس میں جذب ہُوا | ہر فشاں زندگیٔ ارضی کا (۵۷)

- - - - - - - - - - - - - - - -
- - - - - - - - - - - - - - - -
- - - - - - - - - - - - - - - -

جسمِ خاکی اُدھر ہے بستر پر | روحِ رخشاں ادھر ہے مستِ خودی

جسم قیدِ حیات میں مجبور | آب و گِل کا بس اک کھلونا ہے
کھیلتے جس سے ہیں مکان و زماں + | خواہشوں کا رواں دواں پُتلا
روز و شب ہے جنونِ شوق اسے | نفس کا ہے یہ بندۂ بے دام
چار دن کے قلیل عرصے میں | کھو کے اپنی تمام تاب و تواں
خاک سے جا کے ایک ہوتا ہے | اس کا رہتا نہیں ہے نام و نشاں

روح قیدِ حیات میں آزاد
نورِ حسنِ ازل سے وابستہ
ہر گھڑی اپنی اصل سے آگاہ
مبتلائے تغیراتِ زماں
وصلِ حق کے لئے ملا بے تاب +

---

(۵۷) اس مقام سے آگے نظم کے تسلسل اور مرکزی خیال کو برقرار رکھتے ہوئے میں نے کہیں کہیں کم و بیش جیسا کبھی مناسب سمجھا ہے شیلے کے کچھ غیر اہم مصرعوں کو طوالت کے ڈر سے نظر انداز کر دیا ہے اور [illegible] کر دی ہے۔

لیکن آزاد ہر تعلق سے
وحدتِ ہست۔ رنگِ حسنِ ثبات
ابتدا ہے نہ انتہا جس کی

روحِ بیدار سے اپنی کی
" روحِ آزاد اپنے آپ کو دیکھ
ساری گہرائیوں میں ہستی کی +
وسعتِ زیست کی بلندی پر
روحِ بیدار اپنے آپ کو پا
اور آ میرے رکھ یہ ساتھ مرے +
میری شفقت کی بے بدل نعمت
حسنِ سیرت کا ہے تری انعام
....
....

یہ حقیقت ہے کوئی خواب نہیں +
میں ہوں اس کائنات کی ملکہ
میری آنکھوں کے سامنے موجود
میری چشمِ زماں نگر میں عیاں
(جس کی حد کا نہیں کسی کو علم)
لیک جس کا اُسے شعور نہیں +

ہر تغیر پذیر صورت میں
ہستیٔ جاوداں و پائیدار
مرگ آلود زندگی میں بقا
ملتیٔ ارض کی بہارانی
یوں مخاطب ہوئی محبت سے
اے کہ تو ہو رہی ہے غوطہ زن
اے کہ تو کر رہی ہے اب پرواز
اے کہ تو خوف سے ہے اب آزاد +
پا کے اپنے کو پھر مجھے پہچان
تیری خود آگہی و آزادی
میری قربت کی دولتِ نایاب
آ تو اب میرے ساتھ رکھ پر آ"
ہاں تو سچ مچ ہے مطلقاً آزاد
اور تو یہ بھی سُن لے کون ہوں میں
میں ہوں حُسنِ نمود کا مظہر +
ارتقائے بشر کی ہر منزل
سارے اسرار اُس گذشتہ کے
زندہ ہے جو بشر کے سینے میں
صورتیں مجھ پہ وہ بھی روشن ہیں

جو کہ اسباب حال وماضی سے — پا کے تشکیل ہوں گی ظاہر کل

. . . .

. . . . (✖)

میرا مقصود و مدعا یہ ہے

موت کا پردہ چاک ہو جائے + — دیکھنا ہے مجھے کہ جلد از جلد

بندِ ہستی سے پا کے روح نجات — نور میں اپنی ذات کے بس جائے

اور اُس کو ہو وہ سکوں حاصل — جو بالآخر ہر اک کو پانا ہے +

نیکی و راستی کا یہ انعام

تیرے حصے میں آج آیا ہے — روحِ پاک و منور و آزاد

آ تو اب میرے ساتھ رتھ پر آ

یہ بشارت ملی ابنتھی کو

تو اُٹھی اس میں بے پناہ طاقت — اُس کو احساس ہو گیا کہ وہ ہے

رُوحِ پاک و منور و آزاد — جو ہے کیف و سرور لافانی

(✖) یہاں جو مصرعے میں نے نظر انداز کئے ہیں وہ تفصیلی نوعیت کے ہیں۔ اس بات کو واضح کرنے کے لئے ان مصرعوں کا ترجمہ ذیل میں درج ہے آگے چل کر میں نے اس قسم کے مصرعوں کا ترجمہ کیا ہی نہیں، البتہ فٹ نوٹ میں موضوع کا مناسب حوالہ دیدیا ہے۔

جلوے یہ یاد کے نہیں پیکر

نہ تپش آزار کے نہیں شعلے — جذبۂ انتقام کی بھی نہیں

خوف زا دردناک تصویریں — خودغرض تنگدل و تنگ نظر

آدمی کو جو دل میں [illegible] — نہ تخیل کو ہیں یہ تخلیقیں

(باقی اگلے صفحہ پہ)

جو جیسی ہے نشاطِ کامل میں

جس کی ہر دم نئی نئی موجیں — رقص کرتی ہیں ہر طرف اس کے

ہر حسین خواب عمرِ فانی کا — بنتا جاتا ہے سحرِ ہستی سے

اک حقیقت کی جلوتِ رنگیں — نغمہ پرورِ دانش و کیف و دردمن

صبح یہ اب خوشی خوشی بیٹھی

ملکۂ کائنات کے رتھ میں — اور رتھ شاہراہِ سماوی پر

پیدا کرتا ہوا سکوت کی نے — وسعتوں میں فضا کی اٹھنے لگا

.... — ....

.... — ....

.... — ....

.... — .... (۲۵)

اس سماوی فضا کی وسعت میں

ہیں ستاروں کے سینکڑوں منڈل — جن میں لاکھوں جہان ہیں آباد +

(فٹ نوٹ صفحہ ۲۸۹ سے آگے)

جو نگہہ حسن میں نباتی ہے +

نقشِ پا اس سرور کے کبھی نہیں — بن کے جو ایک موجِ کیفِ خودی

اٹھنے دیتے دل میں نیک جذبے — جب انھیں اپنے اچھے کاموں پر

انکسارانہ ناز ہوتا ہے + — ان نقوشِ حیات کو تو میں

کرتی ہوں بیشتر نظر انداز — میرا مقصود مدعا یہ ہے

(۲۵) یہاں شیلے نے پہلے ستاروں بھری رات کی فضا میں رتھ کی اڑان کا بیان کیا ہے پھر اسے مسکراتی ہوئی صبح کے افق سے گزرتے دکھایا ہے۔ اس سماوی رتھ کے گھوڑوں کے پاؤں جب ہوا پر پڑتے ہیں تو پھلجھڑیاں چھوٹتی ہیں جب اس کے پہیئے پہاڑوں کی چوٹیوں کے اوپر سے ہو کر گزرتے ہیں تو بجلیاں چمکتی ہیں ادھر نیچے سمندر پر پورا سکون ہے۔

جن کی عظمت کو پا نہیں سکتا
شاعروں کا بھی زورِ حُسنِ خیال +

مظہرِ شانِ حُسن و نور و جمال
یہ فضا ہی دراصل مندر ہے

خالقِ دو جہاں کی قدرت کا +
فطرتِ ذوالجلال کی شرکت

جلوے اپنے یہیں دکھاتی ہے

لیک یہ بھی تو ہے حقیقت ہی
ایک چھوٹے سے چھوٹا پتہ بھی

کہ ہے مظہر جمالِ فطرت کا
دمبدم کانپ کانپ اٹھتا ہے +

ہلکے جھونکے سے بھی ہوا کے جو
زندگی کرتا ہے جو قبروں میں

اور اُس کرمکِ حقیر میں بھی
اس ہی قدرت کا جس سے قائم ہے

ہے دمِ جاں نوازِ لافانی
ہستی و رونق و بقائے حیات

II

اس فضائے حسیں میں آن رکا
سامنے اک محل وہاں اُبھرا

رتھ جہانِ نمو کی رانی کا +

جیسے کوئی معصوم بچہ میٹھی گہری نیند سو رہا ہو۔ صبح کی روشنی رنگین بادلوں کی ٹکڑیوں کا اور رکھتی کی اُڑان کا جوڑا عکس سمندر کی سطح اپنے میں جذب کر رہا ہے رکھتا اُڑتا چلا جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک دور رخ مقبرے سے گزر رہا ہے جس کے ایک طرف تو لاکھوں تاروں کے منڈل ہیں جن کی روشنی میں بے شمار رنگوں کی جھلک ہے اور دوسری جانب ان گنت شہاب متواتر اُفق پہ ہے ہیں اور نیم دائرہ سا بنائے ہوئے ہیں۔ آخر رتھ اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ سمندر سے نظر نہیں آتا۔ زمین ایک تاریک گولے سی جان پڑتی ہے اور کرۂ آفتاب کسی تیرہ و تار اور عمیق غار میں [illegible] دیتا ہے اس کی تیز رفتار

جس کے دیوار و در میں روشن تھا
وہ محل کتنا خوبصورت تھا
چشمِ حسنِ خیالِ شاعر کو

گود میں لیتا ہے ساگر کی
تو جو اٹھتی ہیں نیلگوں کرنیں

بحر کی سطح پر رواں بادل
لا نہیں سکتی آنکھ جن کی تاب

نور جھولی میں بھر کے کرنوں کا
ہار اپنے گلے میں ہیروں کا

دوپہر کو فضا میں اڑتے ہیں
آفتاب اپنی آب و تاب کے ساتھ

حسنِ فطرت کے نور کا ہر رنگ +
اس کا ہلکا سا عکس ملتا ہے
ان عناصر میں حسنِ فطرت کے
تھک کے جب آفتاب شام کے وقت
سر کو رکھ کر سنہری موجوں پہ
گو کے زریں لباس زیبِ تن +
موج در موج یا جو ہوتے ہیں
نور اور رنگ کی قبا پہنے

یا جو کالی گھٹائیں چھاتی ہیں
جیسے کالی چٹانیں ڈالے ہوں

یا جو بادل پروں پہ سونے کے
اوج پر جب فلک پہ ہوتا ہے

اور ایسے دکھائی دیتا ہے

کرنیں رتھ کی تند رفتاری کی تاب نہ لا کر ہر دو جانب سے ہٹ جاتی ہیں اور اس کا راستہ یوں چھوڑ دیتی ہیں جیسے جہاز کے آگے سے سمندر کی مضطرب لہریں ایک طرف ہو جاتی ہیں۔ رتھ اب اور بھی زیادہ بلندی پر پہنچ گیا ہے جہاں سے زمین فضا میں سب سے چھوٹے تارے کی صورت میں نمودار ہوتی ہے جہاں رتھ [illegible] نظامِ شمسی

اودے اودے جزیرے ہوں جیسے
گہری نیلی سطح پہ ساگر کی
موتیوں کی طرح دمکتے ہوئے

کرنیں حدِ افق سے آویزاں
یا سمندر کی لہریں نورانی
کچھ تو ملتا ہے ایک حق تو یہ ہے
نہ گھٹاؤں کے رنگ روپ میں ہے
جو اس ایوانِ آسماں میں ہے +

پردے آرام گاہِ مہر کے ہوں
یا جزیرے سحابِ رنگیں کے
اِن مناظر میں اس محل کا عکس
کہ نہ کرنوں کی آب و تاب میں ہے
وہ لطافت وہ نور وہ رنگت

اس کے گنبد میں سینکڑوں سورج
کرنیں ان سب کی ڈالے ہاتھ میں ہاتھ
رقصِ نور و نشاط سے ان کے
ہو رہی جاتی ہیں وہ ہمہ دم روشن

نور کی لہریں فرش ہیں اس کا +
ایک ہی ساتھ نور افشاں ہیں
ناچتی مسکراتی جاتی ہیں +
وسعتوں کی سیاہیاں ہر سو

اس کی چھت اور اس کی دیواریں
سب کے سب کلیتاً عبارت ہیں

کھڑکیاں اس کی اور دروازے
اس کے مینار بھی فصیلیں بھی
نورِ الماس و لعل و گوہر سے
روحِ اینتھی کی ساتھ ملکہ کے

اپنے اپنے محوری راستوں پر گھومتے نظر آتے ہیں اور ان گنت کرہ ہائے سماوی اپنی اپنی
درخشندگی [illegible] روشنی ہے تو کوئی سورج کی طرح روشن ہیں
اور دوسرے ستاروں کی روشنی پہ حاوی ہیں۔

اب ہوئی اُس محل میں یوں داخل
اور نہ اٹھی وہاں صدا کوئی

ہستیِ جاوداں کے بیٹھے سُر +
نغمۂ زندگی کو متوا تر
کیفِ ہست و نشاط کی لہریں

ڈال گمراں کی باہنوں میں باہنیں
اُس کو اس حال میں شعور نہ تھا
تھا نشاطِ خودی کا ہی احساس

ملکۂ کائینات ہستی نے
جس کے پائے جلال و شوکت کو
ہیچ ہیں جس کی شان کے آگے
روحِ آزاد۔ یہ مقام ہے وہ
روشنیِ مہر و ماہ و انجم کی +
روح کو اپنی آگہی ہے جہاں
مست و سرشار و شادماں ہوتی ہے +

کہ نہ حرکت ہوئی کوئی پیدا
نہ سکونِ فضا میں آیا خلل
تیرتے تھے سنہری کرنوں پر
خامشی کی لطیف شیریں نے
دے رہی تھی صدائے بیداری +
مست تھیں رقصِ وجد میں ہر سو
روحِ بیدار خرم و شاداں
رقص میں اُن کے ساتھ تھی شامل +
اپنی نیکی و علم و عرفاں کا +
مستیِ جاں کا۔ کیفِ حیرت کا
اُس کی حیرت پہ مسکرا کے کہا
"روحِ آزاد۔ یہ مقام ہے وہ
پا نہیں سکتی کوئی شئے ارضی +
بہترین کارنامہ ہائے بشر +
جس کی تابانی جمال میں ہے
جس میں کیفِ بقا کا ہے احساس
وہ یہاں ہو کے غرقِ بحرِ خودی

پاک دل، پاک کار و پاک نظر

مقصدِ حیات

اس بہشتِ خودی میں آتے ہیں +
منزلِ آخری نہیں اُن کی +
حسنِ اخلاق و زہد و طاعت کا

ایک فردوس ہے جاودانی کی

مقصدِ مدعا یہی تو نہیں +
خلدِ لذاتِ دائمی تو نہیں +
ہے حصولِ شعور وحدتِ ہست +
حاصلِ زندگی اخوت ہے

کیفِ ہستی کو پا کے زندہ کر
وہ محبت جو سارے عالم کو
غم کو جو دوسروں کے اپنا کر
اور اُن کی خوشی میں خود خوش ہو

کہ یک وقت میں دکھاتی ہو
اس محل کی فصیل پہ چل آ
دیکھ بے انت وسعتیں ہیں یہاں

یہ مبارک مقامِ نور مگر
محض انعام ہی نہیں یہ بہشت
خیر اندیشی خیر کاری کا
مستی و سرخوشی و سرشاری
قید خانے کی زندگی ہوگی
فطرتِ لازوال و ابدی کا
حاصلِ سلسلۂ مرگ و حیات
مدعائے مجازِ غیب نمو
مقصدِ ایزدی محبت ہے

روحِ بیدار اس مقام سے تو
خدمتِ خلق کا وہ جذبۂ پاک
اپنی باہوں میں لے کے پیدا کرے
پیدا سامان خوشی کا کرتی ہے

تیرا انعام خاص یہ ہے آج
تجھ کو ماضی و حال و مستقبل +
اور نظارہ کائنات کا کر +
لاکھوں منزل رواں جہاں تاروں کے

دیکھنے میں ہجوم بے ترتیب
کثرتِ وحدتِ تجلّی کی

دیکھ تو کاروبارِ فطرت میں
دیکھ تو سلسلے ہیں ہستی کے
شورشِ آرزو، جنونِ ہوس
خود غرض سود و جہد زیاں کاری
کارفرما ہے غائیت و منشا

جس سے پاکر اشارہ حرکت کا
برقِ احساس کا رگِ جاں میں
جس سے عکسِ خیالِ نو کا دھواں

اب مکان و زماں نہیں باقی +
اس کی ہے اب نہ کوئی اس کی ہے +
جلتے ہیں خود ہی ہٹ یہاں آ کر +
فاصلے وسعتوں کے تیرے لئے

نیچے اوپر اِدھر اُدھر گرداں
اصل میں بارشِ ہم آہنگی

چشمِ عرفانِ حق کھلی ہے تری
ہے ہر اک شے کا اپنا اپنا مقام +
جوششِ جذباتِ عشق غیض و غضب
متعصب حقارت و نفرت
کام آتے ہیں یہ بھی فطرت کے +
ان میں بھی قدرتِ الٰہی کا +
ان کے برعکس ہے وہ لمسِ لطیف
پیدا ہوتا ہے ارتعاشِ حسیں
یا کسی شست سر میں اُٹھتا ہے

چشمِ عرفانِ حق سے یہ بھی دیکھ
جانی پہچانی صورتِ محدود
پر نہ سے یہ چشمِ شوقِ جلوہ کے
غیب کا خوف جاتا رہتا ہے +
ہٹ گئے ہیں فضائے عالم کیا

دور آکاش سے ہے خاکِ زمیں

پھر بھی اس کائناتِ انجم سے
ٹمٹماتی دکھائی دیتی ہے

اور لاکھوں کروڑوں جیو اس کے
چیونٹیوں کے غول لگتے ہیں

دیکھ ماضی و حال و آئندہ

منظرِ کُل میں سب ہوئے مدغم
حال ہی حال اب تو پیدا ہے

دیکھ اس پردۂ بقا پر تو
نقش ہائے مجاز و رنگِ صور

- - - - - - - - - - - - - - - (۷)
- - - - - - - - - - - - - - -

روم و یونان کے عظیم محل

کھنڈروں میں ہیں اب نشاں جن کے
اور اہرام مصر جو اک دن

بن کے رہ جائیں گے یونہی کھنڈر
جن سے چمکے گا خونِ غریبوں کا

دیوتاؤں کے مسکن و معبد

مسجدیں سربلند۔ گرجا گھر
جن کی قیمت ہے خونِ آزادی

---

(۷) یہاں شیلے نے مصر اور یونان کی گذشتہ عظمت اور اس کے کھنڈروں کا ذکر کیا ہے اور ایک طرف تو دُنیا کی بے ثباتی کا سبق اخذ کیا ہے اور دوسری طرف یہ بتایا ہے کہ ان تہذیبوں کی بربادی کا باعث انسان کا غرور اور اس کی دولت پرستی ہے۔ اس سلسلے میں اُس نے اُن مظالم کو بھی بیان کیا ہے جو مطلق العنان شہریاروں نے حکومت کے زور پر اور مذہبی رہنماؤں نے مذہب کے نام پر ہمیشہ غریبوں پر ڈھائے ہیں جہاں بادشاہوں نے قتل و غارت کے طوفان برپا کئے معصوم نوجوانوں کو لڑائی کی آگ میں جھونکا اور غریب مزدوروں کو محلوں، معبدوں اور اہرام کی تعمیر پہ قربان کیا۔ وہیں مذہبی خداؤں نے آزاد خیال اہلِ ضمیر کو زندہ جلایا۔ ان خیالات کی اہمیت تاریخی اور سیاسی زیادہ ہے جمالیاتی اور روحانی کم اس لئے میں نے انہیں بیشتر نظر انداز کر دیا ہے۔

ننگِ انساں ہیں وہ یہ ننگِ خدا

آدمی کا تکبر اور غرور
اور لعنت حصولِ دولت کی
نیکی و راستی و آزادی
اور دنیا میں بھرتا رہتا ہے

چاہیئے گر نشاطِ روح اُسے
تو اُسے راستی و نیکی سے
ساتھ ہی اس کو کرنا ہوگا ترک
جس کا ہرگز کوئی جواز نہیں

جو کسی وقت زندہ جسم نہ تھا +
تھا رگوں میں کبھی کسی کی رواں +
سرد برفانی یا علاقے ہوں
جیسے آباد تھا نہ شہر کوئی +
آدمی اس جہانِ فانی میں

کوئی بھی شے نہیں ہے لافانی
اس جہانِ نمودِ ہستی میں

- - - - - - - - - - - -

چھین لیتا ہے اُس کی بینائی
ڈال دیتی ہے عقل پہ پردہ +
چھوڑ دیتی ہے ساتھ انساں کا
آدمی ہی کا آدمی پہ ظلم
ہے بشر کو سکوں کی گر خواہش
کیفِ مطلق۔ سرورِ لافانی
دینا ہوگی حیات کو تشکیل +
اپنا چھوڑ کا تکبر اور غرور

ایک ذرہ بھی اس زمیں کا نہیں
ایک اک قطرہ ابر و باراں کا
جلتے صحرا ہوں یا ہوں کھیت ہرے
کوئی قطعہ زمیں کا ایسا نہیں
دیکھ کر جان کر یہ سب کچھ بھی
بے سبب غرور و ناز کرتا ہے

زورِ بازو پہ تابِ دولت پر
دکھاتا ہے ہر طرح کے ظلم و ستم
اور اپنے ہی بھائیوں پہ روا

روحِ بیدار سُن یہ راز کی بات
چشمِ عرفانِ حق کو کھول کے دیکھ

آج کرتی ہوں میں تجھے آگاہ
صورتیں یہ جمالِ فطرت کی

جو تجھے آج میں دکھاتی ہوں
یہ جو برگِ گیاہ ہے نازک سا
اس میں بھی ہے وہ خود ہی جلوہ نما

عمرِ طبعی ہے جس کی بس اک دن
ابتدا ہے نہ انتہا جس کی

مرکزِ کائنات بے پایاں
ایک اک ذرّے میں نفعکے بھی
جس سے احساسِ فکرِ انسانی

عکس ہے اس شعورِ مطلق کا
ارتقائے حیات میں اُٹھا

ہیں بظاہر تو جامد و بے جاں
ان میں ہے مختلف ظہورِ حیات
ان میں موجود ہے وہ ہر قوت

زندہ ہیں صورتیں مگر یہ سب +
دیکھنے میں تو فرق ہے لیکن
اصل ہر وہ صفت بشر جس سے
ان میں ہے فکر و ظن کی اہلیت
ان کو بھی ہے تمیزِ خوب و زشت
حُسنِ اخلاق ان میں بھی ہے وہی
موجِ احساس ہے جو انساں میں

ہے جہانِ شہود میں ممتاز
ہے شعور ان کو اپنی ہستی کا
جانتی ہیں یہ فرقِ نیک و بد
جو بشر میں ضمیر بنتا ہے +
ہے رواں ان کی بھی رگِ جاں میں +

ہے تجلی اُسی کی ہر شے میں
رقصِ نور، شعاعِ کیفِ نشاط

رُوحِ ہستی ہے ایک عالم میں
ارتعاشِ جمال، حسنِ حیات

جن پہ مبنی ہے گردشِ افلاک
جن سے پیدا ہے ارتقائے حیات
زندگی کی ہر ایک صورت میں +
ایک ہی ہے زمیں سے تا بفلک "

قدرتِ ذوالجلال کے قانون
اور فطرت کے وہ عظیم اصول
کارفرما ہیں پوری طاقت سے
صورتیں مختلف ہیں ایک نظام

دے کے اُس کو پیامِ آزادی
ملکۂ کائنات کی آواز

بخش کر آگہی حقیقت سے
آشنا کر کے کیفِ ہستی سے
ہو گئی خامشی کی لَے میں غرق
شاد کام ہو کے روح اینجلی کی
بے خودی میں کمالِ حیرت کی
کارواں جا رہا ہے ماضی کا +

رس میں حمد و ثنا کے ڈوب گئی
اُس نے دیکھا کہ سامنے اس کے
کُلیتاً اس پہ ہو رہے تھے عیاں
آ رہی تھیں نظر وہ تفصیلات
نامکمل تھا علم یا جن کا

عہدِ رفتہ کے واقعات تمام
جن سے تاریخ بھی تھی ناواقف
یا سراسر غلط تھا جن کا بیاں +
اُس کو محسوس یوں ہوا جیسے
کر رہی ہے نظارہ عالم کا +

کنگرۂ عرش پہ کھڑی ہو کر

سامنے اس کے بحرِ ہستی کی
اس کی گہرائیوں سے اٹھ اٹھ کر
ایک طوفاں بپا تھا متواتر
دائمی مستقل ہم آہنگی

بیکراں وسعتوں کے دامن میں
عصر ہائے زماں کی موجوں کا
اور ہر سو لبسی تھی فطرت کی

III

آگہی کی نشاطِ پیہم میں
روح اپنی تھی سجدہ ریز ہوئی +
یعنی "کتنا بڑا ہے یہ انعام
اپنے ماضی کو جان لیتا ہے
کہ وہ آئندہ زندگی اپنی
لغزشوں سے بچا کے اپنے قدم
جہلِ ہستی کی بندشوں سے نکل
رشکِ جنت بنا کے دنیا کو
شگفتی خوشیاں بکھیرنے کی جب
اور اپنے عمل میں ہو شامل
اور اسے ہستی نہیں بشر کو تلاش

کشفِ سرِ خودی کی مستی میں
ڈوب کر ذات کی تجلی میں
دل سے، نظروں سے، لب سے شکر کیا
آگہی کا جو تو نے مجھ کو دیا +
تو سمجھتا ہے آدمی یہ بھی
کس طرح سے سنوار سکتا ہے
ظلمتوں سے بچا کے اپنی نظر
وسعتوں میں خود آگہی کی سما
آشتی دوستی۔ اخوت سے +
ہو ارادوں سے اپنے وابستہ
تو یہ دھرتی ہی سورگ بنتی ہے صدا
جنتِ ماورائے عالم کی"
سن کے یہ مسکرائی ملکۂ ہست
"روحِ بیدار، نورِ حسنِ ازل

خامشی اس کی بحر ہوتی گویا

صد: [illegible]

تجھ کو خود آگہی مبارک ہو
وسعتِ بے کنارِ عرفاں کی +
دیکھ تو لی ہے عظمتِ انساں
رازِ ہستی کو۔ اصل کو اپنی +
جزو کو کل سے ایک [illegible] +
بیقراری ازل [illegible]
- - - - - - - - - - - -
- - - - - - - - - - - -
- - - - - - - - - - - -
- - - - - - - - - - - -

دیکھنا ہے تجھے ابھی لیکن
پردۂ جہل میں نہاں تو نے
تو نے لیکن ابھی تو پانا ہے
جزو تو کل سے ہے آشنا تو ہوا
ہر بشر ساتھ اپنے لایا ہے
زندگی کا یہی وہ حاصل ہے"
- - - - - - - - - - - -
- - - - - - - - - - - -
- - - - - - - - - - - -
- - - - - - - - - - - -
(x) - - - - - - - - - -

(x) اس مقام پر شیلے کی رجائیت سیاسی خوش فہمی کی صورت اختیار کر لیتی ہے پہلے وہ زمانۂ حال کی دردناک تصویر دکھاتا ہے اور پھر ایک ایسی دُنیا کا نقشہ کھینچتا ہے جہاں نیکی برائی پر اور سچائی جھوٹ پر غالب آجائے گی۔

ملکۂ مجاز ایئنتھی کی روح کو ایک عظیم الشان شاہی محل دکھاتی ہے جس پر سپاہیوں کے خاموش پہرے لگے ہوئے ہیں۔ شہر کی گلیوں میں بے کس یتیموں اور بے یار و مددگار غریبوں کی درد بھری کراہٹیں اُٹھ رہی ہیں لیکن ان کی آواز سونے جواہرات سے مزین بادشاہ کے کانوں تک پہنچنے نہیں پاتی کیونکہ ایک تو وہ جی حضور درباریوں سے گھرا ہوا ہے اور دوسرے اسی ماحول میں اس کی روح احساس تقریباً مر چکا ہے۔ یہ شخص جسے نعیادی شہنشاہ کے نام سے پکارتے ہیں دراصل حرص و ہوس کا غلام ہے۔ نہ اسے مظلوموں اور غریبوں کی پوشیدہ بد دعاؤں کی بھی کوئی پروا نہیں۔ اس کے لئے ان لوگوں کی بدحالی ایک مضحکہ خیز منظر ہے اس کا خون خشک ہو چکا ہے اس کی دولت میں پھینکے ہوئے ٹکڑے ہزاروں کو قحط سے بچا سکتے ہیں لیکن اپنی مردہ ضمیر کی بے جان آواز کو ان سنی کر سکے وہ بے انتہا ضیافت سے لطف اندوز ہوتے ہیں کو نشاں ہے مگر سونے کے برتنوں میں طرح طرح کی [illegible] قسم قسم کی شراب ہیں

خود نما خود پسند لوگ یہاں
چاہتے ہیں کہ اُن کی شہرت کو — حاصل ہو جائے اس جہاں میں دوام +

فٹ نوٹ صفحہ ۳۰۰ سے آگے

کہاں وہ لطف اور غذائیت ہے جو محنت کش دیانتداروں کی روکھی سوکھی روٹی میں ہے ضیافت کے بعد مخملی بستر پر بدہضمی اور خیالات کی پراگندگی اس کی نیند حرام کر دیتی ہے اور ضمیر کی آواز زہریلے سانپوں کے گروہ بن کر اُسے ڈستی ہے۔ وہ گہری نیند کا طالب ہے لیکن نیند کہاں۔ یہاں تک کہ اس مصیبت سے نجات پانے کیلئے اس کے دل میں موت کی آرزو پیدا ہوتی ہے لیکن اُسے موت سے بھی ڈر لگتا ہے وہ بار بار چند گھڑیوں کی میٹھی نیند کی دُعا بے سود کرتا ہے۔ بھلا امن و سکون کی روشن پاکیزگی ایک ناپاک دل میں کیونکر اپنا مسکن بنائے گی۔ وہ بے چین نیم خوابی میں بڑبڑاتا ہے۔ یہی ہے اس کی بے رحمی کا علاج اور فطرت کے اصولوں اور قوانین

کا پاس نہ کرنے کی سزا اِن اصولوں کا احترام کرنے کا سبق ہمیں ہماری دھرتی پر ہی مل جاتا ہے ـــــ اینھی کو یہ منظر دکھا کر ملکۂ مجاز اُسے ایک روشن مستقبل کی بشارت دیتے ہوئے بتاتی ہے کہ غریبوں کی محنت پر عیش کرنے والے طفیلیوں اور عوام کا خون چوسنے والے شہریاروں کا زمانہ جس کی بنیاد ظلم اور بُرائی پہ ہے اور جس کا طریقہ کار خون اور انتقام ہے آخر کار گزر جائے گا۔ عوام جاگ اٹھیں گے۔ پسماندہ قومیں بیدار ہو جائیں گی۔ لوگ دیکھ لیں گے کہ بُرائی ہی تنازعوں، لڑائیوں اور تمام مصیبتوں

کی جڑ ہے اور امن و سکون خوشی اور ہم آہنگی صرف نیکی اور راستی سے حاصل ہو سکتے ہیں اور نئے جاگیرت گزر جانے ہیں شاہانہ شان اور شوکت اپنی چمک کھو دے گی تخت و تاج کی طاقت زائل ہو جائے گی اور کاروبار کی بے ایمانی میں کوئی کشش باقی نہیں رہے گی۔

کرگزرتے نہیں رہ گیا کیا کچھ
نام کتنوں کا رہ گیا ہے مگر؟

کال کی ایک ہلکی ٹھوکر سے
سطحِ بے حد پہ بحرِ ہستی کی
موجِ سیلابِ وقت کی جس کو

کونے کونے میں حکم چلتا ہے
شعلۂ برق سی ہے۔ آتش بار
اُس کے بازو ہیں موت کے قاصد
آج آنے کا دم نہیں بھرتا
خاک میں مل کے ہو گا بے آواز
بھر چکے ہوں گے پیٹ کیڑوں کا

جس کے قلب و نظر میں ہے پیدا
جس کے فعل و عمل میں ہے شامل
جس کے دل میں ہے موجزن الفت
انکساری و عاجزی سے جو (رگ)
اس جہاں سے کنارا کرتا ہے

شہرتِ خام و نام کی خاطر

نام و ناموس خاک ہوتے ہیں +
نام و ناموس اک حقیر حباب
ختم کرتی ہے ایک ہی دم میں
آج تو حکمرانِ جابر کا
آج اس کی نگاہِ غیض و غضب
اُس کی آواز رعد کی ہے گرج
خوف سے اُس کے سامنے کوئی
کل مگر اس کا سارا رعب جلال
چشمِ غیض اور دستِ ظلم و ستم

نیک کردار و خوش خصال بشر
لحظہ در لحظہ یادِ خالق کی
برکتِ یادِ حق رضائے خدا
جس کے لب پر دعائے خیر سدا
زندگی کر کے اپنی چُپکے سے
بندشوں میں جہاں کے زنداں کی

(رگ) اس سے آگے کے مصرعوں میں میں نے شیلے کے خیال سے قدرے انحراف

مرد آزاد

بندھ کے بھی جو رہا سدا آزاد ⊗ جو مرنے کے بھی وہ زندہ ہے
ثبت ہے برجریدۂ عالم ایسے آزاد آدمی کا دوام +

کیا ہے اور شیلے کے اُن اشعار کو جن میں سیاسی عنصر غالب ہے ترک کر دیا ہے۔ اصل کے زیادہ مطابق ترجمہ یوں ہوگا۔

انکساری و عاجزی سے جو
راست گوئی و نیک کرداری
آنکھ میں حکم ان جابر کی +
خوف سے کانپتے ہیں جن کے ہاتھ
بیٹھ کر مسندِ عدالت پر
محبسوں میں دھکیل دیتے ہیں +
تہ کدوں کی سیاہیاں لیکن
دیر تک تو چھپا نہیں سکتیں +
ٹوٹ جاتا ہے لیک دنیا میں
بند ہوتی ہے آنکھ وہ جس سے
ہاتھ ہوتے ہیں خشک و پژمردہ
بے صدا ہوتی ہے زباں جس سے
زندہ ہے لیک روحِ آزادی
اور تازہ ہے اب بھی اس کی یاد
ایسے آزاد آدمی کا دوام

کرتا ہے زندگی بسر اپنی +
ایسے انسان کی کھٹکتی ہے
جس کے ایما سے قاضی و منصف
خون انصاف کا جو کرتے ہیں
بے گناہ ملزم سیاست کو
قید خانوں میں ڈال دیتے ہیں
نیکی و راستی کی کرنوں کو
جسم توختہ ہو کے آخرِ کار
نام ہوتا ہے زندۂ جاوید +
پھوٹتی تھیں شعاعیں رحمت کی
جو ہمیشہ مدد کو اُٹھتے تھے
دل دہلتے تھے جعل و باطل کے
جان دی جس کے واسطے اس نے
ثبت ہے برجریدۂ عالم

+ ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است برجریدۂ عالم دوامِ ما
(حافظ)

⊗ غلامِ ہمت آنم کہ زیرِ چرخِ کبود ز ہرچہ رنگِ تعلق پذیرد آزاد است
(حافظ)

ہے یہی تو اصولِ فطرت کا
مٹتی ہے سلطنت کی سب طاقت
یاد مٹتی نہیں دلوں سے مگر
مردِ خوددار و نیک خصلت کی
مردِ خوددار اپنی جیسی جو
دوسروں کی بھی کرتا ہے عزت
جو اسیرِ تعلقات نہیں
جو کسی پر نہیں چلاتا حکم
سر جھکاتا نہیں کبھی اپنا +
زور ناپاک ہے حکومت کا
چھو کے کرتا ہے زہر آلودہ
اپنے گرد و نواح کی ہر شے کو +
ہے غلامی جھکانا اپنا سر
سامنے زور اور طاقت کے (*)

مدعا یہ نہیں ہے فطرت کا
اور خالق کا یہ نہیں منشا +
حکم سے اس کے یہ زمیں سب کو
جھولی بھر کے مہیا کرتی ہے
پھول پھل سبزی اور اناج +
سب کو دیتا ہے روشنی سورج +
کرتے ہیں سب کے سر پہ سایہ درخت
سانس ہر جیو کی بنی ہے ہوا +
اس کا مقصد تو ہے کہ اہلِ جہاں
خوش و خرم رہیں پھلیں پھولیں

(*) یہاں شیلے روم کے بادشاہ نیرو NERO اور اس کا ہر جا بے جا حکم بجا لانے والے درباری مشیروں اور کارکنوں کی مثال پیش کرتا ہے۔ عیش پسند نیرو کا برگشتہ دماغ وسیع پیمانے پر آتش زدگی کا تماشہ دیکھنا چاہتا ہے لپکتے ہوئے شعلوں کی خونخوار زبانیں کس طرح ہر زندہ جیو اور غیر ذی شے کو بے تحاشہ جلا رہی ہیں۔ آگ میں لپٹے ہوئے لوگوں کی بھگ دوڑ کا کیا سماں ہوتا ہے۔ جھلستے ہوئے جسموں سے مردوں، عورتوں اور بچوں کی چیخ پکار کانوں کو کیسی لگتی ہے، اس وحشیانہ تفریحِ طبع کے لئے نیرو نے حکم دیا کہ روم کو آگ لگا دی جائے اور اس کے غلام اس کا یہ بے معنی حکم بجا لائے

اُس کی انوارِ حسن سے تشکیل
اُس کا امن و سکوں ہم آہنگی +
وحدتِ زندگی کی موجِ نشاط +

بے غرض پیار راستی و خلوص
اس محبت کو اس اخوت کو
اور آلائشوں سے نفرت کی
کرتا ہے آتشِ عداوت سے
رکھتا ہے ہر طرح کے ظلم روا +
قلعے۔ ایوان معبد اور محل

ہے یہی کہ وہ آپ ہی ساماں
ہاتھ سے اپنے ہی بناتا ہے
پالتا ہے وہ آستیں میں سانپ
خود غلامی قبول کرتا ہے
دعوتِ ظلم خود ہی دیتا ہے
جن کی تفریحِ طبع کا ساماں

زندگی کی بنا نشاط و سرور
اس کی حرکت ہے پیار سے پیدا
ہے رگِ جاں میں ایک اک شے کے

آدمی کی سرشت میں تو ہے
لیکن اس کا دماغِ برگشتہ
کرتا ہے بدظنی سے آلودہ
جنگ کے پھر بپا وہ ہنگامے
آدمی آدمی کو کر کے غلام
خونِ مزدور سے بناتا ہے

المیہ آدمی کے جیون کا
پیدا کرتا ہے خود خرابی کا
خونِ دل کے لئے وہ خود خنجر +
پیتے ہیں دمبدم جو خونِ جگر
کینہ پرور ستم شعاروں کی
اُن ستم کیش حکمرانوں کو
درد و آہ و فغانِ مظلوماں +
اس چلن میں حیات کے شامل

نہ تقاضہ ہے کوئی فطرت کا — نہ رضا ہے جہاں کے خالق کی +
کاروبارِ نظامِ فطرت میں — کب ہے چھوٹے بڑے کا فرق کوئی؟
نورِ خورشید کا ہے کیا مخصوص — مرتبت کی بلندیوں کے لئے؟
چاند کی ٹھنڈی میٹھی کرنیں کیا — چھپروں سے غریب لوگوں کے
یونہی جاتی ہیں دُور ہی سے نکل؟ — خوابِ راحت کا لطف کیا اُن کو
ملتا ہے چھت پر بس محلوں کی — کیا وہ لاکھوں غریب جو دن رات
کرتے ہیں محنت و مشقت ہی — مادرِ ارض کی نہیں اولاد؟
کیا نہیں ماں کا پیار اُن کو نصیب؟ — کیا یہ ماں ہو گئی ہے اُن کے لئے
ایک سوتیلی ماں جو پیار اپنا — اُنہی بچوں کو خاص دیتی ہے
عیش و آرام کی فضا میں ہوئی — پرورش جن کی اور جن کے لئے
دوسرے لوگ تو کھلونا ہیں — محض تفریحِ طبع کا ساماں
جس سے چاہا جو من تو کھیل لیا — اور چاہا تو اُس کو توڑ دیا؟
خود غرض، خود پسند، خود مرکز — جن کے باعث خراب ہوتا ہے
امن دُنیا کا اور دل کا سکون + — قدر کرتا ہے جن کی ہر انسان
اور جن کے لئے ہے وہ بے تاب +

ایسا ہرگز نہیں جہاں کا نظام +
رُوحِ بیدار دیکھ تُو خود ہی — حُسنِ فطرت ہے نورِ وحدت ہے +
جلوۂ پاک تیری ذات کا ہی — محورِ رقصِ خودی ہے ہر دل میں +
جزو تیرے شعورِ کل کا ہی — فکرِ احساس ہر دماغ میں ہے +

شان و شوکت تری جلال ترا
دل میں ہر جیو کے ہے تخت نشیں +
تیرے فرماں کہاں، کہاں احکام

تیرے ہی دم سے کرہ ہائے عظیم
وسعتوں میں فضائے بالا کی +
اُن کی رفتار اور راہِ سفر +
اور اُس کے اُس ذرا سے قطرے میں
آدمی کی حیاتِ ارضی بھی
شکلِ معراج، صورتِ تکمیل +

لافنا لازوال کیفِ نشاط -
ہیں ازل سے رواں مکان و زماں
روحِ بیدار، اب تو دور نہیں
بندشِ جسم و جاں میں رہ کر بھی
صنعتِ بے مثال و یکتا سے
نکل نگاہی و ہمہ دانی سے

تیری طاقت و قدرتِ مطلق
تیرے فرماں کا ہے جہاں تابع (*)
آدمی کی دو روزہ دولت کے؟
روحِ کل، جانِ صد ہزاراں تو
رات دن ہیں خموش گردش میں
تیرے ہی حکم سے مقرر ہے
اور تیرے ہی حسن کا ہے نور
جس کی جاں ہے شعاعِ مہر بہار +
تیرے ہی ندعا و مقصد کی -

اوجِ ہستی، کمالِ امن و سکوں
منزلِ ارتقا وہ جس کے لئے
اب ہے انسان کے بہت ہی قریں +
وہ گھڑی جب ترا شعورِ خودی
کلیتاً باخبر ہو ہر لمحہ
ہستیٔ لازوال سے اپنی
وسعتِ بے کنار سے اپنی

(*) چاہا جہاں سے منظرِ فطرت بدل دیا — ہے کل جہاں تابعِ فرمانِ آرزو

(اصغر گونڈوی)

IV ⊗

کتنا کامل ہے اس فضا کا سکوں
خامشی کی تہوں سے نغموں کی
بے رہا ہو سرودِ بے آواز

کتنی شیریں ہے رات کتنی حسیں
ایسا لگتا ہے اٹھ رہی ہے نے
نیم خوابی میں جیسے انگڑائی

جس میں ڈوبی ہوئی ہے ساری فضا
خامشی کا وہ ارتعاشِ لطیف
ہلکی سرگوشیوں کے پہلو سے +
کرتی ہے شام سے بوقتِ وداع

رات نے اس سکونِ کامل میں
ڈال سکتا نہیں خلل کوئی
چپکے چپکے جو ہوتا ہے بیدار ⊗
ہلکی سرگوشیاں جو بادِ بہار

ہیں ستارے کروڑوں رخشندہ
ماورائے بیان ہے نور ان کا
بے نیاز نقابِ حسنِ سحاب

آبنوسی فضا کے گردوں میں
ہیرے جیسے جڑے ہوں گنبد میں
ان ستاروں کی روشنی میں چاند
ہے بشانِ جمالِ مستیِ خرام

⊗ نظم کے اس حصے میں شیلے پہلے حسنِ فطرت کی کچھ جھلکیاں دکھاتا ہے اس کے بعد یہ ثابت کرنے کے لئے کہ آدمی نے فطرت کی نعمتوں کو کیونکر تباہی اور بربادی کے لئے استعمال کیا ہے وہ میدانِ جنگ کے ہولناک منظر پیش کرتا ہے میں نے (تکرار سے احتراز کرتے ہوئے) مناظرِ فطرت کا بیان تو ترجمے میں منتقل کیا ہے لیکن جنگ کے مناظر کو بیشتر نظر انداز کر دیا ہے۔

⊗ چپکے چپکے جو جاگ اٹھتا ہے

حسنِ نظارہ

گلتا ہے گویا دستِ فطرت نے
چھتر سر پر کیا ہے اُن سب کے

یوں کھڑی ہیں پہاڑیاں جیسے

ہیں چٹانوں پہ اس طرح رخشاں
لمس سے اُن کے آنے پاتی نہیں
چاند کی پیاری پیاری کرنوں کا

جیسے چھوٹا ہو کوہ کی تنہا +
ہل رہا ہے ذرا ذرا یہ جسم +
دے رہا ہے پیام امن و سکوں

یہ صدائے سکوتِ شب. یہ فضا
دمبدم دے رہا ہے اک دعوت
کیفِ عرفاں سکونِ مطلقِ جاں
خود درخشانی - جمالِ خودی
منجمد نورِ ہست بے حدت +

رحمت و شفقت و محبت سے
خواب راحت میں) ہیں جو دھرتی پر

اوڑھنی سر پہ برف کی لے کر
دُلہنیں لاج کا دوپٹہ لئے -
صاف و بے داغ برف کی قلمیں
کہ لطافت میں چاندنی کے کمی
قلمیں یہ برف کی بنی ہیں جنہیں

اور اونچا وہ بُرج قلعے کا
ہلکے ہلکے ہوا کے جھونکے سے
اہلِ دل کی نگاہِ خوش بیں کو

یہ خموشی کی نے یہ تنہائی
حسنِ فطرت کے ان مناظر کی
روحِ آدم کو کیفِ عرفاں کی +
روح کی خود شناس یکتائی +
زندگی بے نشان و بے حرکت

بحرِ بے موج و پُرسکون و خموش +
بسترِ سطحِ آب، خندہ جبیں
اپنی آغوشِ استراحت میں
آسماں کے وسیع دریچے پر

یہ مجسّم سکون و راحت و امن
آنکھ کو نور اور دل کو سرور
ہے یہ فطرت کے جن عناصر کی
قہرِ فطرت کا غصّہ غیض و غضب +
کل مگر کالے بادلوں کا ہجوم
آسماں سے زمیں پہ اُترے گا
پھیلتے جائیں گے گھنے سائے +
ڈوب کے رہ جائے گی ضیائے نشاط
شعلۂ بجلی کے اور اس کی کڑک
اور اُٹھیں گے رعد کے طوفاں
پیدا کر دیں گی اپنے دامن میں
آگے جس کی لپیٹ میں کشتی

خواب آلود شام کا ہے سماں
رُخِ خور پر تبسّمِ رنگیں +
نُور کے دیوتا کی عظمت کو
رکے دیتا ہے خواب کی دعوت
بادلوں کے سنہری پردے ہیں
یہ نظارہ جمالِ فطرت کا
جلوۂ پاک، جس سے ملتا ہے
دلکش و دلفریب جلوہ گری
کل انہی سے اُبلتا نکلے گا
مطلعِ آسماں ہے رنگیں آج
سرکش و مست ہاتھیوں کی طرح
اور خوف و ہراس کے ہر سو
بحر و بر کے حسین چہرے پر
شورِ طوفاں کا۔ بادلوں کی گرج
ہر طرف ہوگا ایک حشر بپا +
اونچی لپکیں گی کوہ پا موجیں
گہری، تاریک وادیوں سی خلا
لطفِ ہستی کی ڈوب جائے گی
اُٹھ رہے ہیں کہاں سے یہ شعلے

آگ محرابِ آسماں میں لگی +
سُرخ شعلوں کی لمبی لپکیں ہیں +
ماہِ کامل کے روئے روشن پر +
ہو گئے غرق اس سیاہی میں
دفعتاً ساری دبی گئی ہیں بُجھا

صاف و شفاف برف کی تھی چمک
ظلمتِ دود میں سسکتی ہے

ہے کشادہ دہن و سُرخ زباں

اس کی نفرت و دشمنی کا غضب
روحِ آزاد۔ دیکھ تو اس کو
دیو صورت یہ دندناتا ہے
شور اُٹھتا ہے، گولے پھٹتے ہیں

تیرے روئے نشاط منظر پہ
یہ اُداسی یہ خوف و مایوسی
گردِ رنجیدہ خاطری کی جھلک

کالے کالے دھوئیں کے دامن میں
یہ بھیانک گھٹائیں چھائی ہیں
قافلے سب کے سب ستاروں کے
ایسا لگتا ہے مشعلیں اُن کی

چوٹیوں پر جہاں پہاڑوں کی
اب وہاں ٹمٹماتی شمع کی لَو

غیضِ فطرت۔ غضبِ عناصر کا

غیضِ تخریب آدمی کا مگر
قہرِ فطرت سے بھی ہے بڑھ کے کہیں +
آ کے میدانِ جنگ میں کیسے
حشر کرتا ہے اک بلا کا بپا +
ٹکڑے ٹکڑے دھڑ دل کے اُڑتے ہیں
روحِ بیدار۔ نورِ اطہر و پاک
آئینۂ صفائے دل پر تیرے
یہ دل آزردگی کے سائے سے
یہ غبارِ غمِ جہانِ بشر

یہ گماں اور اشتباہ کا دھواں
دھول پژمردہ بے یقینی کی
اس کا ہرگز کوئی جواز نہیں +
خوف کس بات کا اداسی کیوں؟
روحِ بیدار۔ نورِ جلوۂ ذات
لمحہ بھر کو بھی تو نہ غافل ہو
اپنی پاکیزگی و عظمت سے
رفعت و وسعت و سعادت سے +
اصل انساں کی ہے جمالِ نشاط
دکھ کی اپنی نہیں کوئی ہستی +
ہے بشر کا خود آفریدہ۔ عذاب
اور خود اس کے اپنے بس میں ہے
غم و اندوہ سے جہاں کے نجات +
خیر ہے آدمی کی فطرت میں
شر نہیں ہے سرشت میں اس کی +
دل میں اسکے ہے موجزن الفت
خوں میں اس کے نہیں رواں نفرت +
حشر جنگ و جہاد خونریزی
یہ خرابی۔ تباہی۔ بربادی
اس بہیمانہ ظلم کا باعث
حُبِ جاہ و جلالِ شاہاں ہے
خود غرض حرصِ مال و دولت ہے
پیشواؤں کی خود پسندی ہے
تنگ نظری ہے کم نگاہی ہے

آدمی سمجھے اپنے آپ کو گر
جو محبت ہے اس کی فطرت میں
جو دلِ کائنات میں ہے رواں
لائے گر وہ بروئے کار اسے
تو یہ خاکِ خزاں زدہ اپنی
رنگ و بو میں ہو رشکِ باغِ ارم
یہ غم آلودہ اپنا کاشانہ
ہو مسرت کدہ خلدِ بریں

روحِ بیدار دیکھ قدرت نے
اس جہاں کو بنایا کتنا حسیں
اور برسایا اس پہ متواتر

برکتیں اور نعمتیں کتنی +
دل میں اپنے لئے ہم آہنگی
اور کیفِ سرودِ وحدت کی
پیار جس میں بسا ہے سارا جہاں
ہے یہی پیار کا سرور و سکوں
جس سے سب زندگی عبارت ہے +
آشیانوں میں اپنے رہتے ہیں
اور گہرائیوں میں ساگر کی
ہیں رواں رنگا رنگ مخلوقات
اور تو اور کرمکِ ناچیز
اُس کو بھی کر دیئے ہیں فطرت نے
آرزو، شوق۔ پیار کا احساس

دُور کتنا ہی کیوں نہ ہو لیکن
انتہائے کمال کی شکتی

کیسے ممکن ہے آدمی ہی سے
کینہ رکھے۔ مخاصمت برتے؟
اُس پہ بربادی و تباہی کی؟

ایک اک تارِ سازِ ہستی کا
نغمۂ کثرتِ تجلی کی
گھولتا جا رہا ہے پیار کا رس +
جس کے دامن میں آشتی و سکوں
رنگ و بوئے حیات ہے جس سے
اس سکون و سرور میں بس کر
شاد دل طائرانِ دشت و چمن +
درمیاں خامشی کی لہروں کے
گوناگوں بحری زندگی ہے رواں +
خاک میں رینگتا ہے جس کی حیات
زندگی کے لوازمات عطا
قوتِ فکر۔ طاقتِ اظہار
منزلِ ارتقا سے جیوہ گری
اس میں معراجِ ہست کی طاقت
ہے "باندازۂ طلسم شہود" [1] +
یہ اگر ہے نظامِ دنیا تو
قدرتِ خالقِ جہاں۔ فطرت
بے وجہ لعنتیں کرے نازل
ایک اُس کے لئے ہو بے انصاف

---

[1] اصغر گونڈوی

اور رکھے عتاب اُس پہ روا ؟ — اک تجلی نشاطِ مطلق کے
دُور ہی سے اُسے دکھلائے مگر — دسترس میں نہ اس کی آنے دے ؟
ایسا ہرگز نہیں کہ فطرت نے — آدمی کو خراب و خوار کیا +
آدمی کی تباہ حالی کے

ہیں ذمہ دار رہنما اس کے — حکمراں پیشوا سیاست داں +
گلشنِ زیست کی بہاروں کے — بس یہی لوگ تو ہیں غارت گر +
شاخِ ہستی پہ پیار کی کلیاں — کھلنے پاتی نہیں کہ ان کے ہاتھ
زہر نفرت کی بھر کے ریشوں میں — اُن کے رنگوں کو اور خوشبو کو
بند مرجھائی پتیوں ہی میں — زندہ دفنا کے مار دیتے ہیں +
یہ مجاہد یہ قاتلانِ عوام — ایسا ماحول پیدا کرتے ہیں
جاری کرتے ہیں ایسی طرزِ حیات — باندھتے ہیں کچھ ایسی وہ قدریں
کہ لڑکپن سے ہی جہاد و جنگ — معرکے لگتے ہیں عظیم الشان
کارنامے بشر کی طاقت کے +

گود میں ماں کی کھیلتے بچے — جو ابھی توتلی زبان ہی میں
پیار سے ماں کا نام لیتے ہیں — ایسے معصوم چھوٹے بچوں کو
کھیلنے کے لیے کھلونے بھی — دیتے ہیں تو تفنگ و تیغ کبھی +
ہاتھ میں یہ کھلونے بچوں کے — کھیل ہی کا نہیں فقط ساماں
کرتے ہیں یہ دماغ کو مسموم — دشمنی نفرت و حقارت سے +

چلنے لگتے ہیں ننھے بچپن سے — غازیوں کی مجاہدوں کی چال +
کھیل میں سیکھتے ہیں جو باتیں — دیکھنے میں، تو بے ضرر سی ہیں
لیک کر ڈالتی ہیں وہ زائل — اُن کا احساسِ لطف و ہمدردی
اور اُن کی تمیز کی قوت + — آخرش بنتے ہیں یہی بچے
آلۂ کار حکمرانوں کا — غیض کا۔ قہر کا۔ مظالم کا +
چھوٹے چھوٹے یہ نرم و نازک ہاتھ — خونچکاں تماشا نہ بنتے ہیں
جوشِ تعذیب کا اذیت کا + — بھائی بھائی کا خون کرتا ہے
باپ بیٹے کی جان لیتا ہے

کاش ذہنیت غلامانہ
اپنے معصوم ننھے بچوں کو — یہ نہ دیتی سبق کہ خصلت میں
آدمی کی بدی ہے اور گناہ + — گلشنِ زندگی کی ویرانی
ساری بربادی و تباہ حالی — ہے نتیجہ اسی جہالت کا +
کاش دنیا نہ درسِ غم دیتی — تازہ وارد لطیف روحوں کو
جو محبت بدوش آتی ہیں — دل میں موجِ نشاطِ مست لئے
جن کو مطلوب ہے ہم آہنگی — اپنے ماحول میں مسرت کی
تازگی کی، شگفتہ رنگت کی — لیک دنیا سے اُن کو ملتی ہے
گرم لو جس سے فطرتی نزہت — اپنا اظہار کر نہیں سکتی
نیم وا۔ نو دمیدہ غنچوں پر — جھریاں پژمردگی کی چھاتی ہیں

- - - - - - - - - - - -
- - - - - - - - - - - -
- - - - - - - - - - - -

اور مذہب کے پیشواؤں نے
اور قانون اور رسم و رواج
خود بنا ہے غلام، بچوں کو
اپنے ہاتھوں سے اُن کے پاؤں کی
کھو چکا ہے وہ اپنی آزادی
اور محروم کرتا جاتا ہے

وہ حیات آفریں شعورِ نشاط
جس سے کھلتی ہیں زیست کی کلیاں
خالقِ دو جہاں کا جس سے جلال
جس سے قائم ہے عظمتِ انساں +
یہ شعورِ خودی و آزادی
ہاتھ سے اپنے کھو چکا ہے بشر
اصل اس کی ہے روحِ اطہر پاک

ہے ابد تک ازل سے جو قائم
اس تماشہ گہہ تجلّی میں
روح مظہر ہے ذاتِ واحد کی

ظلم ڈھانے کو بادشاہوں نے
اپنے من مانے گھڑ لیے ہیں اصول
رہ گیا ہے جکڑ کے جن میں بشر +
وہ بناتا ہے اپنے آپ غلام +
ساخت کرتا ہے خود ہی زنجیریں +
ہو چکا ہے خودی سے وہ محروم
نعمتِ بے بہا سے بچوں کو
وہ خودی وہ بنائے حُسنِ نمو

وہ دمِ ہست خیز جانِ وجود
جس سے پیدا ہے رنگ و بوئے چمن +
حُسن میں زندگی کے ڈھلتا ہے +
جس سے اٹھتا ہے پیار کا احساس +
نعمتِ بے بدل ہے وہ جس کو
اصل کو اپنی بھول بیٹھا ہے

اس وسیع کائنات ہستی میں
جس کو حاصل ہے اک بقائے دوام
اس جہانِ نمو کے کثرت میں +
جزو ہے کل میں بس رہا ہے جو

کُل ہے جو جزو میں سمایا ہے +
عصر ہائے زماں کا انحصار +
دل ہیں اس کے ترانۂ ہستی +
وسعت و عظمتِ جہانِ نمو
ذرّے ذرّے میں اس کے دم سے ہے
درخِ نفرت۔ کششِ محبّت کی
خیر و شر۔ انبساط و درد و الم
طاقتِ غور و فکر۔ زورِ خیال
جن سے حُسن و جمال ہستی کی

اس کے مہرِ جلال کی کرنیں
اُن شعاعوں سے آفتاب کی بھی
گردِ آلودگی تضادوں کی

آدمی کے وجود کا مقصد
ارتقائے خودی کی منزل ہے +
خدمتِ خلق کی سعادت کو
تاکہ ہستی کی رفعتوں پر ہو
عرش پیما خیال و فکر و نظر +

ہے اسی رُوحِ کُل بلا ماں پر
روشن پر اس کے نورِ ارض و سما
یہ بیک وقت جزو بھی کُل بھی +
مصدر و مخزنِ لطافتِ جاں +
زندگی کا شعور اور احساس
جن سے پیدا ہیں راستی و دروغ
تابِ عزم الحیات۔ قوتِ کار
سب عناصر حیاتِ ارضی کے
ساری رنگینیاں عبارت ہیں
خود درخشاں یہ روحِ اطہر ہے +
پاک تر ہیں زیادہ روشن ہیں
جن کو چھو تک نہ پائی ہے ہرگز

مدعا انتشارِ وحدت کا
غایتِ جسم و جاں دماغ و دل
کام کرنے کو نیک اور عظیم
دست و بازو ہوئے ہیں ہم کو عطا +
اپنی پرواز۔ ہم نے پائے ہیں
تاکہ ہر درد و غم کی شدت سے

ہم سکونِ جگر کریں پیدا
تاکہ پوری طرح اُٹھائیں حظ
ہم کو بخشا گیا لطیف احساس
منحصر ہے یہ خود ہمیں پر ہی
رنگ ہائے نشاطِ الفت سے
اپنے ہاتھوں ہی مسخ کر ڈالیں

ذلت وخواری وزبوں حالی +
یوں ہی ہو کر رہیں دردوالم +
خوف کے بے شمار شکلوں کے
اور آواز پہ ہر آہٹ کی

ظلم کرتا ہے اپنی فطرت پر +
جذبۂ جانفزا محبت کا
کرتا ہے اپنے آپ کو محروم
آخرش رنج وغم سے تنگ آکر
اور اس کو نجات دے غم سے
بنتی ہے اس طرح حیات اس کی

دل محبت بھرا ملا ہے ہمیں +
زندگی کی تمام خوشیوں سے
اور کیفِ سرورِ نغمۂ جاں +
کہ بنا لیں حیات اپنی حسیں
یا اسے تیشۂ عداوت سے

اپنی تقدیر میں نہیں ہرگز
کوئی مجبور بھی نہیں کہ رہے
اس کا کبھی تو نہیں جواز کہ ہم
سامنے رینگتے رہیں ہر دم
کانپ اُٹھیں دبک کے رہ جائیں
کیا غضب ہے کہ آدمی خود ہی
دل میں اس کے جو ہے معطر وپاک
کر کے آلودۂ ہوس اس کو
روحِ اطہر کی ازلی خوشیوں سے +
چاہتا ہے کہ موت آجائے
ڈرتا رہتا ہے لیک موت سے بھی +
سلسلہ ایک خوف وخواہش کا

یہ ہیں اس آدمی کے نقش و نگار

جس کی صورت کو واسناؤں نے ۔۔۔ رکھ دیا ہے بگاڑ کر یکسر +

ایک اپنے جمال کا جلوہ ۔۔۔ ایک دن پا ہی لے گی روحِ بشر

اور سوچا ہے گا اُسے احساس ۔۔۔ کیفِ کامل نشاطِ مطلق کا +

زندگی کا یہی تو مقصد ہے ۔۔۔ ارتقا کا یہی تقاضہ ہے

جنگ کیا ہے۔ یہ خون کی ہولی

کھیل ہے سنگدل سیاست کا + ۔۔۔ اور تفریحِ طبع کا ساماں

خود غرض تماعیانِ مذہب کا + ۔۔۔ اہلِ قانون کے لئے ہے مذاق +

پیشہ ور خونیوں کا کاروبار + ۔۔۔ اور شاہانِ جنگ جو کے لئے

قتل و غارت ہے جن کا مذہب و دیں ۔۔۔ جن کا مسلک ریا و کذب و فریب

اپنی عظمت و شان کی خاطر ۔۔۔ جو ہزاروں سپاہیوں کا قتل

کرتے ہیں بے دریغ اُن کے لئے ۔۔۔ جنگ جانِ عصائے شاہی ہے +

جنگ ہی اُن کے تخت کی بنیاد ۔۔۔ جنگ ہی اُن کے تاج کی رونق

بل پہ وہ جنگ ہی کے جیتے ہیں ۔۔۔ جنگ ہی اُن کا خوانِ نعمت ہے ⊗

⊗ یہاں شیلے بیان کرتا ہے کہ اِن لوگوں کے ہاتھوں دنیا کیونکر تباہ حال برباد اور ویران ہو رہی ہے۔ قتل و غارت کا بازار گرم ہے۔ خون کی ندیاں بہتی ہیں۔ معصوم جرائم کے بوجھ تلے دب رہے ہیں۔ ہر طرف ظلم و ستم کا اندھیرا چھا رہا ہے۔ عوام کی ذہنیت غلامانہ ہو رہی ہے۔ اہلِ اقتدار کا ضمیر مر چکا ہے۔ شاہانِ وقت کو اس کی کوئی پروا نہیں کہ کیا کیا ظلم ڈھائے جا رہے ہیں۔ وہ اپنے عیش و آرام میں مشغول ہیں۔ اُن کے دل میں درد کا احساس نہیں۔ اُن کے دماغ میں درد کا شعور نہیں۔ لگتا ہے وہ دوسروں کے مصائب و آلام سے لطف اندوز

امن کہتے ہیں جس کو وہ بھی تو

جنگ ہی کی ہے خوشی وضع صورت
آلۂ کار ہے زبردستی

دست و بازوئے زرخرید کا فنڈ

ظلم سہہ سہہ کے اور رنج و الم

لوگ جنہیں جلاتیں بھوکے مریں
آہ بھر بھر کے بددعائیں دیں

ہو نہیں پاتا رتی بھر بھی اثر
حکمرانوں کے ان غلاموں پر

کرتے رہتے ہیں ظلم متواتر (*)

رکھتے ہیں۔

بے دردی اور ستم رانی میں مذہبی پیشوا حکمرانوں سے کم نہیں اُن کی جہالت اور خودغرضی حق و انصاف کے نام پر ہر طرح کے ظلم ڈھاتی ہے اُن کے دل پتھر کے ہیں جہاں محبت کا گزر نہیں۔ اُنہیں تو نبی نام اور نفع سے کام ہے

خودغرض نفع خوری اور بے رحم لوٹ مار میں تجارت حکومت اور مذہبی سلطنت سے بھی بازی لے گئی ہے۔ تجارت کا خدا سونا ہے۔ کچھ راست باز اور نیک کردار بندوں کو چھوڑ کر سب کے سر اس بُت کافر کے سامنے جھک جاتے ہیں بلند سے بلند سر خواہ ان کا اعلیٰ مقام حکومت میں ہو یا نوادرات امارت میں۔ بادشاہوں اور شہزادوں کے تاج پوش سر ہوں یا غیر مہذب امیروں کے مغرور سر یا مذہبی علما کے بے لوچ سر سب پیسے کے سامنے سربسجود ہو جاتے ہیں۔

دولت کی خاطر جنگ و فساد ہوتے ہیں۔ انسانی فطرت کی ہم آہنگی اور مہر و مروت دولت کے سامنے قربان ہو جاتے ہیں۔

میں نے نظم کے اس حصے کا ترجمہ کرتے وقت مناسب اختصار سے کام لیا ہے۔

(*) شیلے نے ان "غلاموں" کو (جن میں فوجی اور غیر فوجی اہل کار شامل ہیں) جاہل کمینہ بے درد۔ فریبی۔ بدکار۔ رشوت خور۔ مردم آزار۔ بدمعاش۔ بھاڑے کے غنڈے وغیرہ ناموں سے [illegible]

اقتدار اور دولت و اعزاز
کار ہائے فساد پر معمور +
جس طرح ہو یہ لوگ کرتے ہیں
اس غلامی کا ان جوانوں کو
لیکن اس وقت تک ہیں بے چارے
خستہ حال اور بے کس و بے بسی +
جس میں انصاف یکتا رہتا ہے
نسل در نسل وہ غلامی میں

ان غلاموں کو دے کے با افراط
بادشاہانِ وقت کرتے ہیں
خون سے یا مدد سے پیسے کی
نوجوانوں کی ذہنیت کو غلام +
آخر اک دن شعور ہوتا ہے
ہو چکے ہوتے ہیں وہ پس پس کر
اس پہ قانون کا نظامِ عمل
اور کرتا ہے مضمحل ان کو +
شہریاروں کی جکڑے رہتے ہیں
ایسے بنتا ہے آدمی خود ہی
آلۂ کار جس کو کرتی ہے
کام لیتے ہیں اس سے غیض و غضب
فسق و بد کی یہ طاقتِ مطلق
سر اٹھانے کی کیا مجال رکھے +
چند گنتی کے فایدوں کے لئے
زندگی اپنی کرتے ہیں قربان

ظالموں کے ستم کا آلۂ کار +
پختہ و تیز حکمتِ عملی +
اور بڑھتی ہے جس سے قوتِ شر +
جب کبھی جس کو بھی چاہے کر دے تباہ
بچے ہوں نوجواں ہوں بڈھے ہوں
مختصر سی مسرتوں کے لئے
آئے دن فسق و بد کی طاقت پر

اصول ہے نہ مطمحِ نظر۔ حاکمِ وقت کے جا و بے جا حکم بجا لانا ہی اُن کا نصب العین ہے یہ لوگ چاپلوسی سے اقتدار حاصل کر لیتے ہیں اور پھر ہر طرح کے ظلم کرتے رہتے ہیں۔
میں نے شیلے کی اس نحیف کلامی کو لفظوں ... [illegible]

نسل در نسل یہ غلامی کا

چلتا رہتا ہے سلسلہ یوں ہی +

ہر نئی نسل کے جواں غنچے

لمسِ جانسوزِ دستِ گلچیں سے

جل کے ہوتے ہیں خاک گلشن میں +

آ ہی پاتی نہیں چمن میں بہار

سینچتے ہیں جو اپنے خوں سے اسے

رہتے ہیں رنگ و بو سے وہ محروم +

جسم اور جان کی غلامی کا

یہ نظامِ عذاب و ظلم و ستم

جھوٹ اور اختراع پہ مبنی ہے +

کر کے ایجاد اک زبان نئی

پردہ پوشِ دروغ و کذب و ریا

شاہ و حاکم و زر خرید غلام

کھوکھلے خالی میٹھے وعدوں سے

اونچے نعروں سے جھوٹے دعووں سے

رنگ دیتے ہیں سچ کا باطل کو +

اور بے چارے بیکس و نادار

نسل در نسل رہتے ہیں بے بس

اور اس پر غضب یہ ہے کہ یہ ظلم

نام پر خود خدا کے ہے جاری +

ذاتِ باری نہیں خدا اُن کا

ہستیٔ مطلق و نشاطِ تمام

نور و حسنِ حقیقتِ ازلی

انتہائے شعور و حدتِ ہست

جانِ کیفِ محبتِ کامل

خود اُنہی کا ہے نقشِ اُن کا خدا

کینہ پرور ہے اس کا غیض و جلال +

رحم اس کا ہے بھوکے شیر کا رحم +

وہ جلاتا ہے نارِ دوزخ میں

اُن بچاروں کو جو غلامانہ

حکم اُس کا بجا نہیں لاتے +

چند گنتی کی لغزشوں کے لیے

اُن کو ملتی ہے دائمی تعذیب +
بخشی جاتی ہے اُن غلاموں کو
خم کئے رہتے ہیں سرِ تسلیم
جُھول کو عظمتِ خودی کا جلال

اور اے قائدانِ مذہب و دین
لوٹ کر بے کسوں غریبوں کو
قتل کر کے ہزاروں لاکھوں کو
دے کے درد و عذاب لوگوں کو
چین پھر بھی نہ ہوگا تم کو نصیب +
حرص کے تم ہو بندۂ بے دام
رینگتا ہے تمہارے آگے جسد +
ہیں تمہارے دماغ پر غالب +
جسم کو گُھن لگا ہے روگوں کا
مٹ گئی ہے تمیز کی طاقت
آس کی لَو کہیں نہیں پیدا
کھو چکے تم ہر اک لطیف احساس
نیند شب بھر تمہیں نہیں آتی
موت کی تیرگی کا ہَول بھی ہے

اور جنت کی دائمی لذت
کانپتے تھرتھراتے ڈرتے ہوئے
آگے کُھڑ پتلیوں کی طاقت کے +
اور خود داریٔ بشر کی شان
لیکن اے بادشاہو شہزادو
یاد رکھو یہ بات مت بھولو
جتنا بھی چاہو عیش تم کر لو
جتنا بھی چاہو فخر و ناز کرو
نام کا اپنے ڈنکہ بجوا لو
بِک چکے ہو ہوس کے ہاتھوں تم
تم تو بدتر ہو اس غلام سے بھی
جسم کے عیش کے مسلسل خواب
ڈھل چکا ہے شبابِ عیش از وقت
جا چکی ساری قوتِ اعصاب
دل پہ افسردگی کے سائے ہیں
پیار کی بھی کرن نہیں اُٹھتی
دن تمہارے ہیں بے مزہ بے رنگ
سوچتے ہو کہ صبح کب ہوگی ؟
موت ہیں چین کا یقیں بھی نہیں

پھر بھی کرتے ہو منورت کی خواہش
دیکھ لو ہے تمھارا یہ انجام

V

پیٹ سے ماں کے قعرِ مرقد تک

زندگی کا یہ سلسلہ ہے رواں +
اٹھتی ہیں نسلیں اٹھ کے مٹتی ہیں

خاکِ پا سے اجل کی پھر پیدا
رنگ و بوئے حیات ہوتی ہیں +

صورتیں زندگی کی فانی ہیں
اصلِ ہستی کو ہے ثبات مگر

جس کے دامن میں زیست متواتر
تازہ دم ہو کے اٹھتی رہتی ہے +

پتے جھڑتے ہیں ہر خزاں میں مگر
ہوتے ہیں پھر نئی بہاروں میں

لالہ و گل کی صورتوں میں عیاں ⊗

پیڑ جنگل میں گر کے گلتے ہیں
لیک اٹھتے ہیں پھر جواں ہو کر

ہے ہمیشہ ہرا بھرا جنگل +
رہتی ہے اس طرح سدا قائم

سالمیت جمالِ فطرت کی
جاذبیت شبابِ جلوت کی +

لمحہ بھر کو بھی کم نہیں ہوتا
دیدہ و دل کے کیف کا ساماں

ایسے ہی خونریزیاں ہوسنا کی

خود غرضی گیر و دار کی لعنت
جس سے گھٹتا ہے دم محبت کا

حسنِ احساس کی لطافت کا
آخرش مر مٹے گی اور یہاں

مسکرائیں گے ہر طرف غنچے
حسنِ آزادیِ محبت کے

کیف و سرشاریِ مسرت کے
خوش خیالیِ فکرِ فطرت کے

خیر اندیشی و اخوت کے

⊗ سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں
غالب

خود غرضی

بس یہی گیر و دار ہے حائل +
ہو یہ شاہوں کی۔ اہل کاروں کی
سرد مہری ہے اور سنگ دلی
ہے تو مکروہ اور بد ہیئت
خوبصورت نفیس و گوناگوں +
حق رسی اور راستی کی کہیں +
چھپ نہیں سکتی چشمِ بینا سے +
ظلم اور قہر کی بنا ہے یہی +
اُتنی ملتی ہے اس کو تقویت +
شرم کوئی نہیں ہے دُنیا کی +
ایک دولت سے کام ہے اس کو +
بھول کر بھی کبھی نہیں ہوتا
پاک و اطہر وسیع خیالوں سے +
اور کوئی نہ جس میں شامل ہو +
کتنا ہی کیوں نہ ہو خبیس و غلیظ +

راہ میں اس بہشتِ ہستی کے
ہے یہ مطلب پرستی ایک ہی شے
یا ہو یہ قایدانِ مذہب کی +
بے حسی۔ مُردہ جان بے دردی +
تشکلیں کرتی ہے اختیار مگر
عملی و الفاظ کی کہیں صورت
باوجود اس کے اصلیت اس کی
جھوٹ اور جرم کی محرک یہ
جتنا ہوتا ہے کامیاب ستم
پاس عزت کا ہے نہ کوئی اسے
عیش و عشرت سے کام ہے اس کو
خود غرض گیر و دار کو مطلب
اعلیٰ قدروں سے اور کاموں سے
شاد کامی اسے ہے وہ مطلوب
نفع سے کام ہے اُسے ہر وقت

تجارت

جس کو کہتے ہیں لین دین یہاں
یہ وہ لعنت ہے جس سے نادار

ہے تجارت اسی کی اک صورت +
روز روشن کی لوٹ ہے وراصل +
پھیلتی ہے بہ شکلِ قحط و وبا

یہ وہ صنعت ہے جس سے کرتے ہیں
اور مضبوط و سخت زنجیریں

بکتی ہیں کوڑیوں کے دام یہاں +
خاک آلودہ پتھروں کے تلے +
ہو نہ لے گندلا اور زہریلا
کہ کوئی وصف و خوبیٔ کردار
پیار اور دوستی کا جذبۂ پاک

جس کے آگے بڑے بڑوں کے سر
عظمتِ خام نوامیروں کی
اور شاہانِ وقت کی شوکت
ہر رئیس و نواب زادے کی
اس بتِ کافرِ تجارت کے +
لاکھوں مزدور سینکڑوں دہقاں +
جنگ کی آگ میں جلانے کو
بے حس و خونچکاں مشینوں میں
جن میں احساسِ زندگی ہی نہ ہو
نہ کوئی ارتعاشِ بیم و رجا

مفلسی ۔ بے بسی و غلامی کی ۔

شعر و فن کی حسین تخلیقات
دیتا ہے چشمۂ جمالِ ہنر
روح پرور و پاک آبِ حیات
ایسی مسموم ہے فضا اس کی
راست بازی و خیر اندیشی
رہ نہیں سکتے زندہ دم بھر کو
اس تجارت کا ہے خدا سونا
آگے ہوتے ہیں خم عقیدت سے +
شانِ مغرور بد خصالوں کی
خاندانی وقار و عزت و شان
سرنگوں ہیں تمام قدموں میں
اس کے معبد میں ہوتے ہیں قرباں
بکتے ہیں آدمی کے جسم یہاں
یا تجارت کے کارخانوں کی
برتنے کو بطورِ کل پرزے
دل میں دھڑکن نہ ہو دماغ میں موج

مسخ کردہ یہ صورتِ ہستی
ہو گئی جس میں گم خوشی آہنگی
روز افزوں دبیز تاریکی
کھو رہی ہے جلالِ نورِ خودی
اس کو کہتے ہیں لوگ خوشحالی

ہے ترقی و دولتِ اقوام +
بے بدل ہے جو بے بہا ہے جو
تابِ معراجِ عشق ملتی ہے
اُس کے بدلے خریدتا ہے بشر
دوڑتا ہے یہ جب رگ و پے میں
اور گرتی ہے پستیٔ غم میں
اعلیٰ قدروں کا کوئی بھی منظر
نورِ حسن و جلالِ ہستی کے
نفع بس ایک نفع ہی کی دھن
مٹتے ہیں اور سارے احساسات
شوق بھی سارے ختم ہوتے ہیں
جی نہیں چاہتا کہ کر گذرے

حسنِ فطرت کی یہ زبوں حالی
نغمۂ زیست کی یہ ناسازی
یہ غمِ جاں و دردِ محنت کی
جس میں دب کر نشاطِ روحِ بشر
یہ کرشمہ ہے سب تجارت کا

ذلتِ فطرتِ بشر کا نام
وہ سعادت و نعمتِ روحی
فیض سے جس کے آلِ آدم کو
ہر دو عالم کو ناز ہے جس پر
سیمِ منصب و زرِ دولت و زر +
زندگی ایک بوجھ بنتی ہے
آسمانِ رجا کی رفعت سے +
آنکھ کے سامنے نہیں رہتا +
محو ہوتے ہیں سب بلند خیال +
رہتی ہے صبح و شام سر پہ سوار +
دل میں رہتا ہے ایک خوفِ زیاں +
دل میں رہتی نہیں امنگ کوئی +
کام مردانہ جوش و ہمت کا +

اور تو اور پیار کا جذبہ
پیار کے اس بے انت ساگر میں
موج پر موج، دمبدم، ہر سو
سونے چاندی کے حرص کے طوفاں
بے تلافی ہے حرصِ مطلق یہ
پردہ پوشی میں اس کی ہیں کوشاں
لیک لعنت یہ چھپ نہیں سکتی
نام خوشحالی و ترقی کا
یہ بلاغت ہے محض لفاظی
جن کی آرام سے گزرتی ہے +
زندگی ساری جن بیچاروں کی
فکر و تشویش سے ملوّث ہے
خالی لفظوں کے اس طلسم کے
زندگی اُن کی تو ہے مجبوری
شام ـ انجام نیم فاقہ کشی +
بیٹھ جاتا ہے سر پکڑ کر باپ
جس کی اپنی رگوں میں خون نہیں
اُن کے دل میں تو ظالموں کے لئے
اور دہشت و خوف کا ہے دھواں

دل میں کھو بیٹھتا ہے اپنا مقام +
چلنی چاہیئے جہاں محبت کی
ہوتے رہتے ہیں ہر گھڑی برپا
ہوسِ سُود و نفع کے گرداب +
بے تدارک و قطعی یہ ہوس +
حیلہ سازی، فریب و مکر و ریا
اس کو دیتے رہیں سیاستداں
یا کہیں اس کو دولتِ اقوام +
جس سے کھاتے ہیں بس وہی دھوکا
لیک مزدور و مفلس و نادار
بارِ رنج و الم سے بوجھل ہے
آئیں گے وہ بھلا فریب میں کیا
قہر ہوا من ستم ظریفی کے +
صبح ـ آغازِ محنتِ بے سود
رحم ہیں اُن کے بھوکے بچے تو
ٹکٹکی باندھے دیکھتی ہے ماں
تاب جس کو نہیں شکایت کی +
شعلے نفرت کے ہیں بپا ہر دم

- - - - - - - - - - - -
- - - - - - - - - - - - -

کیا ستم ہے کہ اس طرح لاکھوں
زندگی کرتے ہیں غلامی کی
زہر آلودہ زندگی جس میں
فطرتِ انساں کی مسخ ہوتی ہے +
فیضِ قدرت سے ہر بشر کو ہے
قوت و اختیار وہ حاصل
جس کے تابع ہے کائناتِ وجود +
یہ سعادت مگر غلامی سے
چھوڑ دیتی ہے آدمی کا ساتھ +
وہ حقیقت کو اپنی بھولتا ہے
فکر و تشویش، غصہ و غم میں
کتنے ہی ہوں گے دل جنہیں احساس
ہوتا ہوگا سرودِ ہستی کا +
اور کتنے ہی ہوں گے جن کو شعور
ہوتا ہوگا خودی کی وسعت کا +
جن کی آنکھوں میں ہوتی ہوں گی عیاں
جھلکیاں نورِ حق کے جلووں کی +
کرۂ ہائے عظیم تاروں کے
لگتے ہوں گے نگاہ میں ان کی
جیسے ہوں دور ٹمٹماتے دیئے +
آئینے کتنے ہوں گے ہستی کے
جن میں حسن و جمال کی موجیں
اور جوش و جلال کی کرنیں
ہوتی ہوں گی ظہور کو بے تاب +
جسم و جاں کی مگر غلامی نے
کر دیا سب کو زندہ ہی پامال

ہے ہر اک دل میں تاب اوجِ کمال +
جتنے گزرے ہیں عالم و عارف
حق شناسا و رازداں سالک
ہر بلندی و پست کی واقف
صاف دل راست گو و پاک نظر
فیض سے جن کے ہونا آیا ہے
انکشافِ رموزِ ارض و سما
جن کی ضرب المثال تھی ہمت
سب تھے مگر وہ بے خبر اک نفت +

جسم کی بندشوں میں تھے پابند
کہہ نہیں سکتا تھا کوئی کہ کبھی
اُس مقامِ خودی پہ پہنچیں گے
پاک ہے حسنِ حق سے جس کی فضا
طاقتیں تحلِ جلالِ فطرت کی
ہوش و عقل و شعور و دانش کا
اس مقامِ خودی پہ موت کے بھی
موت جس کا گزر ہے ہر جا پر
عارفِ حق کے سامنے وہ بھی
دیکھتی ہے جو اُس کا رعبِ جلال

یہ ہے معراج روحِ انور کی +
نفس کا بن کے بندۂ بے دام
بندھ کے زنجیر میں غلامی کی

راہرو تیز گام و پاک نظر
جس کو گمراہ کر نہیں سکتے
جس کو پابند کر نہیں سکتی
کر نہیں پائے سرنگوں جس کو

نفس کی خواہشوں سے تھی مجبور
یہ بھی پہنچیں گے اوجِ ہستی پر +
نورِ صدق و صفا سے ہے روشن
ہاتھ آتی ہیں خود بخود جس جا
سایہ تک بھی جہاں جہالت کا
بھول کر بھی نہیں گزر پاتا +
ڈگمگاتے ہیں پاؤں دم بھر کو +
(جسمِ خاکی فنا تو ہونا ہے)
سہم جاتی ہے۔ مانگتی ہے اماں
اور رخشندگیٔ تارِ نظر +
یہ ہے منزل ہماری ہستی کی
راہ میں لیک رہ گیا ہے بشر
پھنس کے حرص و ہوس کی دلدل میں

ہاں مگر پہنچتا ہے منزل پر
راست گو حق شناس و نیک خیال +
عیش و عشرت جہانِ فانی کے
منصب و مرتبت کی شان و شکوہ
وحشی خونخوار ظالموں کے ظلم +

اس تجارت کے عہد میں ہر شے
بکتی ہے قیمتاً کھلے بندوں +
بکتی ہیں نعمتیں بھی فطرت کی
دھوپ بکتی ہے چھاؤں بکتی ہے
بکتے ہیں روشنی ہوا پانی
ہاتھ بکتے ہیں پاؤں بکتے ہیں
بکتے ہیں لب، زبان بکتی ہے
بکتے ہیں شعر و نغمہ علم و ہنر +
دوسروں کی نظر سے دیکھے کہ
خود فروشوں کی بکتی ہیں آنکھیں +
دین بکتا ہے، بکتا ہے ایمان
بکتے ہیں خلد کے بھی پروانے +
جنگ کی آگ میں جھلسنے کو
جانیں بکتی ہیں نوجوانوں کی
جن کی قیمت ہے جھوٹی تعریفیں
حبِ قوم اور جاں نثاری کی +
اور تو اور پیار بکتا ہے
قیمتیں لگ رہی ہیں جسموں پہ +
جھوٹا ہے جوڑ زر خرید ملن
روپ بھرتا پھرتا ہے الفت کا +
پیار تو پیار ہے ہوس ہے ہوس
وہ ہے رخشندہ شعلۂ ہستی
اس سے اٹھتا ہے درد و غم کا دھواں
وہ ہے سرچشمۂ سرورِ حیات
اس سے بہتا ہے زہرِ رنج و الم
نیک کردار آدمی کا ضمیر

ہے مگر ایک شے جسے کوئی
کر نہیں سکتا اس جہاں میں خرید
سونے چاندی سے نام و شہرت ہے
اعلیٰ منصب کی شان و شوکت ہے
آسمانی خوشی کے وعدوں سے +
زندگی ایسے نیک انساں کی
وقف ہوتی ہے دوسروں کے لئے +
خدمتِ خلق اس کی نظروں میں
بہترین طاعت و عبادت ہے +
دوسروں کی خوشی و بہبودی

طالبِ حق

اس کا مسلک و دین و ایمان ہے + راسخ الاعتقاد، استقلال

جرأت و ہمت و اولوالعزمی اس کے جیون کا خاص شیوہ ہیں +

وہ ہے طالب نشاطِ ابدی کا وہ خوشی جس میں کائنات تمام

بس کے قائم ہے اور زندہ ہے + اس کو مطلوب ہے ہم آہنگی

اس نشاطِ تمام کی لے سے + چاہتا ہے کہ دل کی ہر دھڑکن

ہو ہم آوازِ موجِ نغمۂ ذات + ہے اسے یہ لگن کہ اس کا شعور

نورِ کل آگہی سے رخشاں ہو + آرزو اس کی ہے بس ایک یہی

کہ ہوں بیدار عقل و ہوش و خرد آشنا ہو کے اپنے مصدر سے

اور بہبودیٔ جہاں کے لئے وقف ہو جائیں کلیتاً یکسر

ایسے انسان کی خودی کا جلال

ہر مقام اور حال میں ہر دم قائم و برقرار رہتا ہے

زندہ و تابندہ رہتا ہے + نہ اسے خوف کوئی زنداں کا

نہ لگاؤ اسے ہے قصرِ شاہی سے + نہ اسے موت سے کوئی دہشت +

موت اس کے لئے ہے راہِ نجات وسعتِ ہست میں سمانے کو +

زندگی اک نشاطِ دائم ہے

....

یہ سکونِ دل و نشاطِ جمال

یہ مسرت یہ بے خودی یہ سرور جس کے فیضان سے منور ہے

خیر اندیش آدمی کی حیات اس خوشی اس سکونِ دل کے لئے

خود نگر خود پرست خود مطلب کرتے رہتے ہیں کوششیں لاکھوں

پر وہ جاتی ہیں رائگاں ساری +
ڈھونڈتے ہیں سکونِ قلب جگہ
زور و طاقت کا اپنی استعمال
جن کو آرام سے ہے اپنے غرض
دوسروں کی نشاط کا ساماں +
کیسے تسکینِ قلب حاصل ہو +
حسرت آزردگی پشیمانی
آخرِ کار مرگِ مایوسی

اُن کو کیسے خوشی ملے گی جو
فکر و تشویش کے تلاطم میں +
کرتے ہیں اپنے واسطے جو سدا +
جو مہیّا کبھی نہیں کرتے
ایسے خود کو رخود پسندوں کو
اُن کے حصّے میں ہے تہی دستی
کاہلی۔ بے دلی و بیماری

سُن تجھے دل میں مژدۂ اُمید
ختم ہونے کے آگیا ہے قریب
اب شبِ تار خود پرستی کی
جا رہی ہے چھپا کے منہ اپنا +
لے رہی ہے اُفق پہ انگڑائی +
اک نیا عہد لے رہا ہے جنم +
نیک کاموں سے خوش خصالی سے
اس نئے عہد میں نہ پاؤ گی
نام و شہرت و مرتبت کا جنوں
خدشہ کمزوری و علالت کا

لیکن اے روحِ پاک "بنتی"
عہدِ خود مطلبی و خود بینی
موت کا اس کی بج چکا گھنٹہ +
ساری تاریکیوں کو ساتھ لئے
صبحِ روشن حیاتِ انساں کی
اب مساوات اور اخوت کا
یہ زمانہ نیا عبارت ہے
خیر اندیشی و محبت سے +
فرق ناداری و امیری کا
خوف بدنامی و تنزل کا
جنگ کی ہولناک خونریزی +

یہ سب اندیشہ ہائے دور و دراز | سایہ سا بن کے یادِ رفتہ کا
ہوتے جائیں گے آنکھ سے اوجھل (۵۷) | ....

VI

ملکۂ کائناتِ ارضی کے

اس مسلسل بیانِ روشن پر | اس کی آوازِ شعلہ دامن پر
ارتعاشِ سکوتِ گویا پر | روح حیران تھی "ایتھی" کی
اور حیرت سے کہہ رہی تھی وہ | ہمہ جاں گوش و ہمہ جاں احساس
ہمہ جاں چشم و ہمہ جاں جلوہ

جیسے جیسے بیاں ہیں عہد بہ عہد
ذکرِ تاریخِ دہر کا آیا | اس کے جسمِ لطیف میں ابھرا
ہر زمانے کا اپنا اپنا رنگ + | موسمِ گل میں جیسے شام کے وقت
دیکھتے ہوں فضا میں جب نغمے | لے کے باہوں میں روح بے خود کو
صاف شیشے میں جھلک کے چمکے | عکسِ حسنِ ملیحِ مشرق کا
اور رنگِ جمالِ مغرب کا + | موج در موج ساتھ ساتھ رواں
سایۂ نیلگوں دھندلکے کا | اور نورِ شفق دمکتا ہوا

---

(۵۷) شیلے کی روح کو یہ دیکھ کر کتنی مایوسی ہوگی کہ دنیا کی حالت اس سے بھی کہیں بدتر ہے جس کا بیان اس نے اپنی نظم میں کیا ہے دنیا آج بھی اس نئے عہد کی منتظر ہے کیا ایسا عہد کبھی آئے گا؟ کیا ایسا عہد اس دنیا میں آ بھی سکتا ہے شاید ہوتا یہ ہے کہ جب انسان اپنی روحانی حقیقت کو پہچان لیتا ہے تو خود اس کی نظر بدل جاتی ہے اور تمام عالم ایک نئی صورت میں دکھائی دینے لگتا ہے دنیا نہیں بدلتی ہم بدل جاتے ہیں۔

وقت کے مختلف مراحل کا
"اے جہانِ غرور کی رانی
خارزارِ عذاب و محنت ہے
ہر قدم پر ہے اس کے ظلم و ستم
فکر و تشویش میں یہ ڈوبی ہے
کیا خوشی کی نہیں ہے اس کی اُمید؟
کیا نہ پائے گی اک حیاتِ نو؟
عالمِ قدس کی طہارت کا

خوش ہوئی سن کے مادرِ گیتی +
اک تبسم سے ہو گئیں رنگیں +
بن اٹھی بڑھ کے آفتاب رہا +
اور دل میں نہ شک ذرا بھی لا

سچ ہے دُنیا میں دور دورہ ہے +
حدود رنج و الم کی ہے بہتات
ہیں غلط کاریوں کے لاکھ خیال
لیکن اس کائنات ازلی میں

تذکرہ سن کے دیکھ کر منظر
روحِ "انتھی" کی یوں ہوئی گویا
کتنی آفت زدہ ہے یہ دنیا +
ہر عمل اس کا وحشیانہ ہے
ہر نفس میں ہے اس کے رنج و الم
درد کا اس کے کیا نہیں ہے علاج ؟
روحِ کل سے یہ ارضِ پژمردہ
یہ زمیں بھی تو جزو ہے آخر

یہ سوالِ دلِ نشاط طلب
اُس کے حُسن و جمال کی کرنیں
اس کے ماتھے پہ شانتی کی دمک
ہوئی مایوس یوں نہ ہو ہرگز
یہ جہاں اپنا رنگ بدلے گا
جھوٹ کا - جور کا - جرائم کا
ہیں زمیں پر مصیبتیں بھاری
ہے دلوں میں ہوس - دماغوں میں
پاؤں میں لغزشوں کی شورش ہے
ہے جہاں شر وہاں ہے نیکی بھی

ہائے اندھیرا تو روشنی بھی ہے
جہل ہے تو خود آگہی بھی ہے

قعرِ وادی ہے، برقِ طور بھی ہے

یہ جہاں اپنا رنگ بدلے گا

لے گا کروٹ زمانہ یہ آخر +
پاک دل خیر کیش، نیک خصال

سر بلند ہوں گے دیکھنا اک دن +
اور ہونٹوں سے اُن کے حق کی صدا

گونج اُٹھے گی دہر میں ہر سو +
ارتعاش اس صدائے الفت کا

عنقریب شر کو یوں جکڑے گا
کہ وہ مارے گا اپنے آپ کو ڈنک

اپنے ہی زہر سے مرے گا وہ +
بن اُٹھے گی زمیں یہ کتنی حسیں

کتنی رنگیں و شیریں و دلکش +
پاک روحوں کا پاک کاشانہ

رشکِ افلاکِ عالمِ بالا
ہوگا یہ ارضِ خاک کا کرہ +

اس کی گردش کے بیٹھے سُر ہونگے
کرہ ہائے سما سے ہم آہنگ

آ دکھا دوں میں تجھ کو نظارا

اس حسیں وقت کا جو دُور نہیں +
جوششِ الفت کی ہوگی جب پرواز

وسعتوں میں سرورِ ہستی کی +
پا لو ادراک و عقل و ہوش کے جیب

حل نہ پائیں گے دولت و زر سے
جب اُمڈ آئے گی ہر اک دل میں

زندگی کی لطافت و لذت
راحتِ شوق کامراں و سکوں +

خوف ہوگا نہ حکمرانوں کا
نہ کوئی قاعدانِ مذہب کا +

دل میں دہشت نہ ہوگی دوزخ کی
سر میں سودا نہ ہوگا جنت کا +

غیض کا نہ خدا کے ڈر ہوگا
نہ کوئی اس کے رحم کی خواہش +

اور تو اور موت تک بھی نظر — آئے گی اک مقامِ راہِ حیات
جس سے ہنس کر گزرتے جانا ہے — موت سے خوف کا سوال کہاں
یہ شہنشاہِ دو جہاں کا خیال

خالق و رازق و محافظ کا — یہ تصورِ خدا کا ہے ذرا صل
ارتقائے خودی کی اک منزل + — اس سے پہلے کے مرحلوں میں بشر
رعلم اس کا تھا جب بہت محدود — منظر اک ایک صنعِ فطرت کا
معجزہ تھا نگاہ میں اس کی) — پوجتا تھا وہ چاند سورج کو
سبزہ زاروں کو اور پیڑوں کو — برق و باراں کو کوہ و دریا کو
آندھیوں زلزلوں کو طوفاں کو — جو بھی صورت تھی مظہرِ طاقت
اس کی کرتا تھا آدمی پوجا — ہو وہ پانی میں یا ہوا میں ہو
یا زمیں پر ہی ہو وہ جلوہ فگن — سب عناصر کو جان کر ذی روح
سر جھکاتا تھا وہ عبادت میں + — ہم اسے کتنا ہی غلط سمجھیں
یہ تصور تھا سادہ و معصوم + — قتل و غارت فساد و جنگ و جہاد
نام پر اس کے تو نہ ہوتے تھے — بھائی بھائی کا خوں نہ کرتا تھا +
علم کو اس کے جب ملی وسعت

تیز تر جب ہوا شعورِ حیات — دل کو نعمت ملی محبت کی
وحدتِ ہست کا ہوا احساس + — وحدتِ ہست جس میں آن ملیں
صورتیں سب جلالِ فطرت کی + — لیکن انساں کی خود نگاہی نے
پا کے احساسِ ذاتِ واحد کو — اپنی شکل و دتہ میں ڈھال دیا +

اور کر کے صفات بے مخصوص — آسماں پر بٹھا دیا اس کو +

اس خدا کو کہا رحیم و کریم — قادرِ مطلق و شعورِ کُل

حاضر و ناظر و ہمہ آگاہ — اس کے رحم و کرم کے ساتھ مگر

کر دیا منسلک وہ رعبِ جلال — آتشیں رُخ ہے جس کا غیض و غضب +

خود غرض قائدانِ مذہب کا — یہ خُدا اپنے خاص بندوں کو

بخشتا ہے بہشت کا انعام — دوسروں کو مگر جلاتا ہے

آتشِ دائمی میں دوزخ کی — نام پر اس خدا کے ہوتے ہیں

قتل و غارت فساد و جنگ و جدال +

ظلم یہ اب مگر نہیں ہوں گے

علم اب ہو گیا ہے اور وسیع — آگہی بڑھ گئی ہے انساں کی +

اب حقیقت کے نور کے آگے — رُک سکے گی نہ ظلمتِ اوہام

نہ تعصب کی کوئی تاریکی ⊗

وہ حقیقت ہے ایک موجِ نشاط — سارے عالم کی ایک روحِ رواں

وسعتِ مہر و ماہ و انجم میں — (جس میں شامل ہے کرۂ ارضی)

رقصِ ہستی میں ہے وہ روحِ رواں — ابتدا ہے نہ انتہا جس کی +

وہ سدا مطلق و مکمل ہے — نہ تنزل نہ انحطاط کوئی

⊗ یہاں شیلے اُن مظالم کا پھر تفصیل سے ذکر کرتا ہے جو مذہب کے نام پر ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً دوسرے مذہب والوں کو قتل کرنا۔ منکروں کو عذاب دینا۔ اُنہیں زندہ جلا دینا وغیرہ وغیرہ۔ میں نے اس حصے کو بیشتر نظر انداز کر دیا ہے ⊗ کاش شیلے کی پیشگوئی ٹھیک ثابت ہوتی

اس کے احساس کل میں آتا ہے +
عمرِ طبعی کی شمع بجھتی ہے
خود درخشاں ہے بجھ نہیں سکتا +

نہ جنم ہے نہ ہے مرن اس کا
روحِ ہستی کا آفتابِ جلال

اس کے دم سے ہے کل ظہورِ عمل +
تندیِ گرد باد میں ہے وہی +
فرحت و نکہت خجستہ گفتہ دلی
دل کی رخشندہ شادمانی میں
بات کی پُر سکوں خموشی میں
موجِ ہستی ہے ہر وجود میں وہ
رنگ و رونق وہی ہے صحت کی
یہ جو طوفاں بپا ہے متواتر
اس کی ہر موج میں سکونِ ثبات

روحِ عالم ہے زندۂ جاوید
اس کی تیزی ہے شرِ طوفاں میں
بن کی تازہ ہوا کے جھونکوں میں
ہے اسی کے دم معطر کی +
ہے تبسم اسی کا جلوہ فشاں +
منتشر ہے اسی کا کیفِ خودی +
ہے وہ ہر جسم و جاں کی تابِ توان +
ہے علالت کا زہرِ ضعف وہی +
عالم ہست میں تغیر کا
اس کی قدرت ہے اس کی واحد ذات
اس کی قدرت کے ہیں اصول اٹل

جن کے آگے اٹھا نہیں سکتا
اپنا اپنا مقام ہر شے کا
حاتم ہے ہیں نشاطِ کامل کے +
کتنے ہی ہوں مہیب و دہشت ناک
جوشِ غیظ و غضب میں اٹھ اٹھ کر

کوئی بھی تو کبھی بھی سر اپنا +
حکم سے اس کے ہی معین ہے
دیکھنے میں مناظرِ فطرت
سب کی لیکن ہے اصل کیفِ حیات +
بحر سے اس کی قہر یا موجیں

بجلیوں کو فلک کی ساتھ لئے
لوٹ کر اک جہازِ بے بس پہ
کر رہی ہیں غریب کو غرقاب +
بچ رہا ہے بچارا ایک ملاح
اُبھری چوٹی پہ اک چٹان کی وہ
بیٹھا مانگے ہے اپنی جاں کی دعا +
غیض و دامنِ غضب پیا لہریں
کرتی ہیں جب چٹان پر حملہ
اور ہلتی ہیں اس کی بنیادیں
تو وہ بے چارا کانپ اُٹھتا ہے

حادثے ایسے دیکھ کر دل میں
درد اٹھتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں
بے سبب ملتا ہے جہاں میں عذاب
سلسلہ اتفاق کا ہے حیات +
اصل میں لیک ہمارے عالم میں
ایک اک واقعہ کا مقصد ہے +
حرکتِ زندگی کی شورش میں
ذرّہ تک بے سبب نہیں ہلتا +
روحِ عالم میں بس رہا ہے جہاں
اور اس کی رضا پہ قائم ہے
تابعِ حکم مہر و ماہ ہی نہیں
روشنی کی شعاع کا ہر نقطہ
اس کے ایما سے ہی دمکتا ہے

منحصر واقعات ہی پہ نہیں
ہر شعور، ہر خیال، ہر احساس
اُس کی کُل آگہی کے شیشے میں
صاف و عریاں دکھائی دیتا ہے +
حُبِ جاہ و جلالِ شاہوں کا
(وہ بہاتے ہیں خون جس کے لئے
لاکھوں معصوم نوجوانوں کا)
لوبھ ہوس کا جنونِ عیش و طرب
پاک جذبات نیک بندوں کے
وحشت و خوفِ جاں غلاموں کا
چشمِ کل بیں میں اس کی سب ہیں عیاں +
ماضی و حال اور مستقبل
ہیں بس اک موجِ آگہی اس کی

لاخنا - لازوال - لاثانی
زندگی اور موت کی موجیں
کائناتِ مجازِ ہستی کا
ہے جو رقصاں بشر کی آنکھوں میں
جو پہنچتی ہے رقص کرتی ہوئی
چیر کر ظلمتوں کی دیواریں +
دیکھ پاتے نہیں عموماً ہم
ہم کو دیتی ہے قید کا احساس

تو بسی ہے جہاں کی ہر شے میں +
تیری شانِ جلال و عظمت ہے
تو ہے بالائے مدح و حمد و ثنا +
جس میں آرزوئیں بے آہنگ
اک سرودِ نشاط و امن ہے +
تو محبت کا ارتعاشِ لطیف +
نیک و بد کا ہے خوب و زشت کا فرق
ہے تجلی سدا حقیقت کی +

روحِ عالم حقیقتِ ازلی
اُٹھ رہی ہیں تیرے ہی دامن سے
مدو جزرِ نشاط و رنج والم +
ہر تغیر پذیر نظارا
اک کرن ہے جمال کی تیرے
کنجِ زندانِ جہلِ ہستی میں
ان فصیلوں کو جہلِ تیرہ کی
حسن کی تیرے یہ کرن لیکن
اور اُمیدِ آرزوئے نجات
روحِ عالم - لطافتِ فطرت
مادرِ دہر - قدرتِ کامل
بے نیازِ عبادت و طاعت
منتشر ہیں بشر کے سینے میں
دل میں تیرے شعورِ مطلق کا
آدمی کی رگوں میں خوف و ہراس
آدمی کی نگاہِ کم بیں میں
تیری چشمِ جمالِ حق بیں میں

یہ تجلی ہے اس بشر میں کبھی

جو گناہوں سے اپنے کرتا ہے
زندگی کی فضا کو آلودہ
سب کو دیتا ہے جو اذیت ہی +
اور اُس میں بھی ہے یہی جلوہ
نیک کردار سے جو دُنیا کو
پاک اور سربلند کرتا ہے
اور دیتا ہے جو خوشی سب کو +
ہیں جڑی بوٹیاں جو زہریلی
اُن میں کھلی ہے تو ہی شعاعِ حیات
جس سے زندہ ہے شاہ بلوط کا پیڑ
سایہ کرتا ہے جو کروڑوں پر
جس کے سائے تلے ہزاروں نے
عہد و پیماں کئے محبت کے

اے جگت ماتا تو ہے سمدرشی
سب نظر میں تری برابر ہیں +
پیار یکساں ہے تیرا سب کے لئے
اس میں ہوتی نہیں کمی بیشی +
تُو نرنجن ہے اے جگت ماتا
نہ لگاؤ کسی سے ہے تجھ کو
نہ کسی سے حقارت و نفرت +
تیرا لطف و کرم نہیں مخصوص
چیدہ چیدہ خواص ہی کے لئے +
اس وسیع کارگاہِ ہستی میں
سب ہیں تیری رضا کے پابستہ +
مقصد و مدعا ہے جو کچھ بھی ترا
سب ہیں تکمیل میں اُسی کی رواں +
سب نظر میں تری برابر ہیں +
کائناتی شعور میں تیرے
آدمی کی خوشی - نہ غم اُس کا
تیری ہستی نشاطِ مطلق ہے

پائے گا ایک دن حقیقت یہ
کھوئے تجھ میں خودی کو اپنی بشر +
تیرا معبد ہے کائنات تمام
وسعتِ دل تری عبادت ہے +
تجھ کو پہچان لے گا انساں تو

کارسازِ جہنم زخم زدس   پھر رہے گا نہ کوئی اس کے لئے +
یہ خوشی یہ بھی یہ درد و سرور   یہ گناہ و ثواب نیکی بدی
اک نئے روپ میں عیاں ہونگے +   مدعائے حیات کی تکمیل
کرتے آئیں لگے یہ نظر - ہوکر   ہم سفر۔ ہم قدم و ہم منزل +
اور درجہ بدرجہ بڑھتی ہوئی   ان گنت صورتوں میں اپنی حیات
گزرے گی ارتقا کی اس حد سے   ملتے ہیں جس جگہ گلے لگ کر
شعلۂ جزو یہ بست جو شعلۂ کل +

VII

بیکرانی فضائے عالم کی
وسعتِ بے کنارِ قلبِ بشر   دونوں شاہد ہیں اس حقیقت پر
کہ خدا کی نہیں کوئی ہستی +   وہ خدا جس کے اعلیٰ منصب دار
نام پر اس کے سب حریفوں کو   حق سے جینے کے کرتے ہوں محروم
"منکروں" کو جلاتے ہوں زندہ +   یہ خدا تو ہے اختراعِ دماغ
اس کی ہستی کے دعویداروں کی +   وہ اس ایجاد کی بدولت ہی
حق بجانب قرار دیتے ہیں   قتل و غارت فساد و جنگ و جہاد (*)
اور کرتے ہیں دہر کو ناپاک +   آئے دن سچ کا خون ہوتا ہے

+ اس حصے کے شروع میں شیلے اپنی نظم کے بچپن کے ایک واقعہ کا ذکر کرتا ہے جس میں اس نے ایک "منکر" کو زندہ جلانے کا جانسوز منظر دیکھا تھا۔ اسے بے اختیار رونا آگیا تو اس کی ماں نے اس سے کہا "اس کی موت پر آنسو بہانا ٹھیک نہیں کیونکہ وہ خدا کی ہستی سے انکار کرتا تھا" اس بیان کے بعد ملکۂ مجاز کہتی ہے کہ واقعی خدا کی کوئی حقیقت نہیں۔ (*) شیلے نے اس خیال کو پھر پھیلا کر لکھا ہے جس کے بطور اشعار سے کام لیا ہے

ذبح خانہ بنا ہے یہ دُنیا

روحِ آزاد میں "اہسں رس"+ کو
سامنے تیرے آج لاتی ہوں +
اس جہاں دیدہ سن رسیدہ سے
پوچھ لے وہ سوال جو تجھ کو
دمبدم بے قرار رکھتا ہے +
ایسے آنا یہاں "اہسں رس" کا
عین ممکن ہے کیونکہ کوئی شے
غیب میں چھپ کے بھی نہیں مٹتی +
جو کبھی صورتِ نمو کے پردے پر
ہوتی ہے ایک بار بھی ظاہر
ثبت لوحِ زماں پہ نقش اُس کا
ہوتا ہے یوں کہ مٹ نہیں سکتا +
جو کبھی شے کائناتِ ہستی کی
آئینے میں حواسِ خمسہ کے
آ کے صورت پذیر ہوتی ہے
نقش قائم وہ چھوڑ جاتی ہے +
اس جہاں کے ہزاروں خواب و خیال
لاکھوں یادیں کروڑوں نقش و نگار
ان گنت مہر و ماہ و ارض و سما
کوہ و دریا و بحر لاتعداد
وہ ہیولے تصوّرات کے بھی
جو کبھی فکر کے اُفق پر ہیں
اپنی اپنی لطیف صورت میں
میری آنکھوں کے سامنے ہیں عیاں +
ہیں یہ سب اختیار میں میرے

دردِ زماں

+ AHASUERUS - وہ یہودی جس کے دروازے پر "کراس" (صلیب) کے بھاری بوجھ کی تاب نہ لاکر حضرت یسوع مسیح نے تھوڑی دیر رک کر دم لینا چاہا تھا لیکن اُس نے اُنہیں اتنی بھی اجازت نہیں دی تھی۔ حضرت یسوع مسیح تو کچھ کہے بغیر گرتے پڑتے آگے بڑھ گئے لیکن غیب سے فرشتۂ اجل "اہسں رس" کے سامنے نمودار ہوا اور اُسے بددعا دی کہ "تو نے جس کو آج دم نہیں لینے دیا جب تک وہ روزِ جزا کو جلوہ گر نہیں ہوتا۔ تجھے کبھی قبر کا آرام نصیب نہیں ہوگا۔ اس بددُعا کی وجہ سے "اہسں رس" ہزاروں سال سے دنیا میں آوارہ گھوم رہا ہے [illegible] کی طرح [illegible] بھی ہوگئی ہے۔

مجھ میں شکتی ہے جب کبھی چاہوں میں
منظرِ دید پر عیاں کر دوں +
پوچھ لے اس سے ہے خدا کہ نہیں

کہ اچانک ہوا وہاں موجود
جسمِ خستہ تھا اس کا غم خوردہ
دے رہے تھے ابھی جھلک اپنی +
اسکے چہرے پہ عکسِ رنگِ شباب
منعکس اُن میں قصہ ہائے قدیم
تھی نہ لیکن وجود میں حرکت
ڈر اینتھی کے دل میں اُٹھا تو
کیا حقیقت کوئی خدا کی ہے ؟

میں نے دیکھا ہے عہدِ رفتہ میں
نام سے جس کے کانپتی تھی زمیں +
سر اُٹھاتا جو کوئی اس کے خلاف

دے کے اُن کو پھر اُن کا اپنا وجود
لے "اہس رس" ہے سامنے تیرے

اب اینتھی کی روح نے دیکھا
اک متین اور باوقار بزرگ +
شانِ مردانگی کے نقش مگر
اس کے شانوں پہ بارِ عمرِ دراز
آئینہ اس کی آنکھیں رفتہ کا
اس کے ماتھے پہ فکر کی تھی چمک
سایہ اس کا نہ تھا زمیں پہ کہیں
کر کے ہمت مگر کہا اس نے

بولا وہ پیر سالخوردہ کہ ہاں +
ایک وہ مطلق العنان خدا
آسماں سے جو برستی تھی نفرت +
تو نہ ملتی اُسے کہیں بھی اماں +

+ AHASUERUS کی تقریر میں شیلے نے مذہبی زیادتیوں اور مظالم کو خود خدا اور حضرت عیسیٰ مسیح کے ارادوں سے منسوب کر کے کافی زہریلے جملے استعمال کیے ہیں میں نے ترجمہ کرتے وقت ان سے بہت حد تک احتراز کیا ہے اور لہجے کی سختی کو بھی قدرے کم کیا ہے۔

زیج کے رہتے تھے تو غلام اُنکے
"منکروں" کو جلاتے تھے زندہ +
میں ہوں وہ طاقتِ ازل جس نے
سات دن میں یہ دُنیا کی پیدا
اگلے دن آدمی ہوا تخلیق
میں نے جنت اُسے عنایت کی
تاکہ کھاکر کے اُس کا شیریں پھل
اور شاہد ہو میری عظمت پر +
تو کہا اپنا بیٹا اک دن میں
از رہِ لطفِ حق وہ لے لے گا
اور پھر دے گا اپنی قربانی +
تو ملے گی نجات دوزخ سے
باقیوں کے لئے جہنم کے

حضرت عیسیٰ مسیح کا دُنیا میں +
اسنے امن و اماں کی تلقین کی +
اسکے پیرو بھی اس کو پا نہ سکے +
"منکروں" کو طرح طرح کے عذاب +
دی تھی عیسیٰ مسیح نے تعلیم

نام پر جو اُس اپنے آقا کے
اس خدا نے کیا تھا خود اعلان
نیست کی اک خلائے غائب سے
ایک دن پورا پھر کیا آرام
رکھدی جس کی سرشت میں شہوت +
جس میں شر کا شجر اُگایا تھا
نارِ دوزخ کا ہو وہ مستوجب
رحم اور عفو کا سوال اُٹھا
بھیجدوں گا جہانِ آدم میں
دوسروں کے گناہ اپنے سر
اس پر ایمان لانے والوں کو
لیکن ایسے بہت ہی کم ہوں گے
شعلے اُٹھتے رہیں گے تا بہ ابد
وہ بھی وقت آیا جب ہوا اوتار
اُس نے انصاف و حق کی دی تعلیم
کم ہی لیکن اُسے سمجھ پائے
جوشِ تبلیغ میں انہوں نے دیئے
جس محبت کی جس اخوت کی
بھول کر اُس کو۔ نام پر اُس کے

نیک کردار منکروں کو وہ
بہر صورت عدل ہے یہ حسن کا

جب گڑا تھا صلیب پر عیسےٰ +
درد کا تو نہ تھا شعور مگر
اپنے کانوں سے خود سنی میں نے +
ہو رہے تھے جو نام پر اُس کے +
جو دیئے جا رہے تھے لوگوں کو ⊕
"جاؤ اب اِس جہاں سے تم جاؤ" +
تم مگر تا ابد زمیں پر ہی
دفعتاً مجھ کو یوں ہوا محسوس
میرے سینے پہ ہو گئی انبار +
جب میں اُٹھا تو میرے سینے میں
میں نے دیکھا کہ میرے چاروں طرف
ہڈیوں کے وہاں لگے تھے ڈھیر +
اپنی بے چشم روزنِ رُخ سے
یہ عجم جانکاہ سے مجھے لیکن
مجھ کو پیاری تھی اپنی آزادی

آئے دن زندہ ہی جلاتے رہے +
اس خدا کو نہ میں نے اپنایا
میں وہیں اس کے پاس ہی تو تھا
اس کے احساسِ ایزدی کو کوئی
مُنہ سے اُس کے کراہ جب نکلی
میں نے گنوائے اُس کو قتل تمام ⊕
اُن عذابوں کا میں نے ذکر کیا
اور غصّے میں آ کے میں نے کہا
"میں تو اب جا رہا ہوں" اُس نے کہا
یوں ہی آوارہ "خاک چھانو گے" +
قبر کی ٹھنڈی اور گیلی خاک
گر پڑا میں رہا نہ ہوش مجھے +
شعلے دوزخ نے تھے لپکتے ہوئے +
دوستوں اور رشتہ داروں کی
اور بچوں کے میرے کاسۂ سر
گھور کر تک رہے تھے متواتر +
اپنی رہ سے نہ کر سکا گمراہ +
کر چکی تھی قبول اس کے لئے

⊕⊕ یہ مصرعے وضاحت طلب ہیں۔ مذہبی زیادتیاں تو یسوع مسیح کی صلیب زدگی کے بہت بعد میں ہوئیں۔

روح میری سزا جہنم کی +
کوئی جنت مجھے غلامی کی
ایزدی ظلم کے خلاف جہاد +
ہے وہی دستِ قہرِ ظالم کا
ہر طرح کی مصیبتیں اور ظلم
یہ اُسی کے غلام ہیں جو یہاں
جاری رکھتے ہیں ایک جنگ جہاد +
کہہ کے کافر و منکرِ دین
یا تہِ تیغ اُن کو کرتے ہیں +
تو خود اپنوں پہ ٹوٹ پڑتے ہیں +
سب تعصب سے ہوتے ہیں مسموم +
بیوی اس دل میں اپنے خاوند کے
بھائی بھائی کا خون کرتا ہے
اس پہ دیتے ہیں پادری اُن کو
یہ ہیں مذہب کے دعویداروں کے
میں نے دیکھے جو اپنی آنکھوں سے +
ایک بھی تو نہیں ہے ایسا سال
نہ کئے ہوں بنامِ دینِ خدا
میں نے دیکھا ہے کس طرح یہ لوگ

مذہبی مظالم

ہو ہی سکتی نہیں کبھی منظور
میں تو اُس دن سے کرتا آیا ہوں
جس نے چھینا ہے مجھ سے موت کا سکھ +
کرتا ہے جو زمین پر نازل
آفتیں ظلمتیں وبائیں سب +
امن کا کرتے ہیں سدا پرچار
بے ضرر بے گناہ لوگوں کو +
کرتے ہیں آگ کے سپرد انہیں
خوں سے غیروں کے جی نہیں بھرتا
آدمی کے لطیف و پاک احساس +
پیار جس میں ہے خود اُسی کے لئے
گھونپ دیتی ہے خونچکاں خنجر +
دوست کا دوست کاٹتا ہے گلا +
برکت و رحمت و کرم کی دعا +
کارنامے بنامِ شانِ خدا
میری عمرِ دراز کا کوئی
جس میں ایسے جرائم سنگین
مذہب و دیں کے سربراہوں نے +
دھوکا دیتے ہیں سادہ لوحوں کو +

ہے زباں اُن کی کذبِ باطل باف
اور کرتے ہیں قتل ہاتھوں سے +
رکھتے ہیں آستین میں خنجر +
قتل و غارت مگر ہے کام اُن کا +
وہ مقابل میں آ نہیں سکتا

دے رہے ہیں نشاں حقیقت کا
خود نگر انتقام کیش خدا +
تو بکھرتی ہیں چار سو کرنیں
دور ہوتی ہیں ظلمتیں جن سے

میرے سر پہ ہے بوجھ صدیوں کا +
مجھ پہ ٹوٹے ہیں عیض یا ہو کر +
میں ہمیشہ ہوں مُطمئن و متین
میں ہوں اس شاہِ بلوط کی مانند
جَبَل لاتا نہیں کبھی دِل میں +
تو وہ کرتا ہے اُس کا استقبال

تو یعصا اپنا مادرِ گیتی نے

مُنہ سے کرتے ہیں امن کا اعلان
بھرتے ہیں دم سدا محبت کا
رحم و شفقت کی بات کرتے ہیں
مردِ آزاد فکر ہے بے بس

ہاں مگر شکر ہے کہ عقل و خرد
جس کے آگے ٹھہر نہ پائے گا
وہ حقیقت جو مسکراتی ہے
امن کی آشتی کی الفت کی
جہل کی مذہبی تعصب کی
اب مجھے اور کچھ نہیں کہنا
درد و غم کے ہزارہا طوفاں
پھر بھی دل میں بسا ہے صبر سکوں
بس کہ اپنی خودی میں رہتا ہوں +
جس پہ بجلی گری ہو لیکن جو
اور پھر جب بہار آتی ہے
جُھلسی باہوں کو اپنی پھیلا کر
بات پوری ہوئی "اہنسا" کی
سکرا کر ہوا میں لہرایا +

دفعتاً اس بزرگ کی صورت
ہو گئی سامنے سے یوں غائب
جیسے کہ نور کے سامنے سے دھند
اور شب کے بچے کھچے سائے
دور ہوتے ہیں صبحدم سارے

اب اینتھی سے پھر خطاب کیا
کتنا افسردہ کن یہ منظر تھا +
غیب میں ہے ابھی جو آئندہ +
روحِ آزاد دیکھ اپنا جلال +
پردۂ وقت میں ہوا پیدا +
خوف کے دھندلکوں میں رخشاں ہیں
بن رہی تھی جو کل جہنم - آج
ہے محبت فضا میں محوِ خرام
کھل رہا ہے ہر ایک چہرے پر
حسن ہر شے کا ابھرا پڑتا ہے
نبضِ جاں ہو رہی ہے ہم آہنگ
بس رہی ہے حیات اس رے کے
موت ہے ان سروں کا وہ پردہ
روحِ ہستی میں جذب ہونے کو +
بادِ صرصر کے لمس سے لہریں

مادرِ کائناتِ ہستی نے
ماضی و حال تو نے دیکھ لیا
تجھ کو دکھلانے جا رہی ہوں اب
دیکھ ہستی کی انتہائے کمال
اتنا کہتے ہی اک دریچہ شگاف
اب اینتھی کی روح نے دیکھا
شعلہ ساماں امید کی کرنیں +
رشکِ جنت ہے اپنی خاک زمیں +
پھیلی جاتی ہے پورے آزادی +
تازگی و شگفتگی کا رنگ +
چھا رہا ہے ہر ایک شے پہ شباب +
بیٹھی ہے سے سرودِ ہستی کی +
پاک و شیریں ثمر دلوں کے دامن میں +
جسم سے اٹھتی ہیں نور بہ توانائی
بحر کی سطح سے اٹھیں جیسے
اور پھر بحر ہی میں مل جائیں +

زیر و بم اس سرودِ شیریں کا
روح میں بس گیا اینختی کی
اس کے احساس کے رگ و پے میں
اتنی بھی نہ رہی خبر کہ وہ کب

جانتا ہے وہی جو پاتا ہے +
دل میں عاشق کے اٹھتی ہے وہ جب
روحِ حسن و شباب و جانِ جہاں
اس کے گالوں پہ جب وہ پاتا ہے
اور آنکھوں میں اُس کی رقص کناں

مادرِ کائنات فخر سے بولی
سامنے تیرے پھر نہ لاؤں گی +
ظلم و بربادی و تباہی کو
میں ہوں ضامنِ حیاتِ آدم کی
معجزے زندگی کے میرا کھیل
یہ وجود و شعورِ لاہوت جبرو

مدوجزرِ نفسِ ہستی
اور بن کر نشاط کی اک لہر
اس طرح جیسے ہوا رواں کہ اُسے
خود بخود رقص و وجد میں آئی
بےخودی ہے یہ کیفِ وحدتِ ہستی
ایسی ہی بےخودی و سرشاری
دیکھتا ہے کہ اُس کی محبوبہ
شاد و مسرور خوش و خرم ہے +
رنگ و نورِ بہار کو رخشاں +
ماہتابِ نشاط کی کرنیں
دیکھ کر اس کو بےخود و سرشار
"شن اینتھی میں اب گزشتہ کو
دل شکن واقعاتِ ماضی کو
محو کر دوں گی یاد سے تیری +
میرے بس میں ہے کائنات تمام
یہ مکان و زماں و جبر و ہست
عقل و ادراک اور ہوش و خرد

اور نفسِ خودی کا یہ احساس
ہوتا ہے میرے جسم سے ان کا ظہور +
روحِ آزاد تیری منزل کا
آ کہ دیدوں تجھے میں آج پتہ +
آ یقین و وثوق سے بڑھ کر
اپنی معراجِ زیست کو پا لے +
وہ مقامِ بقا جہاں ہے دوام
خیر و برکت یسر، نشاطِ تمام +
ہے میسر جہاں ثبات و سکوں
مد و جزرِ زماں کی شورش میں +
نورِ عرفاں کا ہے جہاں مینار
ظلمتِ جہل کے تلاطم میں +

ہو رہی ہے زمیں بہشتِ نشاط

منجمد وسعتیں جو پھیلی تھیں
اُس کے قطبین پر گزشتہ میں
سرد ویرانیاں جہاں نہ ملی
مادۂ خاک کو حیاتِ نبات
تھا جہاں اک سکوتِ بے پایاں
جس میں غائب تھی زندگی کی صدا
اب وہاں گرمیٔ حیات سے ہے
موجزن ایک بیکراں ساگر +
جس کے خوشبو بھرے جزیروں سے
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں
کرتی اٹھکیلیاں درختوں کی
سبز و شاداب اونچی شاخوں سے +
چھیڑتی پیاری پیاری لہروں کو
گیت اُن کے چُراتی دامن میں
کر رہی ہیں فضا کو ہم آہنگ
آدمی کے سرودِ الفت سے +
برکتِ حق ہے ہمہ تن فطرت

اور پہنائیاں وہ صحرا کی

جو جھلستی رہی تھیں صدیوں سے
جن میں بھولے سے بھی کہیں کوئی
تنکا تک گھاس کا نہ اُگ پایا
جن کی آتش فشاں فضاؤں میں

پر نہیں مارتا تھا کوئی پرند
چھپکلی ہی کی گوش سوز صدا
رقص کرتی ہیں ندیاں جن میں
خوش گلو طائروں کے میٹھے سُر +
اور اُن میں چہکتے ہیں سمندر گھر +
خود لگے بہتے تھے آئے دن دریا
جن کی رونق بڑھا رہے ہیں پھول +
پیش بامِ اُفق پہ کرتی تھے
تاجدارِ جلالِ عالم کو +
لوٹیاں لوٹتے تھے ہرنوں کی
جن میں معصوم لاڈلے بچّے
سانپ تک اُن کو کچھ نہیں کہتے
چُوم لیتے ہیں اُن کے پاؤں کو

جن کی خاموشیوں کو چھیڑتی تھی
اب وہاں ہیں ہرے بھرے جنگل +
ان کی جھنکار سے ہیں ہم آہنگ
کھیت لہرا رہے ہیں ہر جانب
اور میدانِ جنگ وہ جن میں
مخملی سبزہ زار ہیں سب آج +
مسکرا کر نسیمِ فرحت بار
ہے یہ رنگ دلوئے صبحِ بہار
اور جنگل وہ جن میں چیتے شیر
آج آنگن ہیں وہ گھر وندوں کے +
بے خطر کھیلتے ہیں صبح و مسا +
دودھ پیتے ہیں ہاتھ سے اُن کے

جس کا چشمِ تلاش کی حد تک
ڈھونڈتے ڈھونڈتے جھلک جس کی
رات اور دن کو ایک کرتے ہیں
لیکن اُن کو نظر نہیں آتا
جس سے کچھ کم ہو اُن کی تنہائی +

اور پھیلاؤ وہ سمندر کا
کوئی ساحل نظر نہیں آتا +
کتنی درماندہ کشتیوں کے ملاح
" صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے "
سایہ تک بھی کہیں نہ خشکی کا
اس پہ طوفانِ قہر دریا کا شور

اور بکھری یہ زر کی چھینٹیں

جو کبھی آدمی کو گھیرے تھی
پیار کی میٹھی رس بھری باتیں
گیت بنتی ہیں ترانے بن کے یہاں +
جس میں تنہائیاں مچلتی تھیں

ہر جزیرہ بذاتِ خود گلشن
تختۂ ہیں مشکبار پیڑوں کے
ان جزیروں کے گرد رقصاں ہیں
مست و سرشار نغمہ زا موجیں +
چوم لیتی ہیں اُن گلوں کا مُنہ
مسکرا کر قریب آنے کی

پھر سے تشکیل ہو گئی ہے آج +
نور ہر دل میں ہے محبت کا +
کوئی مجبوریاں نہیں اس کو +
اپنے لاکھوں پرندوں چھوٹوں کو +
پڑتی ہے اُن کی مستیوں پہ نظر +
اُن کی پاکیزگی و خوش خلقی

دل پہ چھائی ہیں اُنکے ادب خشب +
دُھند حزن و ملال کی یہ فضا
آج روشن ہے نورِ نغمہ سے +
اور سرگوشیاں محبت کی
دشتِ آبی کی بیکراں وسعت

اب چمن ہے حسین جزیروں کا +
گُل کھلے ہیں روش روش جس میں
سایہ ہے ہلکے بادلوں کا وہاں +
جگمگاتی سنہری کرنوں بھری
جوشِ مستی میں بڑھ کے یہ لہریں
جو فرازِ کنار سے اُن کو
دیتے ہیں دعوتِ نشاط انگیز
لگتا ہے اس جہاں میں ہر شے کی
حُسن کی ہیں تجلیاں ہر سو
درد و غم سے ہے آدمی آزاد
پیار سے پالتی ہے دھرتی ماں
ناچتی ہے خوشی سے جب اس کی
ناز کرتی ہے دیکھتی ہے جب
راست گوئی و نیک کرداری

خیر اندیشی و دعا گوئی +
مہکی مہکی ہوائیں اپنے میں
اور رہتی ہیں پھر بکھیر اسے
بستی ہے اس فضائے اطہر میں
جو ابھرتی ہے صحنِ گلشن میں
میٹھا رس جو پھلوں میں بنتی ہے +
ہلکی لہروں کی روشنی بن کر +
ہے جبینِ فلک سدا روشن
دشت سرسبز ہیں چمن شاداب
اب کہیں لوٹ کر نہیں گرتے +
اُس کے ہاتھوں میں بھی ہے اب برکت +
آ [illegible] ہے تو [illegible] تپا ہے
دل میں پھرتا ہے اُٹھ کے پریم کار +

جن دلوں میں بھری تھی خود غرضی
جوشِ قربانی و فنائے خودی +
اُس کے سیجے ہی خولیں ہیں اپنے
خوف کھاتے نہیں ہیں اسی ہرن

یہ خوشی یہ سرور یہ پاک دلی
ہنس کے سرشار جذب کرتی ہیں
گوشے گوشے میں سارے عالم کے +
صحت و تازگی و شادابی
رنگ دلہن کے غنچہ و گل کی
پھیلتی ہے جو سطحِ دریا پر
کوئی طوفان اب نہیں اُٹھتے +
اب نہیں چلتی تند و تیز ہوا +
نخلِ فطرت ہرے بھرے ہیں یہ
اب خزاں میں بھی پیار ہے ماں کا +
پھول پتوں کے جب رہ گاؤں کو
اُن میں روشن سنہری رنگِ حیات +

انقلاب آ چکا ہے فطرت میں +
اُن میں پیدا ہے جذبۂ ایثار
شیر کی بھی سرشت بدلی ہے
درانت اُس کے نہیں ہیں اب خونخوار
بڑھ کے اس سے اب نہیں ڈرتا

گیت میں اب نہیں ہے بلبل کے

ہجر کا سوز درد کی آواز + — اب ترانے خوشی کے گاتا ہے

وصل کا کیف اب ہے اس کی غزل + — اب ہے لبریز اس کا جامِ نشاط

ہے مسلسل سرور اس کی حیات

یہ جو بدلا ہے زندگی کا رنگ

یہ جو فطرت میں انقلاب آیا — بڑھ کے ہر ایک شے سے دنیا کی

آدمی پر ہوا ہے اس کا اثر + — اس نے اس انقلاب کی اک اک

موج کا اپنے دل کے تاروں پر — ارتعاشِ خفی کیا محسوس +

اور اک اک مقام سے آگاہ — وہ ہوا ارتقائے ہستی کے

آدمی جو بذاتِ خود ہے راز

جس کا احساس اس قدر ہے لطیف — اور جس کا شعور اتنا وسیع

کہ وہ درد اور غم کی شدت کو — کرتا ہے اپنے آپ اور شدید

زورِ پرواز سے تخیل کے + — اور ہر لذتِ مسرت کو

کرتا ہے اپنے آپ اور لذیذ — کیف سرشار سے تصور کے +

دل میں اٹھتا ہے ڈر اذیت کا — خوف کھاتا ہے وہ جہنم سے +

سر میں سودا نشاطِ کامل کا — دیکھا کرتا ہے خواب جنت کے +

اس کی حساس قوتِ ادراک — تیز فہمی و دور اندیشی

جس سے روشن دماغ ہے اس کا — اس کے سینے میں آ کے ملتی ہے

ایک حیوان کا تقاضا ہے — موجزن ہے جو ہر رگِ جاں میں

یا اُس حیوانی موجِ جبلت سے
دونوں حالت میں اور بڑھتی ہے
لذتِ انبساط و شدتِ غم
غرق ہوتی ہے قوتِ ادراک
ہو کے بے جان سا دب ہی جاتا ہے
اور احساسِ بے بصر ہو کر
جس کو بننا تھا اشرف العالم
جس پہ ہوتا ہے خود خدا نادم +
لذتِ زیست اور بڑھتی ہے
ملتی ہے آدمی کو اوجِ خودی
بنتا ہے مخزن کائنات بشر

جو نہاں ہے سرشتِ آدم میں +
آتشِ شوق و تیزیٔ احساس +
ہر دو ہوتی ہیں بڑھ کے اور لطیف +
موجِ جبلت میں تو شعورِ خودی
جہل کی ظلمتوں کے بوجھ تلے
گھٹتا جاتا ہے قعرِ ذلت میں
بنتا ہے بارِ خاطرِ فطرت
وصلِ کیف و شعورِ ہستی سے
اونچا اٹھتا ہے اور بھی احساس
مطلعِ رنگِ حسن و نورِ جلال +
ناز کرتے ہیں اس پہ ہر دو جہاں
آدمی کے شعور کو ہے خبر
لوحِ تحت الشعور پر اس کے
جب وہ ویرانیوں میں رہتا تھا
جب وہ حالاتِ ناموافق سے
آئے دن وہ شکار ہوتا تھا
مختصر یہ ہے - موردِ آلام
نام کو تھیں ضرورتیں اس کی

ارتقا کی اک ایک منزل کی +
زندگی کا وہ نقش کندہ ہے (*)
قطب کے منجمد سمندر کی +
جنگ میں مبتلا تھا روز و شب +
حادثوں آفتوں بلاؤں کا +
وحشیوں کی تھی زندگی اس کی +

(*) یہاں لیبنے کے پہلے بیان کی [illegible] کو دہرایا ہے۔ میں نے اس حصے کا ترجمہ اختصار سے کیا ہے۔

جسم کی نہ دماغ کی اس کے — ہونے پائی تھی پوری نشو و نما +

نقش اس وقت کے بھی ہیں موجود — جب وہ گرمی و نم میں حارہ کی

سختیاں جھیلتا تھا فطرت کی + — زلزلے تھے کبھی کبھی طوفان

آفتِ جان تھے گھنے جنگل — خوف لاحق تھا شیر ہاتھی کا

ہر قدم ڈر تھا مار و عقرب کا + — اس پہ بیماریاں تھیں بے قابو

بے تحاشہ وبائیں آتی تھیں + — ان مصائب سے بڑھ کے تھی لعنت

گیر و دار و غلام گردانی — گو رہے شیطاں صفت لٹیرے جن کی +

خوں چکاں چابکوں تلے اُن کی — کٹتی تھی عمر جب غلامی میں

گھر سے اپنے ہزاروں کوس پرے + — زندگی معتدل علاقوں میں

تھی اگرچہ نہ اتنی سخت مگر — سر اٹھا بیماریاں یہاں بھی تھیں

تھی غریبی کی ہر مصیبت بھی + — آدمی تھا غلام دولت کا

اس کو حاصل نہ تھا یہاں بھی کوئی — ظلم ہوتا تھا یاں امارت کا

قہر ڈھاتے تھے حکمران یہاں — کم نہ تھے اُن سے تا بدانِ دیں

آئے دن ہوتے تھے جہاد و جنگ — جن میں لاکھوں کا خون ہوتا تھا

یہ تو تھا ہی مگر ہزاروں لوگ — بھوکے مرتے تھے عہدِ امن میں بھی

آج لیکن یہ کرۂ خاکی

ارضِ پاک اور بھی منور ہے — نورِ اخلاق و حسنِ سیرت سے +

آج مرزوق ہے اس زمیں کی بشر + — جسم صحت سے اب درخشاں ہیں

پاک جذبات سے ہیں دل معمور + — ہو رہے ہیں دماغ تابندہ

خوب رو نورزا خیالوں سے +
برکت و رحمات و سعادتِ حق +
فکر و کردارِ نیک کی خوبیں
وہ بھی ہیں کتنی سادہ و معصوم
وہ نہیں جھینپتا کسی کا خوف
اُس کی نظروں میں کوئی غم نہیں +
اس کے سینے میں بن گئی ہے اُمید
جس کا ہے عکسِ خام لطفِ حیات +
یوں سمو گئے ہے اپنے پہلو میں
تو اس اُمید کی دکھائی ہے
منزلِ وحدتِ وجودِ ذات +
ہوتے ہیں جس میں گم زمان و مکاں +
چھوٹا پڑتا ہے جس سے آبِ حیات
جس کے لمحوں سے کم قرونِ زماں +
جو "بزرگی" پہ عہدِ رفتہ کی
مسکراتا ہے از رہِ شفقت

سلسلہ عارضی مناظر کا
سرعتِ برق سے گذرتے تھے

اب بشر کو جنم سے ہے حاصل
فیضِ فطرت سے ہیں رگوں میں رواں
خواہشیں آدمی کی ہیں محدود
اور تکمیلِ آرزو کے لئے
ہے اُسے سب کے ساتھ ہمدردی
اس کی پاکیزگیِ قلب و جگر
اُس شعورِ خودی کی لذت کی
زندگی کی جو ہر مسرت کو
جیسے دامانِ بحر میں قطرے +
اب اُسے راہ اُس کی منزل کی +
مرکزِ دائرۂ کثرتِ ہست
ہستیِ بیکراں کا سرچشمہ
وہ دوامِ شعورِ مست و نشاط
وہ شبابِ جمال و حسنِ حیات
اس کی عمرِ دراز کہنہ پر

وہ بشر جس کی زندگی تھی فقط
سامنے سے جو اس کی نظروں کے
خواب ناپائیداری کی مانند

جس کا رتبہ نہیں ہے نام و نشاں) — آج حاصل دوام ہے اس کو +

تاریخ آرزو ہے اس کے جہاں (۸) — آرزو جو رضا میں ہے شامل

آرزو اک دعائے خیر ہے جو + — دوست دشمن ار اب وہ ہے سب کا

اب پہنچتا نہیں کبھی ہرگز — بھول کر بھی کسی کو اس سے گزند +

مژدہ مجبوری کا جوشِ شر انگیز — اب نہیں ہے بشر کے سینے میں +

ڈالتا ہے جو اس کے چہرے پر — تکتی نظریں ہیں پردہ معصوم

وہ اسے مار کر نہیں کھاتا + — اب اسے رتی بھر کبھی خوف نہیں +

اب پرندے کبھی بے خطر ہو کر — خوش و خرم فضا میں اڑتے ہیں

اور پھر آ کے ننھے بچوں کا — پیار لیتے ہیں ان سے کھیلتے ہیں +

اب کسی دل میں کوئی خوف نہیں + — اب مساوات اور الفت کا

ایک دریا رواں ہے ہر دل میں + — برتری کا بشر کی اب احساس

مٹ گیا ہے حیات ہو گئے لئے — اب ہے ہموار اور ہم معنی +

جیسے سب کائنات ہستی کے — اب ہیں ہم ساز اور ہم آواز +

جہل کی ظلمتیں ہوئی ہیں دور — علم اور آگہی ہیں عالمتاب +

پھیلی ہیں انبساط کی کرنیں + — بس رہی ہے سکون میں جانِ بشر +

دل میں اس کے سرور و کیف اور — جسم میں اس کے صحت و طاقت

خوف اس کو نہیں علالت کا + — اس کی خوشیاں نہیں غم آلودہ

جسم پر عقل اور جوشِ جنون — گلستاں ہو گئے ہیں ہم آہنگ +

علم و عرفان آگہی میں اب — کوئی امکان نہیں تصادم کا +

(۸) چاہا جہان سے فطرت بدل دیا ہے قول جوان تاریخ فرمانِ آرزو (راجندر کونڈلوی)

کٹ گئی ہے بشر کی ہر بندش
کُل پہ پائی ہے اُس نے اب قدرت +

خود شناسا ہے اور خود آگاہ +
جانتا ہے کہ اصل میں وہ ہے

رُوحِ آزاد و مطلق و کامل +
حاضر و ناظر و ہمہ جائی +

وسعتِ کائناتِ ہستی میں
مادۂ ہست کی ہر اک صورت

فطرتِ ہست کی ہر اک حرکت
اب ہے ہر وقت تابعِ فرمان

آدمی کے شعورِ کامل کے
خود شناسی کی قدرتِ کُلی کے +

حکم سے اُس کے فطرتِ گیتی
کر رہی ہے جہاں کی آرائش +

پیار کے موتیوں کی لڑیوں سے
راستی کے دمکتے ہیروں سے

لا کے گہرائیوں سے ہستی کی +
رشکِ فردوس ہو رہی ہے زمیں

اے خورشیدا ارضِ نیک طالع و پاک

اے کہ تجھ میں ہوئی ہے جلوہ فگن
وہ حقیقت وہ صورتِ ازلی

ہے بہشتِ بریں نشاں جس کا +
تو ہر اُس روح کی ہے منزل جو +

ارتقائے خودی کو ہے بے تاب +
جستجوئے نشاطِ کامل میں

آرزوئے نجات دل میں لئے
کاٹتی آئی ہے ازل سے جو

ان گنت کائنات کے چکر +
تجھ تک آ کر ہی پوری ہوتی ہیں

آدمی کی تمام اُمیدیں
جو رہی ہیں ہمیشہ وابستہ

اُس کے شوقِ نشاطِ کامل سے
اُس کے کُلی آگہی کے ارماں سے

اُس کے خوابِ وجودِ مطلق سے
وحدتِ ہست کے تصور سے

+ ہندوستانی اصطلاح میں یوں کہیں گے کہ یہ وہ دھرتی ہے جہاں آتما پرمیشور کے روپ میں آ کر اپنی حقیقت (سچائی) کو پا کر جنم مرن سے نجات حاصل کرتی ہے اور مکتی

اے خوشا ارضِ نیک طالع و پاک
تو ہے انعام و حاصلِ تاباں
اُس کرن کی قوتِ ارادی کا
جو ازل ہی سے کارفرما ہے +
جس کی کرنیں بکھر کے ہر جانب
کر رہی ہیں نفوذ ہر شے میں
وسعتوں میں مکاں کی پھیلی ہیں
ساعتوں میں زماں کی ہیں روشن +
اِن شعاعوں کا انتشارِ وسیع
آخر آتا ہے اپنے مرکز پہ +
یہ سمٹ کر بشر کے قالب میں
بنتی ہیں روشنیِ قلب و نظر
آرزوئے خود آگہی کا شرر
آفتابِ خودی کا نورِ بقا

اے خوشا ارضِ نیک طالع و پاک
تو ہے کاشانہ پاک روحوں کا
فکر و تشویش و درد و غم کا یہاں
ہو ہی سکتا نہیں گزر ہرگز
نیکی و راستی کی خوشبو سے
مہکی مہکی تری فضاؤں میں
ٹھہر سکتی نہیں ہے بدبختی
اور ممکن نہیں ہے ناسازی +
تازہ دم ہے یہاں حیاتِ سدا
چھپنے پاتی نہیں کسی کو کبھی
سُستی و بے دلی و [illegible] +
نورِ عرفانِ حق ہے ہر دل میں
گوشہ گوشہ ہے اس کا تابندہ +
ظلمتِ جہل کے قدم زنہار
اب نہ آ پائیں گے کسی دل میں
اے خوشا ارضِ نیک طالع و پاک
تیرے حسن و جمال کا اک عکس
دیکھ لیتے ہیں وہ کبھی جن کو
برکت و فیضِ حق سے ہے حاصل
چشمِ بینا و تابِ نظارہ

وسعتِ فکر و شدتِ احساس +
عرش رس ہے تصورِ تاباں
اہلِ دل کی یہ ایزدی طاقت
تو ترے حسن کا وہ عکسِ لطیف
ماورائے خرد کا نقشِ خیال
وہ بہشتِ نشاط کا منظر

آرزو و امید کا سنگم +
جس کی خوشیاں نہیں غم آلودہ +
ہے مبارک تری فضا۔ اس میں
وصل ہی ہجر کا نہیں خدشہ +
مقصد و مدعا و حاصل ہے +
کرۂ عرش مرتبت ہے تو
تیرے دائم سکون کی جنت میں
اور کامل و مطلق آزادی
بندِ مجبوری عمل باقی +

تیری شانِ جلال کے آگے
ہیچ ہیں سارے پیرِ عالی جاہ

ہے تخیل ستارہ زا جن کا
عالم افروز قوتِ تخلیق +
بجوشِ تنویر بہ حسب آتی ہے
وہ شعورِ خودی کا رنگیں خواب
وہ بقائے حیات کا پرتو
بنتا ہے اک حقیقتِ زندہ
اے خوشا ارضِ نیک طالع و پاک
تو ہے وہ خطۂ منور و دلشاد
نور جس کا نہیں ہے تیرہ پا +
دوست مل کر جدا نہیں ہوتے
ہر تمنا کا ہر عمل کا تو
ارتقائے خودی کی تو منزل
اوجِ معراجِ پاک روحوں کی +
آکے ملتی ہے ان کو راحتِ جاں
کوئی رہتی نہیں ہے ان کے لیے

اے خوشا ارضِ نیک طالع و پاک
ٹھہر سکتا نہیں ہے رعبِ زماں +
جس کے زیرِ نگیں ہے سارا جہاں

سامنے تیرے سرنگوں ہے سدا
آئے دن خاک جسکے مٹھی ہیں
بادشاہانِ پُرجلال و عظیم
اُجڑی ویرانیوں میں صحرا کی
چند برساتی فصل کے پودے
خاک میں ملنا تھا غرور اُن کا +
تو بھی کہنہ سال پیرِ زماں +
لیکن اے ارضِ نیک طالع وپاک
اُٹھے انسان سربلند ہو کر +
نیک کردار کا تھا اُن میں زور
تیزئ و تندئ زماں پر وہ
مسکرائے وہ لطف و شفقت سے
کی عنایت سکون کی سوغات

جس کے خاموش ہیکلے پاؤں تلے
عظمتیں بھی تھیں شمار دیں کی +
قصۂ پارینہ ہے جنکی یاد
سب تھے پیرِ زماں کی نظروں میں
جن کی قسمت میں یہ رہ جانا تھا +
اصل میں تھا جو کوئی شاہِ جہاں
تھی ہر اک شے جہاں کی اسکی مطیع
آخرِ کار تیرے دامن سے
اُن میں طاقت تھی حق پرستی کی
عزم راسخ تھا کوہِ پا اُن کا +
اس کے طوفانِ غیض و غضب پہ
اور اپنے سرور دل سے

اک شبِ تیرہ و طویل کے بعد +
منظرِ زیست پر کروڑوں سال +
حق کی اُن ہلکی ہلکی کرنوں پہ
روشنی امن کی رہی محصور
پہن کر حق و راستی کا لباس

صبح یہ پیار کی طلوع ہوئی
کالی کالی گھٹائیں چھائی رہیں
جھوٹ کی ظلمتیں رہیں حاوی
قلبِ گیتی میں جو تھیں پوشیدہ +
حلقۂ ظلم کی سیاہی میں +
دندناتا رہا یہاں باطل +

اے خوش قسمت ارضِ نیک طالع وپاک

ظلمتِ جہل

عدل و انصاف کے بہانے سے
نام خیرات و نیک کاری پہ
پارسائی کے پاک دامن میں
جہل کی تیرگی ہٹی بھی تو
روشنی تھی جو کائنات کے دل میں
جہل کے غم کے درد کے سائے
جھوٹ نے اپنے آپ کو ڈس کر
سانس لی شکوئی غم کے مارے نے +
ضبط و قانون کے سلاسل سے
جوشش رفتار سے بشر کے قدم
جوشش غالب شعور پہ نہ ہوا +
اپنے پر ضبط وہ کیا جس سے
کار تخمیر راستی اپنا

روح آزاد نے لیا یہ پا
نہ رہا آدمی کے دل میں کوئی
وقت رحلت کو آدمی سمجھا
شوق و امید جلوہ سے رنگیں +
تو پڑا رہنے - کچھ نہ کرنے کا ⊗
اس کے خیال سے نکل گیا یکسر

ظلم ہوتے رہے غریبوں پر +
آئے دن لوٹ مار ہوتی رہی +
ہر طرح کے گناہ ہوتے رہے +
رفتہ رفتہ ہزاروں صدیوں میں +
وہ جبین حیات پر چمکی +
روئے رنگیں سے ہٹ گئے آخر +
جان لی اپنی زہر سے اپنے +
پائی عقل و خرد سے آزادی +
کھل گئی آدمی کی فطرت کو +
کچھ بھٹک سے گئے کہیں لیکن
فطرت بے عنان آدم نے
حد معقولیت رہی قائم +
چپکے چپکے خوشی سے کرتی رہی
موت کا خوف دل سے جاتا رہا +
جسم کی موت اس کی موت نہیں +
جسم کو چھوڑنے کا درد نہ غم +
منزل نو کا خوشگوار آغاز
جب بشر اپنی اصل کو سمجھا
جذبۂ جاں شکن ، فسردہ خیال
خون تازہ ہوا رگوں میں رواں

⊗ ہندوستانی اصطلاح میں اس خیال کو ایک مصرع میں یوں ادا کیا جا سکتا ہے۔
ع - "تو ہوا ختم" "ملتس" کا غلبہ

ڈرِ ملالت کا کبھی نہ کوئی رہا + آدمی کی بدل گئی فطرت

دل میں حرص و ہوس کا میل نہ تھا سر میں سایہ نہ تھا تکبر کا

فکر و تشویش کی نہ تھی ظلمت + فرق تھا قول و فعل میں نہ کوئی

اور لغزشِ زباں کسی کی کبھی تھی نہ آلودۂ ریا کاری +

نہ غلط رو تھے آدمی کے قدم نہ زیاں کار رہا کرتے تھے اگلے +

مسخ ہوتا ہے جن سے روئے حیات اُن برائیوں سے آدمی تھا صاف +

یہ تھا دُنیا کا عنفوانِ شباب زندگی کی شگفتگی کا عہد +

پائی ہمت سے برستی تھیں نعمتیں اپنے جاں نثاروں پر +

نور میں غرق تھا شعورِ بشر تھی جبینِ حیات روشن و پاک +

رُخ پہ تھا منعکس جلالِ خودی دست و بازو میں زورِ ایماں تھا

شدّتِ جوش سے مگر طاری + روح طاقت سے اپنی تھی آگاہ

سایہ تک خوف کا نہ تھا دل میں + اور عزم الحیاۃ کی قوت

پہنچکر یہ روح کی بلندی پر آرزو شاملِ رضا ہوکر

بن گئی تھی وہ بے پناہ طاقت ارتعاشِ خیال ہی جس کا

ہے کمالِ عمل بذاتِ خود + وہ عمل جو سدا عبادت ہے

خیر اندیشی و محبت سے + جس کی تحریکِ ابتدائی سے

لے کے تکمیلِ انتہائی تک ایک موجِ نشاطِ جاں ہے رواں +

جس کی صورت نمو کے پردے پر سلسلہ ہے جمالِ ہستی کا

نورِ داماں سرور و کیف فشاں

ہاں یہی تو ہے اصلی آزادی +
کچھ ضرورت کبھی نہیں رہتی +
آدمی کے لطیف احساسات
اک فضائے سرور و سرمستی
سُر اخوت و آشتی کے اٹھے
جس کو ہمساز و ہمنوا رحیں
کوئی قانون کی نہ تھی بندش
ضبط تھا تو ضمیر کا اپنے +

آ گئی وہ محل کا وصلِ حسین
جس کو اخلاق کے قوانین کی
داخلی ضبط کا رستے خود ہی
ہو گئے زندگی سے ہم آہنگ +
چھا گئی کائناتِ ہستی پہ +
دِل میں جاگا سرورِ ہمدردی +
باندھ لیتی تھیں بیٹھی تانوں میں +
قید تھی نہ سماج کی کوئی +

سادہ خوشبوؤں کے صاف چشمے کو
نہ ہی عصمت فروش مجبوری
پیار کی میٹھی میٹھی لذت کو
ہمدم و ہمنوا و ہم پایہ
حُسنِ اخلاق کی بلندی پہ +
زیست کی لذتوں کو کرتی تھی

جسم بازار میں نہ بکتے تھے
کر رہا تھا نہ زہر یہ مسموم +
نہ ہی تسکین مستعارِ حیوں
کر رہے تھے گناہ آلودہ +
مرد و زن زندگی بتاتے تھے
پیار کی ساکھ کی فضائے لطیف
اور شبہ کیف و شیریں و رنگیں
مِٹ چکے تھے نشاں رعونت کے +

شہریاروں کے قلعے اور محل
گو مجسم تھی اداس تنہائی

کھنڈروں کے تھے ڈھیر سب کے سب +
اور بکھرے جن سے سنگ و خشت

گونجتے ساتھ جیسے گیت تھے +
پہلے پیہم جہاں تھے لہراتے
اونچے گرجا گھروں کی دیواریں

مرثیہ دردناک لہجے میں
جس کی پُرسوز گونج کو لیکر
خستہ قبروں کے سنگِ مرمر کی
اُن کی عظمت کا درد رہی تھیں پتہ
گلتے گلتے کبھی نہ تھکتا تھا +
نوحہ خوانی کو ہمیش بیشی نہ رہے
جن کی بن کر غذا مکوڑوں کی

پیدا ہوتا تھا شورِ آہ و فغاں +
تھے وہاں اب ببول کے کانٹے
رو رہی تھیں پٹک کے ننگے سر +
شان و شوکت کا دین و مذہب کی
پڑھ رہی تھی زبانِ خاموشی +
پھر رہی تھیں ہوائیں سرگرداں +
چند بوسیدہ ٹوٹی پھوٹی سلیں
زندگی تھی جہاں جن کے گیت
موت پر جن کی بے شمار ہجوم
رہ گئی لیک عظمتِ باطل

جن کے بے نور سرد حجروں میں
درد اب گونجتا نہیں ہے وہاں
نغمہ بر دوش ہیں ہوائیں اب +
اب وہاں قہقہے ہیں بچوں کے
جن کے دل میں نہیں ہے خوف کوئی
شور اب آہنی سلاسل کا

گر چکے ہیں وہ قید خانے بھی
سینکڑوں ہی سسکتے مرتے تھے +
کرب کی ہے نہ آہ کی آواز +
ہیں دل افروز کرنیں سورج کی +
کھیلتی ہیں جو صحنِ زنداں میں +
ٹھوس دیوارِ صدر کے سایوں کا +
رہ گیا گردِ زنگ میں دب کر +
ہے عناصر کے دل میں موجِ نشاط

جو بکھر کر تمام عالم میں
صور تیں نو بہ نو حسیں بہ حسیں +
اس طرح آرہی ہے اسکے قریں +
رنگ سارے اُبھرتے آتے ہیں +
خوبیاں اُس کی ہوتی جاتی ہیں
سایۂ عاطفت ہیں ماں کا پیار
اور کرتا ہے پرورش اُن کی
رنگ سے جس کے ہوتے جاتے ہیں

اس جہاں کا تجھے دکھانا تھا +
آشنا کر دیا تجھے میں نے
معجزاتِ وجودِ ارضی سے +
تُو نے دیکھا مجازِ پردۂ وقت +
اصلِ بیم و رجا سے تو آگاہ +
وسعت ہست کے تماشہ کو
تو نے دیکھے ہیں اپنی آنکھوں سے
تا کہ دُنیا میں جا سکے پھر تو +
بخشتا ہے اس نظر سے وہ تو سدا
اور دُنیا میں ہر قدم پہ تجھے

کر رہی ہے خوشی خوشی تشکیل
ارتقائے بشر کی اوجِ کمال
اور حسن و جمالِ ارضی کے
قدرتِ حق کے لطف و برکت سے
اور کبھی پردۂ نمو پر عیاں +
جیسے لیتا ہے اپنے بچوں کو
نیک سیرت کو دے کے تقویت
خوب سے خوب تر وہ سال بہ سال +
روحِ آزاد بس یہی منتظر
ہو لیا پورا اب مرا مقصد
رازہائے حیاتِ ابدی سے
زندگی کا فسانہ تو نے سُنا
ہے تری دسترس میں فطرتِ ارضی
میں نے کی تھی عطا نظر جب تجھے
جس سے ماضی و حال و آئندہ
اب اُسے لے رہی ہوں میں واپس
لیکن عرفانِ آگہی جب تجھے
نور دے گا شعور میں تیرے +
روشنی دے گا بن کے مشعلِ راہ +

منزلِ ارتقا کی راہیں ہیں — اونچی اٹھتی ہوئی قدم بہ قدم +
پیچ در پیچ موڑ ہیں ان میں — ہیں گھری بھی ہوئی یہ خطرناک سے +
تیری اوجِ خودی کی منزل تک — فاصلے ہیں ابھی بہت حائل +
اس رہِ مشکل و طویل میں تو — کام لے ہمت و دلیری سے +
کر تو تحصیل۔ نیک کاری سے — راسخ الاعتقاد استقلال +
تیری ہستی کا یہ تقاضہ ہے — کہ تو ہر گام ہوتی جائے بلند +
یہ جنم یہ مرن، یہ جیون اور — وہ لطیف و نفیس حالت جب
روح ہوتی ہے جسم سے آزاد — ہیں مقاماتِ راہِ شوقِ نشاط +
دے رہا ہے ہر اک مقام تجھے — "تیز تر" "تیز تر" سفر کی صدا +
ہر قدم دعوتِ نشاطِ روح — ہر نفس وعدۂ سرورِ حیات +
تیری ہستی کے رخش کے پہیوں کو — تیز تر کر رہی ہے متواتر
منزلِ کیف بے خودی کی کشش + — اڑ کے پہیوں کے برقِ گردش سے
نورِ سوزِ حیات کا پا کر — سر بسر ہو رہے ہیں شعلہ بجاں +
یہ جنم نام ہے اس حالت کا

پہن کر جب قبا عناصر کی — روح آتی ہے بندِ ہستی میں
اور محسوس کرنے لگتی ہے — اپنے ماحولِ خارجی کا لمس
آگہی جس کی ہوتی ہے محدود — جس میں احساس کے مگر طوفاں
ہوتے ہیں سینکڑوں ہی خوابیدہ

زندگی سلسلہ عمل کا ہے +

یہ عمل اور اس کا ردِ عمل
خارجی علم اس کو ہوتا ہے
اور ملتی ہے ہر خبر اس کو
اُٹھتے ہیں رنگا رنگ احساسات
ہلکی موجیں، سرورِ ہستی کی
واقعاتِ جہاں کا ایک ہجوم
جن سے رنگیں ہے وسعتِ عالم

موت ہے ایک حدِ تیرہ و تار +
خوف زا ہے خیال تک جس کا +
اس کے پیچھے بھی ہے حسین فضا
بس رہے ہیں جہاں نئے عالم

اپنی اوجِ خودی کی شہراہ پر
خوف دل میں نہ لا کوئی ہرگز
توڑ کر پھینک دیں پرے اس سے
دے نہ اذنِ شگفتگی۔ پالا
اور بلبل و گل کو پھر دے گی
ہلکے ہلکے تھپک کے گالوں کو

تجربہ ہے حیاتِ انساں کا +
ارتعاشِ حواسِ خمسہ سے +
انعکاسِ شعورِ داخل سے +
شاد افسردہ روشن وغیرہ +
شورِ حرص و ہوس کے طوفاں کا +
دامنِ کائناتِ ہست میں ہے

زندگی کے حسین مناظر کی
بیٹھ جاتا ہے جس کو دیکھ کے دل
ہے مگر حد یہ۔ محض حدِ نظر
نیلگوں صاف آسمانوں کی
ابدی زندگی کی خوشیوں کے
ہاں تو اے روحِ تازہ و سرخوش
گامزن رہ حصولِ منزل تک +
آندھیاں شاخِ گل سے گر گل کو
اس کے غنچوں کی تازگی کو یا
لیکن آخر بہار آئے گی
مژدۂ جانفزائے رنگ و بو +
پیاری کلیوں کو آ جگائے گی +

اور شبنم کے پاک امرت سے — منہ دھلائے گی صبحدم اُن کا +
جیسے جیسے کھلے گا رنگِ شباب — مسکرائے گی اُنکے ساتھ فضا +
نکہتیں خورشید کے تبسم کی — صحنِ دشت و چمن پہ برسیں گی +
ہو گا قوسِ قزح سے پھولوں کی — رشکِ گردوں کنارِ آبِ رواں
بھر کے رنگوں سے اپنے دامن کو — موجیں دریا کی ناچیں گائیں گی +
مقصدِ زندگی ہے رنگِ بہار — مُدعائے حیات نکہتِ گُل +

ہاں تو اے روحِ قادر و سرخوش

گامزن رہ حصولِ منزل تک — خوف دل میں نہ لا کوئی ہرگز +
موت کے ہاتھ چھین لیتے ہیں — جسم کی یہ قبائے تلف کنار +
ڈر نہ عریانیوں سے ہستی کی — یہ تو ملبوس نورِ ذات میں ہیں +

وقت کے لا فنا تسلسل میں

جسم کی موت ایک لمحہ ہے — شمعِ ادراک کے گُل ہونے کا
خواب و بیخواب کا اندھیرا ہے — چشمِ بیدار میں تو نور ہی نور
ہے بقائے دوامِ ہستی کا + — موت ہوتی اگر حریفِ حیات
دشمنِ راستی و صدق و صفا — تو کہاں دارِ بے بقا ملتی ؟
رنگ مہر و وفا و برکت کا — کیسے کھلتا فضائے مقتل میں ؟
پھول بن کر بقائے الفت کا — ہے سدا جو شگفتہ و شاداں +
جو ہے آزادیِ بشر کے لئے — تاجِ رنگین ۔ فتح و نصرت کا
جو کمالِ نشاطِ ہستی کا — ہے مبارک نشانِ رخشندہ

۳ نو ۵۵ء

گامزن رہ حصولِ منزل تک +
اُٹھ کے دیتی رہیں گی تجھ کو پتہ
خود تری ذاتِ پاک وا طہر سے
راہ دکھاتی رہیں گی منزل کی +

جو ترے دل میں اٹھی تھیں اسو قت
کرتی تھی جب تو اپنے ہنر کی سنگ +
مرنے دیگی انہیں تو کیا یوں ہی ؟
دل سے اُن کو نکال پھینکے گی ؟
کیا تو اُن کو خموش کر دے گی ؟

قائدانِ عظیم مذہب کے
دھمکیوں کی نہ اُن کی کر پروا ۔
شرح میں جو بھی آہنی گانٹھیں
واقعی ہے خیال ہیبت ناک
تو ہے اک روحِ قادر و سرخوش
باطل و اختراع کی بیخ کنی
تیرے ہی نور نے مٹانا ہے

ہاں تو ہے روحِ قادر و سرخوش
خود ترے دل سے کیف کی موجیں
ارتقائے خودی کی منزل کا +
اُٹھ کے کر دیں یقینِ واثق کی

یاد کر اُن حسین اُمیدوں کو
چاندنی رات کو خرامِ ناز
وہ اُمیدیں تھیں زندگی تیری
چیر کر کیا تو اپنے سینے کو
دھڑکنیں میں یہی تو دل کی ترے

یہ سب بنے پھرتے ہیں جو اپنے آپ
اُن کی باتوں میں آ نہ اُن سے نہ ڈر
قہرمانوں کے تازیانوں کا
خونِ معصوم سے غریبوں کے)
دل میں لیکن تو کوئی خوف نہ لا +
ظلم کی طاقتوں پہ فتح تری
کلکِ تقدیر نے تو لکھدی کا ہے +
دل سے دکھ درد کا اندھیروں کو +

ہے نظر تیری پاک۔ دل روشن　　فکر تاباں، دماغ رخشندہ +

تیرا مسلک ہے خلق کی خدمت　　خیر اندیشی و نکوکاری +

تیری شفقت سے تیری برکت سے　　ختم ہوں گے جرائم و عصیاں +

عفو و رحمت کی پاک بارش سے　　ایسے دھل جائیں گے یہ سارے داغ

دُھند ہوتی ہے جیسے بیماری　　خدمتِ پُر خلوصِ ہمدم سے +

طاقتِ ایزدی ہے ساتھ ترے　　شاملِ حال ہے ترے برکت +

تیری روشن جبیں کی موجِ سکوں　　جوشِ غیض و غضب کے طوفاں کو

شانت کر دیگی اپنی نرمی سے +　　تُو خلوص و وفا کی ہے دیوی

خیرِ کُل ہے سرشت میں تیری +　　تیرا مضبوط عزم و استقلال

راسخ العتقاد تیرا دماغ +　　پاک جذبات ہیں ترے دل کے

اور روشن شعور ہے تیرا +　　تو نہیں ہے غلام رسم و رواج +

تیری فکر و نگاہ ہے آزاد　　بندشیں ہیں سماج کی ساری +

تجھ پہ دنیائے دوں کی کم ظرفی　　چل سکے گی نہ اپنی چال کوئی +

تجھ پہ غالب نہ آسکے گا کبھی　　زور اس کے غرورِ بے جا کا +

ارتقائے خودی کا جلوہ پاک　　جو کیا ہے عطا تجھے میں نے

حرکتِ وقت کی حقیقت کا　　جو دکھایا ہے سلسلہ تجھ کو

رازِ مرگ و حیات جو تو نے　　ماورائے وجود پایا ہے

یہ عطیہ ہے برکتِ حق کا　　تو ہے حقدار اس عنایت کی

یہ ہے انعام پاک نظری کا +　　راہِ صدق و صفا پہ تیرے قدم

زندگی بھر تری رہے قائم + | تیری پاکیزگی و نیک دلی
لغزشِ پا کی تیرے ہے ضامن + | روحِ سرخوش و شادکام تو جا
کر تو آبادِ حسنِ رخشاں سے | قالبِ آب و گل کو پھر اپنے
پیار کی اپنے اس کو رونق دے + | وہ جو بیٹھا ہے غم میں ڈوبا ہوا
تیرگی میں ترے فراق کی جو | ٹکٹکی باندھے کر رہا ہے تلاش
اُس شعاعِ اُمید کو جس سے | صبحِ خنداں ہو پھر طلوع اسکی
زندگی خواب سے ہو پھر بیدار | کرنیں بن کر ترے تبسم کی
اور موجِ نسیم کیفِ نشاط | ہر طرف دے بکھیر رنگ و بو
اُس دلِ منتظر کو جا کر دے | ہدیہ اپنی حسیں محبت کا +
نورِ ماماں تری محبت ہے | پاک ہیں تیرے پیار کے جذبات
روحِ سرخوش و شادکام تو جا | پھر تو کاشانۂ محبت کو
اپنی آشاؤں سے چراغاں کر + | تیرے پاکیزہ پیار میں شامل
ہے تبرک تری سعادت کا

ماد رِ کائناتِ ارضی نے
دی اُسے یوں بشارتِ برکت | اور اپنے عصا کو لہرایا +
تھی اینیتی کی روحِ غرقِ نشاط | لب پہ اس کے سکوت تھا جاری
سر جھکا کر کیا ادا اُس نے | بھیگی بھیگی دمکتی نظروں سے +
شکریہ ماں کی اس عنایت کا | متبسم اشارہ دیوی کا
پاتے ہی پھر وہ رتھ پہ جا بیٹھی + | لے اُڑے رتھ کو برق پا گھوڑے

آسمانی فضائے روشن سے
کرہ ہائے منورِ افلاک
دُور افتادہ نور کے نقطے +
رتھ بالآخر زمین پہ پہنچا
(اور رتھ سوئے آسماں لپکا)

ارتعاشِ لطیف جیون کا
کم ہوا اور وہ لگیں کھلنے +
پایا ہنری کو اپنے سرہانے
تھیں ابھی تک گڑی ہوئی ایسے
چاندنی سے، فلک کے تاروں سے
اُن محبت بھری نگاہوں کو
بھر دیا اپنے پیار کا پیغام

پھر زمیں کی طرف، یہاں تک کہ
جگمگاتے ہوئے نظر آتے،
میلِ راہ، چاند رہ گیا پیچھے +
روحِ اینتھی کی رتھ سے اب اُتری
اور قالب سے جا ملی اپنے
جسمِ بے جان میں ہوا پیدا
بند آنکھوں پہ بوجھ پلکوں کا
جاگی اس کی نگاہِ حیرت تو
اُس کی خاموش غم زدہ نظریں
پوچھتی ہوں وہ جیسے رہ رہ کر
کیسی ہے نیند یہ اینتھی کی؟
خود اینتھی کی مسکراہٹ نے

طبع زاد منظومات

ازل کی صبح محبت خوشی سے تھی رقصاں
نشاطِ سازِ نمودِ وجود پہ نغمہ فشاں
لبوں پہ مادرِ ہستی کے مسکراہٹ تھی
بکھر رہی تھیں مسرت کی چار سو کلیاں
مہک رہا تھا مشامِ شعور و فکر و نظر

(نا تمام)

میرے بیاں میں نُطق میں میرے میری زباں پہ نام ترا
اب تو بس اس نام کا جینا ہی ہے بھگون کام مرا
میرے گلے میں گیان کی دیوی خود آ کر بس جاتی ہے
تیری لیلا کے پھر سندر میٹھے گیت سُناتی ہے
یہی گیت میں سرمستی میں بار بار دہراتا ہوں
مدھر منوہر پیارا پیارا گیت میں تیرا گاتا ہوں

(سوامی وویکانند)

قدموں میں اپنے دے کے جا۔ مجھ کو غلام لے بنا
فقر قلندری نہ دے شانِ سکندری نہ دے

بخشش مجھے وہ بیخودی جس میں بسا ہو تو ہی تو
جس میں شعور "میں" کا ہو تو مجھے وہ خودی نہ دے

تاب و تواں نہ دے مجھے ایذا رساں جو ہو کبھی
جس سے نہ ہو سکے بھلا ایسی کبھی بے بسی نہ دے

جو نہ کسی کے بھی کبھی کام ذرا کبھی آ سکے
خلدِ جہاں میں تو مجھے دوزخی زندگی نہ دے

جس میں ہو جذب صوت و لفظ بخشش مجھے وہ خامشی
خود نگر و غلط بیاں زورِ سخنوری نہ دے

اک نگہہ غلط تری ضامنِ کیفِ بیخودی
محفلِ ناؤ نوش میں دعوتِ مے کشی نہ دے

حسن کی اداؤں کو حق ہے خود نمائی کا
عشق کی وفاؤں کو حقِ خود سری نہ دے

نہ سُنی جو تونے مری تو کیا۔ مرے دن تو بیت ہی جائیں گے

مجھے ڈر ہے تو یہ بھی ڈر ہے یہ کہ مری وجہ سے کہیں تجھے (ق)

کوئی سطح بیں نہ یہ طعنہ دے کہ ہُوا نہیں ہے تو اس کا بھی

جو ہے زندہ تیرے ہی نام سے جسے آسرا ہے تو تیرا ہی

جو ترے ہی چرنوں کا داس ہے جسے تیری سیوا کا مان ہے

ترے دھیان تیرے بھجن کا ہی تو جہان جس کا جہان ہے

مجھے کھشما کیجیے ہے پر بھو مرے مُنہ سے یہ کیا نکل گیا

مرے من نے دھوکا دیا مجھے نئے طور سے یہ مچل گیا

مجھے حق ہی کیا ہے کہ میں کہوں کہ تو میری مان نہ اپنی کر

مرا اپنا کس شے میں ہے بھلا۔ مجھے اتنی بھی تو نہیں خبر

مجھے اگلے پل کا پتہ نہیں۔ مجھے اگلے دم کا نہیں یقیں

مری آرزو مری التجا۔ مرا اندھاپن تو نہیں کہیں

تو قبول کر وہ دُعا مری رہے جس میں شامل تری رضا

کبھی مانگ بیٹھوں جو اور کچھ تو معاف کر دے مری خطا

نہیں مجھ میں اتنی طاقت ترے پاس چل کے آؤں
تجھے خود ہی اب تو بھگون مرے پاس آنا ہوگا

میں بُلا بُلا کے تجھکو صبح و شام ہار بیٹھا
مری خامشی میں آ کر مجھے اب بُلانا ہوگا

ترا ذکر سُنتے سُنتے ترا نام لیتے لیتے
وہ مقام آ گیا ہے کہ تجھی کو پانا ہوگا

تری راہ تکتے تکتے مری آنکھیں تھک گئی ہیں
تجھے اپنا روئے زیبا مجھے اب دکھانا ہوگا

ص ۲ ہے بمعنی اسکے

حریمِ دل میں خرامیدہ آ رہا ہے کوئی
نفس نفس مجھے اپنا بنا رہا ہے کوئی

رواں رگوں میں مری ہو رہی ہے موجِ نشاط
"بہار" سازِ رگِ جاں پہ گا رہا ہے کوئی

کریں گے رنج و الم اپنے دل میں گھر کیونکر
سرورِ صحبتِ اطیب مسکرا رہا ہے کوئی

تھکی تھکی سی ہے لیکن نہ رک سکے گی حیات
قدم ملا کے مرے ساتھ جا رہا ہے کوئی

کوئی صدا نہیں پیدا مگر یہ لگتا ہے
قریب اپنے مکرر بلا رہا ہے کوئی

سکوتِ جاں کی فضائے سکوں بداماں میں
مجھے سرودِ محبت سنا رہا ہے کوئی

رکھتے ہیں تیرے قدموں میں سر عاجزی سے ہم
پاتے ہیں شانِ سروری یوں بندگی سے ہم

اُتنا ہی اور ہوتے گئے ہم ترے قریب
جتنے قریب تر ہوئے اپنی خودی سے ہم

اپنی نظر میں مہر و مہ و کہکشاں نہیں
واقف ہیں ہو چلے ہیں تری روشنی سے ہم

ہوش و خرد کی منزلیں سب گردِ رہ ہوئیں
بے خود گزر رہے ہیں مقامِ خودی سے ہم

سرشار و مست نظرِ عنایت سے ہیں تری
نالاں نہیں ہیں لیک تری بے رُخی سے ہم

بے لوث و بے کنار محبت ہے اصلِ ترک
تجدیدِ عشق کرتے ہیں بیگانگی سے ہم

"آلودۂ خیال ترا حسن ہو نہ جائے
دل ہی میں پوجتے ہیں تجھے خامشی سے ہم

اک اک نفس میں لیتے بہارِ نشاط ہیں
آئے ہیں جنتِ چمنِ عاشقی سے ہم

باقی نہیں ہے دل میں کہیں خوفِ موت کا
کرتے ہیں پیار اس طرح سے زندگی سے ہم

رگ رگ میں کیف زا ہوئیں امواجِ انبساط
ہیں فیض یاب حسن کی دریا دلی سے ہم

لپٹے ہی آپ کھنچتا چلا آ رہا ہے تو
کرتے ہیں آرزو تری اس سادگی سے ہم

صدا فراقؔ گورکھپوری

"گیان مارگ کی نظمیں"

مارچ ۱۹۷۵ء کو کرشن موہن کی یہ تخلیق مجھے ناشر نے عنایت کی۔
مندرجہ ذیل نظمیں بطور ردِ عمل ظہور میں آئیں۔

"پوچھتا ہوں میں"

"گرہستی کی رسم اب باقی نہیں پھر بھی سماج
کسقدر ہے تنگدل سنگدل
آج بھی ہیں کتنی بیوائیں کہ اپنی زندگی میں جل رہی ہیں روز و شب
پوچھتا ہوں میں ہے اُن کا کیا قصور۔"

اور ہاں کیا جل رہی ہیں زندہ بس بیوائیں ہی
لاج کی ماری کنواری لڑکیاں اس دیش کی
کیا نہیں محروم بےچاری پتی کے پیار سے؟
کیا چِتا کی آگ سے کم ہے یہ محرومی کی آگ؟
کیا قصور ان کا نہیں اتنا ہی بس کہ اُن کے باپ
پوری کر سکتے نہیں ہیں لڑکے والوں کی طلب
یا وہ میک اپ کے لئے جاتی نہیں سیلون میں؟

اور یہاں کتنی ہیں ایسی ناریاں جن کے پتی
عیشِ آوارہ کی خاطر چھوڑ دیتے ہیں انہیں

اور یہاں بھارت میں ہی ہوتی نہیں قربان کیا
سن رسیدہ مرد کی شہوت پہ کمسن بچیاں
آگ میں وہ خود فروشی کے نہیں جلتی ہیں کیا
اور آئے دن یہاں ہوتے نہیں کیا "حادثے"
جن میں جل مرتی ہیں کتنی نو شگفتہ دلہنیں
لا نہیں پائی جو اپنے ساتھ منہ مانگا جہیز
"پوچھتا ہوں میں ہے اُن کا کیا قصور"

کھجراہو

"نشاطِ اختلاط اب نقشِ سنگیں ہے"

یہ آدم اور حوّا کا ملن عریاں و بے پردہ
یہ سوزِ عشق و سازِ حُسن کی رنگین تصویریں
تراشیدہ نقوشِ خواہشاتِ جسمِ انسانی
ہوس کی آگ کے شعلے نشاطِ وصل کی شکلیں
مظاہر عیشِ جنسی کے یہ دیواروں پہ مندر کی
لیے ہیں اک پیامِ ترکِ عشرت ہائے جسمانی
جسے جانا ہے مندر میں پہ بھگوان سے اپنے ملنے کو
اُسے مندر کے باہر اپنا سب کچھ چھوڑنا ہوگا
خود کو بھی اپنی دولت جنسی خیالِ عیش و عشرت بھی

گزر گئی ہے شبِ تارِ خود فراموشی — خود آگہی کی جہانِ انا میں پَو پھوٹی
اُبھر رہی ہے افق پر نویدِ رنگِ سحر — تو میری صبح کو رخشندگی عنایت کر
جمالِ حضرت کے خورشیدِ پاک و عالمتاب

مٹی ہیں ظلمتیں درد و غمِ محبت کی — شعاعیں پھیل گئیں چار سو مسرت کی
برس رہا ہے دل و جاں پہ نورِ کیفِ حیات — چمک رہی ہیں نظر میں تجلیاتِ نشاط
بفیضِ جلوۂ خورشیدِ پاک و عالمتاب

دیوالی (۱۹۷۴)

اجودھیا رشک آتا ہے تری قسمت پہ رہ رہ کر
فقط چودہ برس فرقت کے حصے میں ترے آئے
ہوا اس پر یقینِ وعدۂ فردا عطا تجھ کو
کٹے جس کے سہارے بیت سب فرقت کے دن تیرے
تری اک اک گلی کا گوشہ گوشہ آج روشن ہے
قدم وہ پھر یہاں پہنچے ہیں جن کے نورِ برکت سے
طلوع ہوتے ہیں مہر و ماہ و انجم ہر دورِ عالم میں
قدم جو مصدر و ماخذ ہیں نورانی جبینوں کے
جھکے رہتے ہیں جن قدموں میں سر رشیوں کے منیوں کے
جہاں دیکھو اجالا ہی اجالا ہے

مگر بستی مرے دل کی ترستی ہے اُجالوں کو
نہ جانے کتنے جسموں کے یہاں سایوں میں سائے
نہیں مدت معین کوئی میرے وردِ ہجراں کی
مٹیں جس کے تصور سے مرے تاریک اندیشے
دماغ و دل کے گوشے گوشے میں پھیلا ہے اندھیارا
نظر پھر بھی طلب کرتی ہے مجھ سے نور کے جلوے
ہیں شوقِ دید کے پھر آج کرتا ہوں دیئے روشن
صفائے دل کو تو سے مشغل تسلیم و قناعت سے
نہ جانے رام و سیتا آج ہی آجائیں گھر میرے
مرے دل کی اجودھیا میں اُجالا ہی اُجالا ہو

رنگینیٔ مناظر و رخشانیٔ محبیات
رونق یہ کائنات کی تعبیرِ انبساط
وسعت ادھر چمن کی اُدھر وسعتِ فضا
منزل نہ کوئی اپنی نہ اپنا کوئی مقام
دونوں جہاں جس سے ہیں طوفاں بپا وہ چشم
میں سب کے غم میں سب کی خوشی میں شریک ہوں
اک حسنِ ذات اور ہزاروں تجلیاں

اعجاز اپنی چشمِ تجلی نگر کا ہے
اک زندہ عکس پاکیٔ حسنِ نظر کا ہے
یہ درمیاں کا فاصلہ بس بال بھر کا ہے
افسونِ خواب نقش یہ دیوار و در کا ہے
اک مختصر معاملہ قلب و جگر کا ہے
یہ فیض سازِ دل کا ہے سوزِ جگر کا ہے
ہنر کمالِ فن یہ دل شیشہ گر کا ہے

سمجھے تجھے جو دور تو ہم ڈھونڈھتے رہے
ہر رنگ تیرا آنکھ کو بھاتا چلا گیا
ہر نام سے برستا گیا پریم رس ترا
لطف و کرم کی تیرے کوئی انتہا نہیں
یہ بھی ہے تیری رحمت و برکت کا معجزہ

آنے لگے جو پاس تو آتے چلے گئے
ہر روپ تیرا دل میں بساتے چلے گئے
ہم گیت تیرے نام کے گاتے چلے گئے
جو کچھ بھی تجھ سے چاہا وہ پاتے چلے گئے
قدموں میں تیرے آئے تو آتے چلے گئے

انتہا لطف و کرم کی نہیں تیرے کوئی
تیرے ہاں ہوتی ہے ہر عرضِ تمنا منظور
ہوتے ہوتے بھی خطا ہونے نہیں پاتی ہے
ناز ہے دل کو مرے اپنی وفا پر لیکن
حسن کی برقِ تجلّی کا ہے ہر دل قائل
ایک ہی لَے سے ہوئیں پیدا تمام آوازیں
آرزو اپنی رضا میں تری شامل ہو لیں
کیفِ جلوہ ہے ترے بزمِ جہاں کی رونق
اور کیا اس سے بڑا حشر بپا ہونا ہے

یہ خبر تھی نہ مجھے تیری جفا سے پہلے
تجھ کو اپنائیں اگر عرضِ دعا سے پہلے
لب پہ آئے جو ترا نام خطا سے پہلے
یہ وفا تھی ہی کہاں تیری وفا سے پہلے
شعلے یہ اٹھتے نہ تھے حسنِ ادا سے پہلے
لَے ترے نام کی تھی صوت و صدا سے پہلے
کہ اٹھے دستِ عطا، دستِ دعا سے پہلے
کھلتا ہے غنچۂ دل رنگِ حنا سے پہلے
اٹھ رہا ہے جو یہاں روزِ جزا سے پہلے

اک تبسم سے ترے ابھرے ہیں اس کے سب رنگ
اک نظر نے تری بخشا ہے مجھے کیفِ حیرت
ساتھ تیرے سمٹ آتے ہیں دو عالم دل میں

اتنی رنگین تری دنیا کبھی پہلے تو نہ تھی
ایسی سرشاریٔ جلوہ کبھی پہلے تو نہ تھی
بے خودی اس طرح تنہا کبھی پہلے تو نہ تھی

یہ تجلی تری وحدت کی یہ روشن نظری — کثرت جلوہ میں پیدا کبھی پہلے تو نہ تھی

ایک ہی رنگ ہے ہر تار نظر میں اب تو — تیری یہ صورت یکتا کبھی پہلے تو نہ تھی

مجھ سے اب تجھ ہی کو بس تجھ ہی کو پانا ہے مجھے — اتنی بیباک تمنا کبھی پہلے تو نہ تھی

تبسم میں تیرے جمال حیات — تری چشم خنداں میں حسن ممات

تری خامشی میں ہے زور بیاں — سکوں میں ترے شور طوفاں نہاں

نفس تیرا آہنگ دور زماں — ترا نقش پا نور حسن مکاں

مکمل و مطلق ہے تیرا وجود — تجھی میں سموئے ہیں غیب و شہود

مرے دل میں سوز گداز حیات — مری چشم نم آرزوئے نشاط

مری خامشی بے زبانی مری — سکوں میرا مجبوری و بے بسی

نفس میرا آہٹ ہے اک موت کی — ہے ہاتھوں میں جس کے مری زندگی

مری ہستی فانی و ناپائیدار — مجھے لگتے دم کا نہیں اعتبار

مجھے تیرے قدموں میں مل جائے جا — تو دونوں جہاں مجھ میں جائیں سما

تو اک بار کہہ دے کہ میں ہوں ترا

تو انگ انگ ناچے خوشی سے مرا

شعلگی تجھ میں اگر ہے تو سر طور لپک — وادی درد غم دل میں سلگتا کیوں ہے

حق کی آواز ہے سینے میں تو اٹھ نعرہ لگا — تو اسے ساز خموشی ہی میں رکھتا کیوں ہے

موج ہستی میں تری جوش ہے تو طوفاں بن — سطح دریا ہی یہ دم بھر کو ابھرتا کیوں ہے

گرمئ شوقِ سفر پاؤں میں ہے تیرے تو — چلتا چل سوچ کے راہ ہی میں ٹھہرتا کیوں ہے

آتے دن راہ بدلنے سے ملی کب منزل — راہ بدلنے ہی کے چکر میں بھٹکتا کیوں ہے

گر یقیں اپنے پہ ہے اور خدا پر ایماں — تو حوادث سے زمانے کے تو ڈرتا کیوں ہے

سر میں معراجِ خودی کا ہے اگر تیرے جنوں — عظمتِ دار کو اپنا لے۔ جھجکتا کیوں ہے

دل سے کہہ دو کہ جو ہمت نہیں مٹ جانے کی — تو پھر ہر برقِ تجلی پہ مچلتا کیوں ہے

مقصدِ زیست نہیں گر ترا تکمیلِ جمال — دم بدم اور سے پھر اور سنورتا کیوں ہے

اس میں بس جانے سے ہوتی ہے خودی اور بلند — اپنی معراج کو تو موت سمجھتا کیوں ہے

لڑکھڑائیں گے قدم تو ترے پی جو لی ہے — لڑکھڑانے دے انہیں۔ پی کے سنبھلتا کیوں ہے

اور توفیق پیے جانے کی ساقی دے گا — وہ پلاتا ہے پیے جا تو جھجکتا کیوں ہے

جام پر جام وہ دیتا ہے تو تو ہاتھ بڑھا — ہوش کھو جانے کی تو فکر ہی کرتا کیوں ہے

ہوش گم، بند زباں، چشم تماشہ خالی — آگہی کے لیے لازم ہے ڈرتا کیوں ہے

موج مل جاتی ہے دریا میں تو ہوتی ہے محیط — دل تصور ہی سے مٹنے کے دھڑکتا کیوں ہے

اک غلغلہ تو سارے جہاں میں مچا کے جی
نعرہ خودی کا ارض و سما میں لگا کے جی

وہ زندگی نہیں جو سہارا کسی کا ہے
جینا ہے تو خود اپنے پہ ایمان لا کے جی

نیچی نظر۔ خمیدہ کمر۔ سر نگوں بہ پا
یہ کیا ہے؟ اٹھا نظر تو جہاں سے ملا کے جی

خود کو مٹا کے جینا جہاں میں روا تو ہے
لیکن یہ شرط ہے کہ کسی کو تو پا کے جی

مطلوب خود سپردگی کی شان ہے اگر
تو دل میں شانِ حسن کی شمعیں جلا کے جی

خوابیدہ ہے خود اپنے ہی دل میں جلالِ ذات
اُٹھ جاگ تو بھی اور اُسے بھی جگا کے جی

مشکل ہے ترکِ دُنیا سے ترکِ تعلقات
دُنیا میں رہ کے اپنے کو ان سے بچا کے جی

آساں ہے مول دشمنی لینا ہر ایک سے
ہے بات جب ہر ایک کو اپنا بنا کے جی

جتنی لٹائے گا تجھے اُتنی ملے گی اور
دولت تو اپنے پیار کی ہر سو لٹا کے جی

یہ پیار ہی عطیۂ ہستی کی شرط ہے
اس کو نبھا سکے تو جہاں تک نبھا کے جی

"یہ نہ سوچ کیا نہ پایا۔ یہ کہو کیا مل گیا"

تشنہ لغزو نشے جو دیکھا میں نے۔ ساقی نے کہا
"یہ نہ سوچ کیا نہ پایا۔ یہ کہو کیا مل گیا"

تو قدم بھی اس کے پائے گا یقیناً ایک دن
وہ بھی مل جائے گا تجھ کو نام جس کا مل گیا

تو حباب آسا اُسی کے دم سے ہے سطحِ آب پر
ہے رواں مرّٹ کر کہے گا تجھ کو دریا مل گیا

وسعتِ صحرا سے اس کو جب ملے گی آگہی ذرۂ صحرا پکار اُٹھے گا صحرا مل گیا
اُس کا ہو کے اُس میں کھو جا پھر نہ اُٹھے گا سوال کس کو کیا پانا ہے کس سے کس کو کب کیا مل گیا

دیا پیام کبھی وصل کا چُرا کے نظر کبھی ملا کے نظر سے نظر کلام کیا
ادائے ناز و نگاہِ کرم کا کیا کہنا اُمید و بیم کا اک ساتھ اہتمام کیا
ہزاروں خواہشیں تھیں موجزن مرے دل میں لگن نے تیری یہ سب سلسلہ تمام کیا
بھری ہیں حُسن کی رنگینیاں نگاہوں میں کچھ ایسے جلوۂ واحد کو تو نے عام کیا
عطا کیا مجھے غم اپنا اور پھر تجھ پہ تمام عیشِ مکان و زماں حرام کیا

بدلتی رہتی ہے صورت ہر ایک شے کی مگر کوئی بھی شے نہیں حاصل جسے دوام نہیں
ظہورِ صبح و مسا ہے زمیں کی گردش سے نظر میں مہرِ درخشاں کی صبح و شام نہیں
کوئی کبھی تو نہیں ہو رہا ملیخ سے آدم تک جہاں میں جس کے لیے مرحلہ اتمام نہیں
حیات اپنی ہے اک مستقل سفر یہ جہاں (ق) نشانِ راہ ہے آرام کا مقام نہیں
قدم قدم نئی منزل ہے جستجو کے لیے نظر نظر نیا منظر ہے لیک عام نہیں
جبیں جھکا کے چلا ہے ہرا سر تو آستاں ہر سنگ اُٹھے نگاہ تو کوئی کہیں مقام نہیں
پہ چارہ گر تو سمجھا یہ میں کبھی ہوں مجبور رضا کا بندہ ہوں مجھ کو دوا سے کام نہیں
دیا ہے دل میں مرے حوصلہ رہے نہ کوئی مجھے قبول دُعا میں جواب کلام نہیں
غلام اور کبھی رہ گیا ترا جب سے کہا یہ تو نے کہ میں دوست ہوں غلام نہیں

احساس میں وحدت ہی کے رہتے ہیں وہ ڈوبے
جو بس گئے ہیں اسی میں وہ پوجا نہیں کرتے

جن بندوں نے مرضی کو لیا اس ہی کی اپنا
وہ اس سے خود اس کا کبھی تقاضا نہیں کرتے

ہر جلوے میں جو دیکھتے ہیں نور اسی کا
وہ نور کو جلووں سے علیحدہ نہیں کرتے

دل والے من و تو کا بھرم رکھتے ہیں قائم (ق)
آوازِ انا الحق وہ لگایا نہیں کرتے

تکمیلِ خودی حسن تو تنویرِ خودی عشق
یہ راز وہ لب پہ کبھی لایا نہیں کرتے

دل پاک، زبان پاک، نظر پاک ہے جن کی
وہ تجھ سے کبھی خامی سے کنارا نہیں کرتے

جو نیک خود نیک عمل ہیں وہ بری بات
کہتے نہیں سنتے نہیں دیکھا نہیں کرتے

ایسا تو نہیں دُکھ نہیں ہوتا نہیں جن کو (ق)
بندے مگر اس کے کبھی شکوا نہیں کرتے

ہر لمحہ بجا لاتے ہیں وہ شکر اسی کا
جز اس کے کرم کے کوئی چرچا نہیں کرتے

ہیں آشنا ہوا جس دن سے اپنی ذات کے ساتھ
خیال تیرا ہی آتا ہے بات بات کے ساتھ

خزاں کے جانے کی یا آمدِ بہار کی ہو
کوئی بھی بات ہو جب چلتی ہے تیری بات کے ساتھ

ہر گل رخوں کا فسانہ کہ مہوشوں کا ذکر
ہوا ہے منسلک ذکرِ جمالِ ذات کے ساتھ

ادائے ناز ہیں تیری ستم زمانے کے
جہاں کی بخششیں ہیں نظرِ التفات کے ساتھ

ہیں تیری صبحِ تبسم کی کرنیں سب خوشیاں
تمام غم تری زلفِ سیاہ کی رات کے ساتھ

ہر ایک شے میں تجھے پلک میں نے دیکھا ہے
لقائے زیست ہے دنیائے بے ثبات کے ساتھ

مجھے جو تو نے لیا ازرہِ کرم اپنا
تو سچا پیار رہا تجھ کو کائنات کے ساتھ

بالآخر آنا ہے سب کو ترے ہی قدموں میں
ہیں سب کے سب ہی تو وابستہ تیری ذات کے ساتھ

کوئی یقیں کے سہارے پہنچتے ہیں تجھ تک
تو کوئی آتے ہیں تجھ تک توہمات کے ساتھ

کوئی صفات سے اُٹھ کر کے تجھ کو پاتے ہیں — تو کوئی پوجتے ہیں سینکڑوں صفات کے ساتھ

تعلقات مٹا کر کوئی ہوئے تیرے
کوئی رجھاتے ہیں تجھ کو تعلقات کے ساتھ

نااہل ہوں میں اور پرستش ہے مری خام — تو آ کے مجھے اتنا ہی بتانے کے لئے آ

میرا تو ہے بس تو ہی کوئی اور نہیں ہے — تو بھی تو مجھے اپنا بنانے کے لئے آ

جو گونجتی ہے آج بھی متھرا کی فضا میں — پھر دُھن وہی بنسی کی سنانے کے لئے آ

جس راس میں ہوا ایک تو ہی تو کا ہی احساس — وہ راس پھر اک بار رچانے کے لئے آ

چوری ہی میں آتا ہے تجھے لطف تو موہن — آ سامنے آ دل کو چرانے کے لئے آ

پھر تجھ کو اُٹھانا ہے اگر کوئی گوردھن — تو بارِ غم دہر اُٹھانے کے لئے آ

پگڈنڈی ہے تری راہ مگر چل نہیں پاتا — چلنا مجھے اس رہ پہ سکھانے کے لئے آ

احساس ہے ہر وقت مجھے بے بصری کا — آنکھوں میں مری نور بسانے کے لئے آ

دل چاہتا ہے تجھ کو منانے کا مزا لے — تو آ تو سہی روٹھ کے جانے کے لئے آ

ہو جائے نہ یہ درد جدائی کا کہیں کم — اس درد کی لذت کو بڑھانے کے لئے آ

میں کتنے بہانوں سے بلاتا ہوں تجھے دیکھ — آ ناز و ادا مجھ کو دکھانے کے لئے آ

اپنی نظر جو مل گئی اس کی نظر کے ساتھ — باقی رہی نہ کوئی خبر اس خبر کے ساتھ

احساس ہمسفر ہے مجھے کچھ واسطہ نہیں — ارض و سما کے ساتھ نہ شام و سحر کے ساتھ

عرضِ دعا کی اب نہ رہی کوئی آرزو — حاصل ہوئی ہے بے خودی مجھ کو اثر کے ساتھ

اب خاک ہی نہیں ہے شعلۂ بقا — واصل ہوا ہے مشتِ غبار اب شرر کے ساتھ
اب جلوہ ہے نہ جلوہ مگر حال ہے یہ کیا — رنگِ جمال بھی گیا حُسنِ نظر کے ساتھ

سب مٹ گیا طلسمِ تمنّا جنونِ شوق
یوں بہہ گئی ہے اپنی انا اشکِ تر کے ساتھ

~~~~~

بھجن

"آج سکھی موہن گھر آئے"

آج سکھی موہن گھر آئے — آج مرے گھر موہن آئے
دل کی دھڑکن تیز ہے لیکن — شل ہیں میرے ہاتھ اور پاؤں
مُنہ سے بات نہ نکلے کوئی — آنکھیں ہیں اپنی پتھرائی
بُت بن دیکھوں سوجھت ناہیں — پاؤں پڑوں یا اُن سنگ ناچوں
وہ چاہیں تو مجھ کو چھُو کر — جان نئی پتھر میں ڈالیں
انگ سے انگ لگا کر موہن — سوئی ہوئی دُنیا کو جگا دیں
لپٹ لپٹ کر کُل چرن سے — اپنے آپ کو میں یوں کھو دوں
چِت دیکھوں موہن ہی موہن — رادھا رادھا سب مٹ جائے
~~~~~

من رے ہری چرنن کی شرن — من رے چھوڑ دے چنتا کرن

من رے ہری چرنن کی شرن

من تیرو کام تو نام جپن ہے — ہری کا کام ہے کرپا کرن

من رے ہری چرنن کی شرن

دھر تو دھیان ہری چرنن کا — ہری تیرو دھیان تو آپ ہی دھرن

من رے ہری چرنن کی شرن

بھگوان اب دُکھ سہا نہ جائے

انگ انگ میں درد بھرا ہے — رُواں رُواں دُکھ میں رو تلے ہے

تن میں جان نہیں ہے باقی — دُکھ سہنے کی نہیں ہے شکتی

میرے تن کی پیڑ مٹا دو — یا سہنے کی شکتی بڑھا دو

ایسے تو اب رہا نہ جائے — ہر دن کا دُکھ سہا نہ جائے

لے لو کمل چرن میں اپنے

جن میں بس کر سب دُکھ جائے

من نے تم سے کیا کچھ چاہا — لیکن میں نے کچھ نہیں مانگا

مانگی تو بس بھگتی مانگی — اور لوہ ترتا دل کی مانگی +

پیار کمل چرنوں کا مانگا — سکھ میں نے نہیں مانگا تن کا

اب مجبور ہوا ہوں پیارے — ٹوٹ چکے ہیں سارے سہارے

+ اور صفا مانگی بس دل کی

لے لو کمل چرن میں اپنے
چرن میں بس کر سب دکھ جائے

تیری لیلا میں نہیں جانوں | کچھ پہ بھر تو اتنا کہہ دوں
دنیا میں رکھنا ہے مجھکو | تو رہنے کی شکتی بھی دو
ٹوٹے ٹوٹے ساز پہ میرے | اب نہ بجاؤ دکھ کے نغمے
کرونا ساگر ہے سکھ داتی | دیا کر جواب مجھ پر اپنی

لے لو کمل چرن میں اپنے
رہوں جہاں میں سکھ میں بس کے

پربھو اب تو درس دکھا دو

دل کی دھڑکن رکتی ہے | خون خشک ہوا جاتا ہے
اور ٹوٹ رہی ہیں ہڈیاں | دم چھوٹ رہا ہے میرا

پربھو اب تو درس دکھاؤ

درشن کی پیاسی انکھیاں | بند ہو کر کھل نہ سکیں گی
ترے کمل چرن ابیناشی | آنسو ان سے دھو نہ سکیں گی

پربھو اب تو درس دکھا دو

جو ہونٹ ہیں پیار کے بھوکے | ہوتے جاتے ہیں ٹھنڈے
ترے کمل چرن ابیناشی | پھر کیسے چوم سکیں گے

پربھو اب تو درس دکھا دو

"کرشن کنہیا"

(از "سرودِ الٰہی" - ارشادات بھگوان شری ستیہ سائیں بابا)

پریم کی مورت کرشن کنہیا　　گردھر ناگر بنسی بجیا
پریم کی مورت کرشن کنہیا

کرشن کی جانب کھنچتا جائے　　اپنے آپ ہی من ہر جن کا
اسی لگاوٹ، اسی لگن کا　　اسی کشش کا نام ہے کرشنا
پریم کی مورت کرشن کنہیا

کرشن سے پریت لگائی جس نے　　وہ سنسار کے کھیل کو سمجھا
جگ کی ہر صورت ہر شے میں　　اس نے گردھر ہی کو دیکھا
پریم کی مورت کرشن کنہیا

پیار سبھی سے کرنا سیکھا　　سب کے دکھ سکھ کو اپنایا
سب کی سچے دل سے سیوا　　کرشن کنہیا کی ہے پوجا
پریم کی مورت کرشن کنہیا

کرشن نام "کرشی" سے نکلا　　من کی کھیتی کرشن کی پوجا
کرپائے شاداب جو من کو　　وہ ہے کرشن پجاری سچا
پریم کی مورت کرشن کنہیا

من کی کھیتی میں مشکل ہے　　برہما نند کی فصل اُگانا
گھاس پھونس کو حرص و ہوس کی　　پہلے تو ہے دور ہٹانا
پھر شردھا کے جل سے اس کو　　بار بار ہے نرم بنانا

بونا ہے تب بیج پریم کا
اور خطروں سے اُسے بچانا

وہم کے ہر جھوٹے پنچھی کو
جیسے ممکن ہوتا ہے اڑانا

یاس نراس کے تو کبھی سے بھی
پودے کو دن رات بچانا

نرمل گنگا جل نینوں کا
اس پہ ہوتا ہے برسانا

سینچنا پڑتا ہے بھگتی سے
تب سے ہوتا ہے گھر مانا

تب جا کر ملنے پاتا ہے
پریم کے پھولوں کا مسکانا

پھل ان پھولوں کا جن سیوا
جس سے کرشن کو ہے اپنانا

پرمانند کا کرشن کو پا کر
ملتا ہے انمول خزانہ

پریم کی صورت کرشن کنہیا
گردھر ناگر بنسی بجیا

شری رامکرشن اور بھگوان شری ستیا سائیں بابا

یہ روپ کبھی تیرا ہے وہ روپ کبھی تیرا ہے
واحد ہے تو ہی اِس میں اُس میں بھی تو تنہا ہے

اس روپ میں تو بیٹھا کر اُس روپ میں تو سیوک
وہ روپ دعا کا ہے یہ روپ عطا کا ہے

بھگتی کے بہانے ہے اُس روپ میں تو آنسو
اِس روپ میں لب پہ تیرے آنند کا جلوہ ہے

وہ روپ بکھرتا کا یہ رنج کا پیکر ہے
صورت وہ رضا کی ہے جلوہ یہ خدا کا ہے

اس روپ میں شکتی کا تو آپ ہی مظہر ہے
اُس روپ میں "کالی" کے ہاتھوں میں یہ جایا ہے

تو کیا ہے؟ یہ تو جانے تجھ ہی کو پتہ تیرا
وہ روپ بھی پردا ہے یہ روپ بھی پردا ہے

میں دیکھتا ہوں لیکن اس روپ میں اُسی ہی بھی
تو پریم کا سرچشمہ "کرونا"[۱] کی تو گنگا ہے

اس روپ پہ میں واری اُس روپ پہ میں قرباں
دونوں کا پجاری ہوں یہ بھی تری لیلا ہے

مانگے مری جاں اس کو اُس کو ہر ادا مانگے
اب تو ہی اسے سمجھا مشکل یہ معمّہ ہے

کیوں میری نگاہوں سے ڈھلتا ہے نہاں تیری
میں ایک ہوں اور تو دو یہ طرفہ تماشا ہے

ہمارے سوامی[۲]

ہمارے سوامی ہمارے آگے کھڑے ہیں اور مسکرا رہے ہیں
وہ اپنی من موہنی نظر سے ہر اک کو اپنا بنا رہے ہیں
وہ ستیہ سائیں وہ دھرم رکھشک وہ شانتی اور پریم مورت
وہ سامنے ہیں ہم اُن کے قدموں میں اپنی آنکھیں بچھا رہے ہیں
بھجن سے اُن کے خوشی کی لہریں دلوں میں ہم سب کے اٹھ رہی ہیں
وہ سن رہے ہیں خوشی خوشی ہم خوشی خوشی گیت گا رہے ہیں
ہیں بھاگ جاگے ہمارے ہم نے ہیں آج سوامی کے پائے درشن
سدا رہیں گے وہ دل میں اپنے جو اب نظر میں سما رہے ہیں

صہ۱ کرپا - رحمت
صہ۲ بھگوان شری ستیہ سائیں بابا

مناظرِ راہ

غرض نشاط و الم سے فقط تماشہ ہے
کہ یہ مناظرِ راہ اور میں ہوں راہ گزری
(اصغر گونڈوی)

پیش لفظ

میرے ایک دوست نے اپنے یہاں سوامی ستیہ وویک ناتھ کو دیا گیان دینے کے
لئے مدعو کیا۔ باتوں باتوں میں سوامی جی نے کہا کہ وہ کبھی کبھی اپنے خیالات و احساسات
کو اردو شعر میں بیان کرتے ہیں'۔ بعد ازاں میرے دوست نے سوامی جی کی کتاب "وادیٔ
عشق" مجھے عنایت کی اور کہا کہ چونکہ سوامی جی کا مقصد روحانی مطالب کی ترسیل
ہے اس لئے ممکن ہے کہ اُن کے کلام میں زبان اور عروض کی خامیاں موجود ہوں
پھر کہا کہ اگر ہو سکے تو ان خامیوں کی نشاندہی کر دوں۔ تصحیح کا یہ عمل ترمیم و اضافہ
کی شکل اختیار کر گیا جہاں تصحیح کی گنجائش نہیں پائی وہاں میں نے اُن کے خیال کو
نئے قالب میں ڈھال دیا اس کے علاوہ بہت سی غزلیں اور نظمیں بطور ردِ عمل
وجود میں آگئیں "صدائے بازگشت" کے اس حصّے میں پہلے یہ غزلیں اور نظمیں جمع
کی ہیں اور اس کے بعد وہ اشعار ہیں جو سوامی جی کے خیالات کے حامل ہیں اور آخر
میں کچھ وہ منتخب اشعار ہیں جن میں کم و بیش تصحیح کی گئی ہے سوامی جی کے شعر یا
مصرعے کو واوین میں لکھا گیا ہے۔

الٰہی صورتِ جاناں کا نقشِ روشن و رنگیں
مرے قلب و جگر پر ثبت کرا ایسے کہ میں خود بھی
اُسی میں بس کے سرتاپا اُسی کا ہو کے رہ جاؤں
اُسی میں جذب ہو جائے مری صورت مری ہستی

عشق عبادت مری، عشق قبولِ دعا — عشق کی معراج ہی مدعا ہے زیست کا
خوش نصیب ہے جسے عشق کی دولت ملی — رحمتِ یزداں ہے عشق، عشق فطرت کی عطا
عشق بنائے نشاط، عشق بقائے حیات — عشق نہ ہو تو زندگی اک خلائے بد خلا
خود سپردگی ہے عشق، عشق فنائے خودی — انتہائے عشق ہے اک دلِ بے مدعا
بے نیازِ آرزو، بے نیازِ التجا — ہر دعا جس دل کی ہو موجۂ جوشِ رضا
سادہ و بے ساختہ پُر خلوص و با وفا — مخزنِ نورِ یقیں مصدرِ صدق و صفا
غرقِ کیفِ بے خودی، سوزِ غم سے آشنا — ہمدمِ ذاتِ خدا، خادمِ خلقِ خدا

تنہا نہیں ہوں راہِ محبت پہ گام زن — ہمراہ ہر قدم ہے تری یادِ معتبر
تیرے خیالِ پاک سے رہتا ہوں ہم کلام — روشن ترے تصورِ رنگیں سے ہے نظر
ڈُنڈی کا تجھ سے ہوتا ہے احساس گر مجھے — تیرے کرم کی یاد دلاتے ہیں اشکِ تر
سائے ہجومِ جہاں کے جو اُٹھتے ہیں راہ میں — انوارِ نام سے ترے ہٹتے ہیں سر بسر
سُنتا ہوں راہِ عشق کی منزل ہے وہ مقام — تیری جہاں رہے گی نہ اپنی کوئی خبر (ق)
منزل کو ہوگا آپ ہی اپنا پتہ مجھے — اتنا پتہ ہے سر ہے مرا تیرے پاؤں پہ

جو ساکھشات مرے سامنے نہیں آتا — تو مورتی میں چھپے مسکرا رہے ہو کیوں
ابھی جو قدموں میں اپنے مجھے نہیں لیتا — تو بار بار مجھے پھر بُلا رہے ہو کیوں
مجھے بھٹکنا ہے تاریک راستوں میں اگر — تو اپنے پیار کی شاہراہ دکھا رہے ہو کیوں
ابھی جو سُننے کی بخشی نہیں ہے تاب مجھے — تو یہ خموش سی بنسی بجا رہے ہو کیوں

ابھی جو رہنا ہے سنسار ہی کا ہو کر کے
تو آئے دن مجھے اپنا بنا رہے ہو کیوں

جو مجھ کو رہنا ہے آنکھوں سے اور دل سے دور
تو پھر بتاؤ تصور میں آ رہے ہو کیوں

جو لب پہ لیلا میں شامل ابھی نہیں کرنا
تو پاس سامنے میرے دکھا رہے ہو کیوں

اگر یہ سچ ہے کہ میرے نہیں ہو سکے ہو ابھی
تو مسکرا کے ادا سے ستا رہے ہو کیوں

جو درد و غم کو مرے کر لیا نہیں اپنا
تو آ کے آنکھوں میں آنسو بہا رہے ہو کیوں

ابھی مجھے نہیں کرنا جو مست کیفِ فنا
تو گھونٹ گھونٹ نظر سے پلا رہے ہو کیوں

جو جان و دل کو مرے میرے پاس رہنا ہے
تو پھر نظر سے نظر تم ملا رہے ہو کیوں

جو آنیوالے کسی دن کو حشر ہوگا بپا
تو روز اک نیا طوفاں اٹھا رہے ہو کیوں

تڑپ رہا ہوں میں ملہار کے لئے اور تم
نہ جانے اپنا یہ ٹیک ہی گا رہے ہو کیوں

عشق اصلِ زندگی
عشق لطفِ ایزدی

عشق شانِ سروری
عشق آنِ بندگی

مظہرِ حسن و جمال
عشق کیفِ سرمدی

پردۂ سازِ حیات
حسن کی ہے سادگی (ق)

سوزِ نغماتِ حیات
شعلگی ہے عشق کی

حسن کا شوقِ نمو
عشق کی خود آگہی

حسن صہبائے نشاط
عشق موجِ بیخودی

عکسِ نورِ کبریا
حسن کی جلوہ گری (ق)

ذاتِ باری کی رضا
عشق کی دیدہ وری

سرِ افسونِ بقا
حسن کی لب بستگی

مظہرِ [illegible]
عشق کی [illegible]

"مہاتما گاندھی"

یہ کس کا ذکرِ خیر آیا ہے ہمدم اپنی محفل میں
عقیدت سے جھکے ہیں سر۔ بھر آئے دل محبت سے

مجسم تھیں صفاتِ پاکِ یزداں اس کے قالب میں
عدو سے بھی سدا وہ پیش آتا تھا محبت سے

نہ تھا اس کی نظر میں غیر کوئی سب ہی اپنے تھے
وہ لیتا تھا خراجِ دوستی۔ بغض و عداوت سے

وطن اور قوم کی خدمت کو اُس کی زندگی تھی وقف
سوا اس کے نہ تھی کوئی غرض اُس کو سیاست سے

یہی خدمت وطن اور قوم کی اس کی عبادت تھی
ثواب ہوتا تھا حاصل اس کو جیلوں کی زیارت سے

طریقِ راست ہر مذہب تھا۔ نگہِ پاک میں اس کی
رحیم و رام ہر دو نام جپتا تھا عقیدت سے

پرایا درد اپنانا۔ علاجِ رنج و غم کرنا
سمجھتا تھا وہ بہتر ضبط و طاعت سے ریاضت سے

تنِ خاکی میں اس کے روحِ اعظم کی وہ قوت تھی
کہ ٹکر اس نے لی انگلش کی عالمگیر طاقت سے

اہنسا کا پیمبر تھا وہ - اس نے سارے عالم کو
سکھایا جیتے ہیں کیسے دشمن کو محبت سے
مسیحا تھا وہ اپنے وقت کا - اس نے بھی اپنی جاں
مسیحا کی طرح دی بخش کر قاتل کو رحمت سے

بشر وہ قعرِ گناہ ہی میں گرتا جاتا ہے
کبھی جو سنتا نہیں ہے ضمیر کی آواز
شرابِ نابِ محبت اُسی کو ملتی ہے
جو جامِ نفس سے رکھتا ہے اپنے آپکو باز
جو انکسار سے کرتا ہے زندگی اپنی
خدا اُسی کو تو کرتا ہے جگ میں سرافراز
مٹا دیئے ہیں محبت میں ہم نے رسم و رواج
نماز روزہ ہے یہ واعظ کو ہے مگر صد ناز
جمالِ یار کی اک اک ادا پہ نازِ عشق
ہزار بار ہے قرباں یہی ہے شانِ نیاز
جیسے پلائی ہو ساقی نے اپنے ہاتھوں سے
وہ رند پینے سے کس طرح رہ سکے گا باز
ہو خود سپردگیٔ عشق تپاں ہی اگر پیدا
تو پائے عرش کو چھوتا ہے جا کے عشقِ مجاز
جہاں سے بجلیاں گرتی ہیں آشیاں پہ مرے
اُسی فضا میں اُڑا کرتی ہے مری پرواز

"میں کروں گا نہ کبھی تشنہ لبی کا شکوہ
آج جی بھر کے پلا دے مجھے میرے ساقی"
نہ کبھی دیکھیں نہ گر اہلِ جہاں میری طرف
آنکھ سے آنکھ ذرا اُٹھ تو ملا دے ساقی
بے نیازی مجھے وہ بخشی محبت نے تری
کچھ نہیں چاہیئے تجھ بن مجھے میرے ساقی
مجھ پہ ہوتا ہے ہمیشہ جو ترا لطف و کرم
شکر کرنا ہے مجھے اس کا تو سکھا دے ساقی
پاکیٔ فکر و نظر دردِ دل و سوزِ جگر
بخش کر مجھ کو مجھے اپنا بنا لے ساقی

وہ نظر برقِ فنا ہے جو مٹا نا کو میری
خواہشوں نے مجھے دنیا کی رُلایا ہے بہت
کہ مری آنکھ سے بہہ سیں تو خوشی کے آنسو
ہو جز ان قدموں میں تیرے ہے نشاطِ ہستی

اک تجلی مجھے اب اس کی دکھا دے ساقی
آرزو اپنی وہ اب دل میں جگا دے ساقی (ق)
جب ترا پیار ہرے زخم کو صدا دے ساقی
اپنے قدموں میں مجھے پیار سے جا دے ساقی

آنکھیں جب برساتی تھیں جل۔ دل کی آگ بجھانے کو
اپنی انا کا اندھا پردا پڑا تھا جب تک آنکھوں پہ
عشق کے دعووں کی کرنا تھی۔ جانچ اُسنے کی ہر سو
جس کو زمانہ بدل بدل کر عنواں کہتا آیا ہے
تیری ادائے حسن تھی یہ بھی۔ چھپ کے رہا تو آنکھوں سے
آدھی رات کے سناٹے میں بیخود ہو کر چھیڑا تھا
عشق ترا لے آیا مجھ کو تیرے حسن کی دنیا میں
فیض سے مرشد ہی کے برکت پیار کی تیرے ملتی ہے

میرے جیون کا وہ عرصہ سندر اور سہانا تھا
مجھ سے جدا تھا عالم اور میں عالم سے بیگانہ تھا
شمع جلا دی حسن کی اپنے جہاں جہاں پروانہ تھا
اپنی محبت کا ہی واحد وہ رنگیں افسانہ تھا
دعوت تھی یہ دل والوں کو اپنا جنہیں بنانا تھا
دل نے ترانہ پیار کا تیرے صورت سے جو بیگانہ تھا
ورنہ یوں تو عرش پہ بھی میں تیرا ہی دیوانہ تھا
جو کبھی آیا تجھ تک اُس نے مرشد کو پہچانا تھا

دنیا میں یوں تو خوشیاں بہت ہیں۔ مگر سرور
جو ہر قدم ہے اہلِ نظر اہلِ دل کے ساتھ
وحدت چھپی ہے کثرتِ جلوہ میں اس طرح
پیدا ہیں اپنی چشمِ تماشہ میں ہفت رنگ
نورِ احد ہے ذات میں سالک کی ضو فگن

ملتا ہے اس کو دل میں ہے جس کے ترا ظہور
اہلِ خرد سے رہتا ہے لیکن تو دور دور
اک اک کرن میں جیسے ہے خورشید ہی کا نور
قوسِ قزح میں ورنہ تو ہے ایک موجِ نور
اب شمعِ نورِ حق ہے یہی برقِ کوہِ طور

مرشد کی چشم پاک ہے پُر حُسنِ ذات سے
ہر شے میں دیکھتی ہے خدا ہی کا وہ ظہور دق

ممکن نہیں کہ ٹھہر سکے اس کے سامنے
تاریکی گناہ و غلط کاری و قصور

قدموں میں اپنے اس نے مجھے آج دی جگہ
آنکھوں کو نور بخشا ہے۔ دل کو مرے سرور

ساقی ہوئے ہوا و جوان شوق سے ہرا
میں کیوں نہ بار بار کہوں "ہاں مجھے پلا"

چہرہ ہو کر خمارِ حسن کا اُتر جائے وہ شراب
پینے سے میں رہا اُسے تو سامنے نہ لا

کیفِ فنا ہو جس میں مجھے چاہیے وہ مے
کیفِ فنا وہ جس میں چھپی ہے مری بقا

تو میکشوں کو حال پر اُن کے ہی چھوڑ دے
واعظ ہو زہد و تقویٰ مبارک تجھے ترا

بے باک ہم تو ہو گئے ساقی کے فیض سے
دوزخ کا خوف دل میں ہمارے نہیں رہا

پیتے ہیں اور کہتے ہیں ہیں تشنہ لب ابھی
قائم ہے ہم سے پینے پلانے کا سلسلہ

تلاشِ جلوۂ جاناں میں نکلا تھا ازل سے میں
قیامت ہے ابھی تک ہے لگی سلائی ہی آنکھوں میں

شعاعیں روئے تاباں کی پریشاں ہیں ہر عالم میں
بھٹکتا پھر رہا ہوں میں مگر تاریک راہوں میں

کشادہ و منور شاہراہیں اُن کو مبارک ہوں
جو دیدہ ور ہراں ہیں اُن پہ روشن آسمانوں میں

مجھے بھی منزلِ مقصود پہ ہوگی آخر تئیں حاصل
لیے ہوں شعلِ اُمید و ایماں اپنے ہاتھوں میں

غلامی ہی میں میری ہوگی شانِ سروری پیدا
سمجھ مجھ کو سمجھیں گے جب وہ خاص اپنے ہی غلاموں میں

کرم اُن کا سدا مجھ پہ رہا ہے ہر جنم ہر دم
بالآخر وہ ہی دیں گے جا مجھے وہ اپنے قدموں میں

"جو تیرے حسن میں کیف و سرود و مستی ہے
شرابِ ناب بھی اس کے لیے ترستی ہے

جو سر ہوا ترے قدموں میں خم، بلند ہوا
ترے ہی قدموں سے پیدا عروجِ ہستی ہے

نمونہ کے پردے میں صورت تری نہاں ہے مگر
دلِ بشر میں تجلی تری برستی ہے

لباسِ مرشدِ کامل میں ذاتِ پاک خدا
بشر کو اپنا بنانے کو خود نما ترقی ہے

خوابِ حسین حیات کا، امن و سکوں کا خواب
میرے لیے جہان میں بس خواب ہی رہا

تیرے کرم سے اتنا تو لیکن لیا سمجھ
یہ خواب ہے اک عکسِ حقیقت کے حسن کا

بے تابیاں وہی ہیں دلِ بے قرار کی
بے تابیوں کا دل کی مگر رُخ بدل گیا

تجھ سے نہ شکوہ ہے نہ شکایت کوئی مجھے
اپنے نصیب میں ابھی تیرا ملن نہ تھا

تیری وفائیں مجھ کو بلاتی رہیں مدام
میرا ہی عشق خام تھا تجھ تک نہ آ سکا

جلوے ترے جمال کے رخشاں تھے ہر طرف
میں ہی نہ تابِ شعلۂ عریاں کی لا سکا

سمجھا نشاط جو میں تجھے سمجھا ستم شعار
تیری ادائے ناز ہے سرچشمۂ عطا

تھا شارحِ ترنمِ زیست کی خندۂ گلِ نشاط
کانٹوں کے ڈر سے ہاتھ نہ آگے مرا بڑھا

تلقینِ نوش کرتی رہی تیری چشمِ مست
پیاسا ترے حضور میں ہی فقط دیکھتا رہا

I

بہت بھٹکتا رہا ہوں تلاش میں تیری
اب اور مجھ میں نہیں تابِ جستجو باقی

بہت جلا ہوں غمِ فرقت کے شعلہ زاروں میں
اب اور دل میں نہیں سوزِ آرزو باقی

وہ خستگی ہے کہ ڈرتا ہوں ساتھ چھوڑ نہ دے
جو میرے دل ابھی ہے شعورِ تو باقی (تھا)

شعورِ ذات عبارت ہے زندگی جس سے
ہے جس سے گلشنِ ہستی میں رنگ و بو باقی

یہ حسنِ فطرت، دلِ نور، دل و سرورِ جاں
جو محو ہو تو رہے گی نہ آبرو باقی

اس حال میں مرے اب خود ہی تو کرم فرما
تو چل کے آپ ہی اب پاس مجھ غریب کے آ
فقط بھروسے کا میرے ہی تو نہیں ہے سوال
ترے سہارے کا نیتی ہے امتحاں دُنیا
زمانہ چلا ہے تجھے لاکھ بار سمجھانے
کروں نہ تجھ سے محبت۔ یہ ہو نہیں سکتا
قبول پیار مرا کر دے اپنا پیار مجھے
تجھے میں واسطہ دیتا ہوں تیری رحمت کا

جنم جنم سے میں بھٹکا ہوں جستجو میں تری
تلاش ہو گی تجھے کبھی مری محبت کی
میں تیری دُنیا سے کرتا ہوں پیار تیرے لئے
ترے ہی حُسن کی ہر سو جھلک ہے ہلکی سی
یہ پیار دردِ اخوت جگر میں بنتا ہے
رگوں میں دوڑتا ہے بن کے موجِ ہمدردی
جہاں میں ہو کے جہاں ہی کا میں نہیں ہوتا
لگی ہے دل میں مرے رات دن لگن تیری
مرا شعور تو تجھ سے ہوا ہے وابستہ
زمانہ مجھ کو سمجھتا ہے عقل سے عاری
بس اب تو تُو مجھے اپنا ہی لے مرے معبود
میں اب تو تیری رفاقت کی چاہتا ہوں خوشی

مٹے ہم محبت میں لیکن ہمیں
نہ سمجھے نہ سمجھیں گے اہلِ جہاں
دیا جس نے تن من محبت میں ہار
اُسے لوگ کہتے ہیں مجنوں یہاں
اُڑاتے ہیں اُس کی ہنسی مرد و زن
اُٹھاتے ہیں اُس پر سبھی اُنگلیاں
محبت کو جانے گا کیا بوالہوس
کہاں شعلۂ تن کہاں برقِ جاں
محبت ہے وہ نعمتِ ایزدی
ہوئے جس سے تحریر ہم کر بیاں
ملی عشرتِ جاوید بہم اُسے
کیا جس نے سب ترکِ عیشِ جہاں
نشاں تک دیا جس نے اپنا مٹا
اُسے مل گیا جلوۂ بے نشاں

محبت کو پاتے ہیں قلب و نظر — محبت ہے حسنِ نظر کیفِ جاں
محبت میں کیا عقل و دانش کا کام — محبت میں کیا فکرِ سود و زیاں
کہاں تک کہوں میں محبت ہے کیا — محبت تو ہے ماورائے بیاں
جو بارِ امانت ہے دل کے لئے — کہاں تاب لائے گی اس کی زباں
وہ قیدِ سخن میں کہاں آئے گی — سموئے ہیں جس میں مکان و زماں

محبت ہے حسنِ نظر کیفِ جاں

ہر ایک شے میں دو عالم کی ہو کے جلوہ فگن — تو میری چشمِ تماشہ سے ہو گیا تھا نہاں
ازل سے کرتا چلا آ رہا ہوں تیری تلاش — وہاں ملا نہ مجھے تو۔ نہ تجھ کو پایا یہاں
یہ رازِ ظاہر و باطن یہ ہر غیب دیکھو — بفیضِ چشمِ بصیرت ہوا ہے مجھ پہ عیاں
میں دیکھتا ہوں کہ ہر شے میں آشکار ہے تو — اگر کہیں ہے نہاں تو، تو میرے دل میں نہاں

(i)

نین نیند سے بوجھل — ہو رہے ہیں سندھیا کے
یاد پی کی پلکوں میں — لے رہی ہے انگڑائی

(ii)

بے خودی میں ڈوبا ہے — نیم شب کا سناٹا
گا رہی ہے خاموشی — مدھر ملن کا نغمہ

(iii)

اوس میں نہا کر کے — آ رہی ہے ٹھنڈی ہوا
پیار کی خوشی سرمست — جھولے لینے میں خوابیدہ ہے

شفق کے پردۂ رنگیں میں چھپ گیا سورج
اُتر رہے ہیں پرندے سب آشیانوں میں
گھروں کو لوٹ رہے ہیں مویشیوں کے گلّے

سکوتِ شام کی امواج پر سکوں ہیں رواں
افق پہ کھول رہی ہے عروسِ شب گیسو
ہوئی ہے شاخِ شجر پر غنودگی طاری
کبھی ہواؤں میں دریا کے آتی جاتی ہے
کھڑے کھڑے ہی پہاڑوں کو آ رہی ہے نیند

ندی کنارے تصور میں تیرے ڈوبا ہوا
اکیلا بیٹھا ہوں اب سما کشتا آ بھی جا

اشکِ غم شب کی آنکھوں سے جاری ہوئے
ہجر میں اس کی کٹتی ہے روتے ہوئے
عمر بھر کیا یہ رونق رہے گی یونہی

پیار کا نور روشن ہے جس سے جہاں
غم کے سارے بجھانے ہی ہوں گے دیئے

"آسماں پہ ستارے چمکنے لگے"
اس کا پریتم نہ جانے اُسے کب ملے
کیا طلوع ہوگا اس کا نہ سورج کبھی
اشکِ غم میں چمک تو ہے۔ لیکن کہاں
شب کی دلہن کو پریتم ملن کے لیے

اُس کے اپنے ہی دامن سے نورِ خودی
بن کے اُٹھے گا پھر آفتابِ حیات

موت کی راہ پہ بڑھتی چلی جاتی ہے حیات — دور منزل ہے، بہت دور ہے منزل اس کی
خوابِ غفلت بھی مگر بند ہیں آنکھیں بھی — کوئی احساس ہی ضعف ہے نہ شعورِ منزل
خواب میں خواب کی رنگینی و دل آویزی — بے خبر آنکھ جو بس اپنی یہی ہے ہستی

"پریم کو سمجھیں پریم دیوانے
پریم کو یہ دُنیا کیا جانے"

سُندر مندر دل پریمی کا — جس میں اس کا پیتم پیارا
ہر دم رہتا ہے مسکاتا — پریمی ہی اُس کو پہچانے

پریم کو سمجھیں پریم دیوانے
پریم کو یہ دُنیا کیا جانے

پریمی کے دل کی وسعت میں — دُنیا حسد کی موجیں اُٹھیں
من کے ساحل سے ٹکرائیں — بنیں حرم۔ گرجے۔ بتخانے

پریم کو سمجھیں پریم دیوانے
پریم کو یہ دُنیا کیا جانے

سچّا پریم اُگھٹا جس دل میں — پیتم آن بسا جس دل میں
رہے وہی تنہا جس دل میں — پریم کا راز وہی دل جانے

پریم کو سمجھیں پریم دیوانے
پریم کو یہ دُنیا کیا جانے

پوجا پاٹھ۔ ورد و ریاضت — یا رسم و آدابِ عبادت

تسلیم و تعظیم و طاعت ان سب سے گزرے مستانے

پریم کو سمجھیں پریم دیوانے

پریم کو یہ دُنیا کیا جانے

شیدائی وہ ایک حسیں کے دیوانے وہ مہر جبیں کے

آئینے وہ عرشِ بریں کے شمعِ ازل کے وہ پروانے

پریم کو سمجھیں پریم دیوانے

پریم کو یہ دُنیا کیا جانے

کھیل پریم کا ہے یہ دُنیا پریم کی ہے یہ ساری لیلا

پر کچھ پریم کو جیون پایا آیا ہے تو پریم کو پانے

پریم کو سمجھیں پریم دیوانے

پریم کو یہ دُنیا کیا جانے

I

میں تھک گیا ہوں بہت ۔ جی تو چاہتا ہے یہی کہ بیٹھ جاؤں لبِ راہ اور ستا لوں

گھنے درختوں کے سائے بھی ہیں ہوا بھی ہے مسافر اور بھی آرام کر رہے ہیں یہاں

نشاں نظر نہیں آتا کہیں بھی منزل کا نہ ابتدائے سفر کی کوئی خبر ہے مجھے

نہ جانے کتنے جنم چلتے چلتے بیت گئے نہ جانے کتنی مسافت کا طول باقی ہے

سُنائی دور سے دیتی ہے لیک بانگِ درا مرے ہی دل کی ہے یہ گونجتی ہوئی آواز

میں تھک گیا ہوں پہ آرام کر نہیں سکتا مجھے نہیں ہے اجازت ذرا بھی رُکنے کی

کہ کب سے ہے مری منزل کو انتظار مرا

II

سکون کی ایک ہی صورت ہے اب کہ خود منزل
مجھے یقین ہے ازل سے تلاش میں جس کی
نہیں ہے خواب کوئی آرزوئے وصل مری
ہے راہ دراز سفر ہیچ ہے تو کا ہے تو طویل [1]
جو تیری رحمت و برکت کسی پہ ہو جائے
رہِ سفر ہی میں رکنا نہیں مجھے منظور

ذرا رہِ لطف مرے پاس چل کے آ جائے
چلا تھا - آخر میں اس کو پلک کے چھوڑوں گا
نہیں سراب تمنائے خام آس تری
مگر یہ فاصلۂ درمیاں نہیں رہتا
میں تھک گیا ہوں بہت تھک گیا ہوں پھر بھی کہیں

"مرشدِ کامل بذاتِ خود خدا کی ذات ہے"

اپنے بندوں تک آئے آپ خدا
ذاتِ باری کا جسم ہے عالم
ہے اسی کے وجود سے ہستی
جیسے سورج ہو آنکھ سے اوجھل (ق)
ویسے اس بن وسیع تاریکی
دور ہوتی ہے تیرگی شب کی
سائے مٹتے ہیں سب جہالت کے (ق)
پیرِ کامل کے مہرِ رخشاں کی

کیوں نہ کُل خود ہو اپنے جزو کے ساتھ
جانِ عالم ہے اس کی واحد ذات
زندہ ہے اس کے دم سے کائنات
تو اُتر آئے ہے اندھیری رات
بن کے رہ جائے ہے ہماری حیات
ہوتی ہے نورِ خود کی جب برسات
ہوتی ہے جب تجلّیٔ برکات
نورِ وحدت میں ڈوبتی ہے حیات

---

[1] یہ خیال محمود سعیدی کی نظم "اکائی" سے اکائی کا مظہر سے حاصل کیا ہے۔

ذاتِ یزداں ہے ذاتِ مرشدِ پاک
حکمِ مرشد کا پاس۔ راہِ نجات

نہ جاؤ کہنے کی باتوں پہ مُدعا سمجھو
جفا۔ وفائے جہاں ہے۔ اسے جفا سمجھو

نہ بھولو ظاہری صورت پہ۔ ماجرا سمجھو
وفا۔ جفائے بُتاں ہے اسے وفا سمجھو

ہے بے رُخی بھی محبت کا ایک رنگِ حسیں
نہیں یہ جور۔ اسے لطف کی ادا سمجھو

ہے دردِ ہجر تو یہ نشاطِ کیفِ وصال
غمِ فراق کو محبوب کی عطا سمجھو

ہے غرورِ شیر دلی عشق کی۔ یہی اسلام
مزاجِ یار کے ہر رنگ کو وفا سمجھو

شعورِ عقل کسی بات کو غلط کہیں کہیں
نہ ٹالو یار کی ہر بات کو بجا سمجھو

اگر سمجھنا ہے رنگیلے رنگ دل کا مزاج
تو پہلے اپنی حقیقت کو تم ذرا سمجھو

جمالِ دہر کی گر دیکھنا ہے رخشانی
تو پہلے مہرِ خودی کی ضیائے "لا" سمجھو

گزر کے اپنے سے دیکھو کہ اصل میں کیا ہے
کمالِ حسن خودی کی بھی انتہا سمجھو

رضا خدا کی ہے شامل رضائے مرشد میں
خُدا کو پانا ہے گر تو اُسے خُدا سمجھو

چھُپانے کی نہیں یہ شے، چھُپاؤں پیار کیوں اپنا
میں اُس کا ہوں مجھے اس سے عقیدت ہے محبت ہے
صفا و صدقِ دل میں اس کے قدموں میں بچھاتا ہوں
اُسے گر ہے تو بس صدق و صفائے دل سے رغبت ہے
جسے جور و جفا کہتے ہیں، ہے لطف و کرم اس کا
نظر آتی ہے جو ہم کو جفا وہ عین رحمت ہے

محبت کو مری وہ آزمائے کیوں، وہ واقف ہے
کہ مجھ میں آزمائش کی نہ طاقت ہے نہ ہمت ہے

کیا ہے شعلۂ شمعِ بقا کو تیز تر اس نے
فنا ہونا محبت میں ہی پروانے کی فطرت ہے

زمیں کے تپتے سینے کو ہے برکھا جیسے ساون کی
دلِ سوزاں کو ویسے بارشِ لطف و عنایت ہے

مجسم ہو کے آتا ہے خدا مرشد کے قالب میں
خدا کی رحمت و برکت ہی مرشد کی سعادت ہے

مرے تصور میں میرے دل میں تجھے جو بسنا نہیں گوارا
تو اپنی تصویر بھی چھپا لے نہ سامنے آ مرے خدارا

بھلا ہو دیوانگی کا میری۔ میں گزرا آدابِ زندگی سے
کہ میں نے بازار و دشت ہر جا تجھے ترے نام سے پکارا

جہاں کی نظروں سے چھپ کے میں نے نظارہ تیرا کیا ہے اکثر
مجھے یہ منظور ہے کہ دنیا میں پردہ قائم رہے ہمارا

ہزار باتیں ادھر اُدھر کی بنا کے من میرا چاہے بھٹکے
مگر میں اتنا سمجھ گیا ہوں کہ ہے تجھے بس ترا سہارا

کبھی کبھی میں یہ سوچتا ہوں کہ کیا فقط دیکھنے کی خاطر
اس اہتمام سے حُسنِ عالم کو تو نے ہے غیب سے اُبھارا

مہک فضاؤں کو دی، سجایا، روشِ روشِ گلستانِ ہستی
اک ایک شاخ و شجر کے پھولوں کو غازۂ رنگ سے سنوارا
اگر ہے کیف و سرورِ جلوہ ہی مقصد و مدعا نمو کا
تو پتے پتے کے نرم دل میں خزاں کا کیوں خوف تو نے ڈارا[1]

آرزو جنت کی باقی ہے نہ مُکتی کی کوئی
پا کے قدموں کو ترے دل ہو گیا بے مدعا
نام سے تیرے ہوئے ہیں جگ کے سب دُکھ درد دُور
تیرا غم ہر درد کی ہر دُکھ کی ہے خود ہی دوا
"کوئی کیا جانے کہ دل پر کیا گزرتی ہے مرے"
منعکس ہوتا ہے اس شیشے میں جب جلوہ ترا
عقل اندھی ہے اُسے ملتی ہے تب روشن نظر
دل سے جب اُٹھتی ہے خنداں عشقِ صادق کی ضیا
"سو رہا تھا عشق میرا روح کی آغوش میں"
"چشمِ باطن جب کھلی بیدار وہ بھی ہو گیا"
"عشق جب میرے دلِ پُر درد میں پیدا ہوا"
"کھل گیا سربستہ رازِ ابتدا و انتہا"

"توڑنا اس دل کو ہے اب گناہ اتنا شعور" بس گئی جس میں فقط اک اُن کی ہی تصویر ہو

---

[1] "ڈارا" بمعنی ڈالا

خانۂ دل میں ہو جسکے عشق نے رکھا قدم
دشت و صحرا کیوں نہ پھر اس کی بھلا جاگیر ہو

"جو مٹا دے میری آنکھوں سے تمیزِ خار و گل
جذبۂ دل میں مرے پیدا وہی تاثیر ہو

" جس کو سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے کبھی اہلِ خرد
زندگی میری اُسی اک راز کی تفسیر ہو

" بے نیازی ہو عطا جس سے تجھے اے چارہ گر
کاش تیرے پاس ایسی بھی کوئی اکسیر ہو

" کاٹ لینا ہر کٹھن منزل کا آساں ہے اگر
صبر و استقلال و ایمان شاملِ تدبیر ہو

" منزلِ دیدارِ حق تک جا نہیں سکتے کبھی
جب تلک پاؤں میں اپنے نفس کی زنجیر ہو

" اصلِ ہستی ہے محبت، حاصلِ ہستی نشاط
زندگی ہے زندگی گر عشقِ عالمگیر ہو

" جانبِ دیر و حرم اُٹھتا ہے کب اُس کا قدم
مل گیا جس کی جبیں کو آستانِ پیر ہو"

دل میں تھا سوزِ محبت، آنکھ میں طوفانِ اشک
عاشقی کی زندگی میں اک زمانہ وہ بھی تھا

نذرِ جلوہ آنکھ میں اور دل میں طوفانِ نشاط
عاشقانہ زندگی میں اک زمانہ یہ بھی ہے

آنکھ سے پردہ دوئی کا، دل سے احساسِ وصال
مٹ کے رہ جائے گا یکسر اک زمانہ وہ بھی ہے

ڈوب کر کیفِ نشاطِ ہست میں لہرائے گا
ذاتِ واحد ہی کا احساسِ مسلسل و دوام

پڑا تھا میری آنکھوں پر خودی کا جب تلک پردا
تو مجھ سے دور بیگانہ، علیحدہ تھی تیری دنیا

جب تو ہی تو کا ہے احساس تو ہر جلوہ آنکھوں میں
تو اپنا دوست ہے غم خوار و ہمدم ہے جہاں سارا

شمعِ جمال تیری فروزاں ہے بزم میں
آ آ کے گرد اس کے پروانے بار بار
اُن کو تلاش شعلۂ برقِ فنا کی ہے
اُس سرفروش کی ہے مگر شمع کو تلاش
اُس کے لپکتے شعلے کو کر دے جو تیز تر

چاہتا ہوں میں تصور میں ترے کھویا رہوں
بے تعلق۔ اندھیرے نظاروں کا دامن خوابِ حسّت
مسکراہٹ میں تری رخشاں ہے دل کی روشنی
جس کے تیور میں جھکی ہیں رفعتیں افلاک کی
کر دیا میں نے تو اپنے آپ کو اس کے سپرد
سایۂ دستِ مبارک میں ملی مجھ کو اماں
ظلمتیں خوف و خطر کی مٹتی جاتی ہیں تمام

جانِ جاں، یادِ رواں تیری۔ مری تقدیر ہے
"تو ہی میری زندگی کے خواب کی تعبیر ہے"
تیری آنکھوں میں جمالِ روح کی تنویر ہے
جس کے ہاتھوں میں جہانِ ہست کی تقدیر ہے (ق)
مجھ کو اپنانے کی دیکھیں کیا رضائے پیر ہے
نقشِ پائے پاک سے حاصل مجھے توقیر ہے
قربت کے احساس کی ہر گام پہ تنویر ہے

تجھے میں بھول جاؤں بات یہ بس کی نہیں میرے
کہ تیری یاد کی موجوں سے اُبھری ہے مری ہستی
ترستا آ رہا ہوں میں ازل سے تیرے جلوے کو
دکھا دو خواب ہی میں اک تجلی روئے زیبا کی
غمِ فرقت اُٹھایا ہے بہت پر اب نہیں اُٹھتا
مئے دیدار کا جامِ حیات افروز دے ساقی

دکھا دے دُور ہی سے ایک ہلکی سی جھلک مجھ کو
نہیں ہے تابِ جلوہ گر نگاہِ شوق کو میری

سدا لطف و کرم ہوتا ہے تیرا اپنے بندوں پر
نہیں ممکن کہ مجھ سے بے سبب ہو بے رُخی تیری

بزعمِ خود تو تھا آزاد ہر بندِ تعلق سے
مگر دل میں ابھی شاید ہے دنیا کی لگن باقی

مجھے دو پیار وہ اپنا ہوں جس میں غرق سب بندھن
رہوں سنسار میں جب تک رہوں بس ہو کے تیرا ہی

آوازِ اناالحق اُٹھتی ہے ساقی ترے بادہ خانے سے
تو دیتا ہے اپنے ہاتھوں سے جب جام کسی دیوانے کو

مدہوش جو تیرے آ جاتا ہے ٹھکرا دیتا ہے دونوں جہاں
رونق وہ عطا کی ہے تو نے اے پیرِ مغاں ویرانے کو

دُنیا کی نظر میں پیار ترا بس ایک خیالِ خام سہی
صد شکر مجھے یہ وہم ملا ہے اپنی حقیقت پانے کو

گلشن میں مری ہستی کے بہار آئی ہے تصور سے تیرے
تو یوں بہارِ جاں کے لیے ہو خود آ درشن دکھلانے کو

جو خاکِ جسم کو کشتِ عمل بنا نہ سکا
جو سونا پریم کا اس خاک سے اُگا نہ سکا

بنائے رکھا اسے جس نے نفس کی دلدل
کنول جو پریت کے اس میں کبھی کھلا نہ سکا

سجائے رکھا اسے رنگ و بو سے جس نے سدا
جو رنگ و بوئے محبت کو لیک پا نہ سکا

بنائے رکھا اسے جس نے سازِ نغمۂ عیش
کبھی جو راگ اخوت کا اس پہ گا نہ سکا

لئے پھرا جو چراغانِ طرب کدوں میں اسے
جو دل میں اپنے چراغِ خودی جلا نہ سکا

جو کام - کرودھ، اہنکار، لوبھ، موہ سے اسے
تمام عمر میں دم بھر کو بھی چھڑا نہ سکا

انا پہ اپنی جسے بخرد ناز ہے اتنا
جو در پہ مرشدِ کامل کے سر جھکا نہ سکا

سفر کا اس کے ابھی تو ہوا نہیں آغاز
ابھی وہ سمجھے گا کیا مشکلاتِ راہ کا راز

ابھی نظر میں ہے اس کی بہشت و کوثر و حور
بھٹک رہا ہے رہِ عشق میں ابھی وہ ضرور

خزاں کے بعد ہمیشہ بہار آتی ہے
یہی اصول ہے نشو و نمائے ہستی کا

جہاں میں ملتا ہے سُکھ بھی ضرور دُکھ کے بعد
یہی طریقِ عمل ہے حیاتِ فانی کا

گذر کے ٹھوکروں سے ملتا ہے دل کو امن و سکوں
تمیزِ نیک و بد و خوب و زشت سے بیروں

ہے عشق عشق وہی حسن جس پہ ناز کرے
ہے بے خودی وہی جب حسن کو وجد میں آئے

"وادیِ عشق میں میرا جو قدم آگے بڑھا
خود خدا نکلا وہ بندہ جسے سمجھا تھا میں"

"کیا کہوں میں درِ محبوب سے کیا ملتا ہے؟
دیکھنے والی نظر ہو تو خدا ملتا ہے"

کوئی کچھ دیتا ہے دنیا میں تو بس اک دو بار
درِ محبوب سے جو مانگو سدا ملتا ہے

گلشن میں نغمہ زن نہ ہوا ے مرغِ خوش نوا   تیرا یہاں نہیں ہے اگر ترجماں کوئی"

جو خود سپرد ہو عشقِ بُتاں بھی سر تا پا   تو پیدا ہوتی ہے حق بیں نظر کی جلوہ گری

" محبت دردِ دلوں کی جب اُتر آتی ہے آنکھوں میں   تو رقصِ گفتگو ہوتا ہے نورِ حق کا کرنوں میں"

جمالِ یار کی کرنیں جو آنکھوں میں سموتی ہیں   تو لگتا ہے زمیں پر اپنی نورِ عرش اُترا ہے

مئے دیدار سے اپنی بنا بے خود مجھے ساقی   ازل ہی سے چلے آتے ہیں تشنہ جام آنکھوں کے

" نہیں ہے تقدیر میں اگر آشنائے نغمۂ عشق ہونا   تو ساز ہستی کو میرے یارب خموش کر دے خموش کر دے

زیرِ پردۂ سازِ دل سے یارب اُٹھا محبت کا اب ترانہ
خموشیوں میں نہ رکھ نہاں اُن سُروں کو جن میں بسی ہے دنیا

جہاں ہو دُکھ یہ بشر کے بشر ہی خندہ زن   وہاں بہار کبھی آتی ہے تو خزاں کی طرح

آنکھوں میں اپنی عنبر کوئی بھی نہیں رہا   اپنے ہیں سب ہیں زندہ ہوں اپنوں کے واسطے

جستجو میں حق کی کھو جاتا ہے جب دل سر بسر — اپنے ہی جلوے میں آتا ہے نظر نورِ خدا
جگمگا اٹھتی ہے پھر ہر ایک شے اس نور سے — خود بخود ہوتا ہے ہر دم ہر نظر سجدہ ادا

کشتی جو ڈال دیتے ہیں دریائے عشق میں — موجوں کو ہی وہ ساحلِ دریا سمجھتے ہیں

"ترے خیال میں اکثر پہنچتا ہوں میں وہاں — نہ کھل سکے ہے کبھی چشمِ امتیازِ جہاں"

پختہ کاری کا خموشی ہی رہا ہے شیوہ — نالہ کرتا ہوں کہ ہے عشق مرا خام ابھی
تو نے اے پیرِ مغاں بخشی تو دیوانہ روی — ہو نہیں پائی ہے دیوانگی بدنام ابھی

کہو تو دیکھتے ہی جائیں تم کو — سنو تو حالِ دل اپنا سنائیں
اِدھر بنتی رہی جاں پر ہماری — اُدھر ہوتی رہیں تیری ادائیں
دیا ہے غم تو اب توفیق بھی دے — ترے غم کو خوشی سے ہم اٹھائیں
نہا لیں آنسوؤں میں دل کی کلیاں — چل اے بادِ صبا یہ مسکرائیں
عطا کر مجھ کو تنویرِ محبت — نگاہوں سے ملا کر اب نگاہیں
بنیں اک کہکشاں جا کر فلک پر — ہمارے پیار کی پاکیزہ راہیں

لذتِ بے گناہ

وہ تو معصوم ہے
اپنی اُٹھتی جوانی کا اس کو پتہ
کچھ نہیں
ہے تو بس ایک احساسِ نا آشنا +
کچھ سُنے اس نے افسانے ہیں عشق کے
حُسن کے تذکرے
جن کے معنی سے ہے وہ ابھی بے خبر
دردِ فرقت ہے کیا
لذّتِ وصل کیا
وہ سمجھتا نہیں +
دل میں اُٹھتی ہے اس کے مگر لہر سی
ایک شیریں و نا آشنا کیف کی
وہ نہیں جانتا
کیا ہے یہ کلپنا
لذتِ بے گناہ
وہ نہیں جانتا

اس کی انگڑائی لیتی ہوئی آرزو
ارتعاشِ تمنائے حسنِ جواں
ہے نویدِ سرور و نشاطِ حیات
اک خوش آیند پیغام نکہت و رنگ
لائی ہے جو نسیمِ صبحِ زندگی ؟
یا یہ اٹھتی ہوئی خواب سے آرزو
شعلگی ہے ہوس کی۔ شفق کی طرح
زندگی کے افق پر ہے جو رونما
وہ تو معصوم ہے

ہوئی خطا کہ سوالِ وصال جو مجھ سے
فراق اس کی سزا ہے تو کوئی بات نہیں
نفس نفس جو سوا ہو رہا ہے دردِ دروں
یہ آپ اپنی دوا ہے تو کوئی بات نہیں
جو جل رہی ہے مجھے شعلگیٔ سوزِ جگر
یہ برقِ ناز و ادا ہے تو کوئی بات نہیں
میں دیکھتا ہوں اور پھیر لو تم اپنی نظر
یہی طریقِ وفا ہے تو کوئی بات نہیں
جو جان بوجھ کے کی جائے تو خطا ہے گنہ
گناہ محض خطا ہے تو کوئی بات نہیں
یہ جسم میرا ہو یوں ٹوٹ ٹوٹ کر ہی ختم
اسی میں تیری رضا ہے تو کوئی بات نہیں

یہ تمہارے چہرے پہ چھائی کیوں اداسی ہے
کیا کہیں کوئی ہم سے ہو گئی خطا سی ہے
چھوڑو بھول بھی جاؤ رنجشیں مٹا ڈالو
بات کچھ نہیں آخر بات تو ذرا سی ہے

کھلنے دو شفق کا رنگ اپنے روئے تاباں پر
یہ بھی کیا بس آنکھوں میں شبنمی ضیا سی ہے

ایک اک ادا تیری پاس سے ہے لطف و کرم
دُور سے نجانے کیوں لگتی یہ جفا سی ہے

اے کہ تیری خوشیوں پر جان و دل ہوئے قرباں
کچھ تو کہہ کہ آخر کیوں مجھ سے تو خفا سی ہے

اپنے بن کر کوئی پیش آتے ہیں دشمن کی طرح
غیر ملتے ہیں کوئی پیار سے ساجن کی طرح

درِ زنداں کی طرح بند و مقفل ہیں کوئی
اور دل کوئی کھُلے رہتے ہیں درپن کی طرح

کوئی پی جاتے ہیں صحرا کی طرح ساون کو
رنگ و بو کرتے ہیں پیدا کوئی گلشن کی طرح

کوئی تو شیر بجاتے ہیں فقط اور کوئی
کام ہی کرتے ہیں بس قلب کی دھڑکن کی طرح

بند کمروں کی طرح زندگی کرتے ہیں کوئی
اور رہتے ہیں کشادہ کوئی آنگن کی طرح

جلنا اس دُنیا میں سب کو ہے مگر جلتے ہیں
کوئی ایندھن کی طرح تو کوئی چندن کی طرح

"ساقی بجلوہ دشمنِ ایمان و آگہی"

اندازِ جلوہ آج نیا ہر ادا نئی
تمہید لطف، شان کرم اُن کی بے رُخی

ہیں نیم وا نگاہوں میں خوابیدہ شوخیاں
ترچ لبستہ اک ترانۂ اُلفت ہے خامشی

زلفیں یہ اُلجھی اُلجھی کُشادہ جبین پر
تاریکیاں بچھاڑ کے نکلی ہے روشنی

حسن و ادا و ناز کا طوفانِ بے پناہ
لے جائے گا بہا کے مری ساری بے بسی

پیچ و تاب کھاتی ہوئی
بجلیاں گراتی ہوئی

ہاں ہم نے اک پری دیکھی — شانِ دلبری دیکھی

نورِ حسن سے لبریز — فتنہ و فساد انگیز

اک حسینۂ آزاد — نازنینِ صدر داماد

کر نہیں سکتا حقیقت کو تو کوئی بھی بیاں — ہو حقیقت کا بھی تو افسانہ پھر افسانہ ہے

ایک فلمی گیت سُننے کے بعد

(مزاحیہ)

مشکل یہ آ پڑی ہے کہ کیسے بچے گی جاں — وہ چشم و دل کو بھائے تو بھاتے چلے گئے

تعریف اُن کی کرتا گیا جتنی اور میں — آنکھیں وہ اُتنی اور دکھاتے چلے گئے

میں نے کہا جو لیجئے کچھ اور لیجئے — پھر کیا تھا بے تحاشہ وہ کھاتے چلے گئے

شادی ہماری کر ہی دی ماتا پتا نے جب — تو ہم بھی جیسے تیسے نبھاتے چلے گئے

یہ طرز نیا ہے آج کل اظہارِ عشق کی — آنکھوں میں بھر کے اشک وہ گاتے چلے گئے

خود بھی ہنستے ہنساتے رہے دوسروں کو بھی — دُنیا کا کاروبار چلاتے چلے گئے

باتیں جب اپنے پیار کی سب ختم ہو گئیں — یُونہی کچھ اور سُنتے سناتے چلے گئے

مُنہ دیکھتے ہی رہ گئے ہم اُن کا اور وہ — غیروں کے ساتھ پیتے پلاتے چلے گئے

ہم بار بار چونک کے اُٹھ بیٹھے نیند میں — اُن کے خیال خواب میں آتے چلے گئے

کترا کے ہم سے ہو گئے اور دور وہ — جتنا ہم اُن کو پاس بُلاتے چلے گئے

اپنا نہ بس چلا کوئی جنتا کے راج میں — پبلک کے "خادموں" کی چلاتے چلے گئے
آئی ہے ٹوڈیسی یہ تک بندیوں کی آنچ — یونہی فضول وقت گنواتے چلے گئے

پند سودمند

(مزاحیہ)

(کامیاب ماڈرن زندگی کے لئے)

کترا رہا ہوں زمانے کی شکایت جو سبھی ہیں — زیادہ ہے میری ترا شکوہ تو نہیں ہے

عشق و محبت

زندگی بیچ رگاتے ہوئے فلمی نغمے — پریم کی جرأت سدا دل میں جلائے رکھئے
شوق کو دیجئے تحریک کلب میں جا کر — حسن بے باک کو سینے سے لگائے رکھئے
وہ بھی کیا جینا ہے جس میں نہ ہو ساقی و شراب — گھر لٹا کر بھی انہیں اپنا بنائے رکھئے
مفت کی ملتی ہے اگر مفت پلائے کوئی — قرض کی پینا پڑے تو بھی چلائے رکھئے
وہ اگر تلخ زباں ہے تو لبوں پر رکھ کے — رکھ کے لب اس کو گلے ہی سے لگائے رکھئے

صنعت کاری اور بزنس

چور وہ ہے جو کرے رات کو چھپ کر چوری — بے خطر دن کو کھلی لوٹ مچائے رکھئے
نام بزنس کا اسے دیجئے یا کہیئے وکاس — رعب ہر حال سیاست پہ جمائے رکھئے
چندہ دیتے رہو تاخیر کبھی ہو نہ بخل — جتنا بھی چھڑ ہو سیاہ سکہ چلائے رکھئے
دنیا امید پہ قائم ہے۔ پھلے پھولے گی — چور بازار میں بزنس کو بنائے رکھئے

سارا جاتا ہو جو دن بیچئے خود آدھا بانٹ — ساتھ پولیس کی بولی اپنے والے رکھیے
تنگ کرنے کے ہیں سامان ہر اک دفتر میں — ہر کہیں آدمی کچھ اپنے بنائے رکھیے
چلنا ہر محکمے میں ہے جو اصول واحد — وہ ہے یہ، بھول کے مت اس کو بھلائے رکھیے
"ہاتھ خود گرم غرض والے کریں گے آ کر — نالیں اُن کی ذرا اور دبائے رکھیے"
کام نکلے گا منسٹر سے بالآخر اپنا — ہے مگر شرط کہ پی۔ اے سے بنائے رکھیے

سیاست

کام لازم نہیں عزت و امارت کے لئے — کام کی دھوم مگر خوب مچائے رکھیے
اور پھر کام میں تو ہے غلطی کا امکاں — بس کمیٹی پہ کمیٹی ہی بنائے رکھیے
سنگِ بنیاد کہیں اور کہیں اُدگھاٹن — سبز باغ اس طرح جنتا کو دکھائے رکھیے
منعقد گوشٹی پہ گوشٹی ہوتی جائے — سلسلہ وعدۂ فردا کا بنائے رکھیے
اور درباندوں سے ہٹنے نہیں پاتی نہ سہی — اپنے در سے تو غریبی کو ہٹائے رکھیے
گھر تو سرمایہ کا بھرتے چلے جائیے لیکن — ڈھونگ مزدور کی خدمت کا بنائے رکھیے
رائے عامہ کا رعایات سے ملتا ہے رنگ — سیمیناروں کا طریقہ بھی چلائے رکھیے
بات جھوٹ ہے سراسر تو ہوا کیا۔ آخر — دنیا سچ مانے گی۔ رٹ اس کی لگائے رکھیے
کہتے جائیے کہ ہٹا دیں گے غریبی کل تک — یہ کہ کل آتا نہیں سب سے چھپائے رکھیے
آپ سے آگے یقیناً وہ نہ جا سکیں گے — رات دن لوگوں کو ہر طور ستائے رکھیے
ہاں یہ احساس ہر ایک شخص کو اُسکے ہیں آپ — اس طرح بنتی ہے دنیا تو بنائے رکھیے
پالیسی آپ کی ہے قیمتیں کم کرنے کی — قیمت انسان کی ہر روز گھٹائے رکھیے

ہر غلط کام کا الزام عدو کے سر پہ
پھینکنا اوروں پہ کیچڑ ہے سیاسی ہونی
داغ دامن پہ مگر اپنے نہ آنے پائے
تفرقہ بندی سے پاتی ہے حکومت طاقت
آپ ہی کو نہ کہیں ختم کریں یہ اٹھ کر
گھر کے اندر ہے تعفن تو کوئی بات نہیں

جب تلک چلتی ہے یہ چال چلائے رکھیے
کھیلئے شوق سے کہرام مچائے رکھیے
اپنے کپڑوں کی سپیدی کو بچائے رکھیے
سادہ لوح لوگوں کو آپس میں لڑائے رکھیے
خفتہ فتنوں کو تو اچھا ہے سلائے رکھیے
اپنی کھڑکی کو مگر خوب سجائے رکھیے

شاعری

بات کچھ کام کی کہہ سکتے نہیں آپ اگر
اتنا کچھ کہہ تو دیا آپ نے لیکن حضرت

ہر جگہ شور سے ہی سر پہ اٹھائے رکھیے
جان کی اپنی بھی اب خیر منائے رکھیے

مزاحیہ

آج پیدا ہو کوئی مجنوں تو ہم بھی جانیں
عاشقی زار بھلا عہد تجارت میں کہاں
جن کا تن موٹا ہے من کھوٹا ہے دھن کالا ہے
یہ چوری ڈاکہ ہو کہ اغوا ہو کہ ہو قتل کہیں
کوئی کہہ سکتا نہیں ان کو مگر کچھ بھی یہاں
کیوں جلائے گا کوئی روشنی کو دل کے چراغ
شور ہر سو ہے غریبی کو مٹانے کا بپا

ہونے کو ویسے تو عاشق کئی سارے ہونگے
توند پھیلائے ہوئے لالے ہی لالے ہونگے (ق)
اُن کے منہ بھی تو یقیں مانئے کالے ہونگے
پیچھے ان سب کے یہی پیسے ہی والے ہونگے
افسر اور منتری سب ان ہی کے پالے ہونگے
گھر غریبوں کے جلا کر ہی اُجالے ہونگے
نعرہ زن سڑکوں پہ کچھ پارٹی والے ہونگے (ق)

یا گلا پھاڑے رہا ہوگا کرائے کا ہجوم
چیرتی جاتی ہیں دل کو مرے نظریں اُن کی

"خوشی گلہ" نیتا کمال جس کی سنبھالے ہونگے
اُن کی آنکھوں میں خدا نے دیئے بھالے ہونگے

اقرار و انکار

(مزاحیہ)

سرکار کے بل پہ ہی اکڑ کر جو اُسی کا
لے لے کے مرا نام کماتا ہے جو روزی

پھیلاتا ہوں میں جس کے لئے ہاتھ ہمیشہ
جو جان کے درپے ہوا جاتا ہے مری۔ کیا

کہتے ہیں کہ اپنوں ہی کو رکھتا ہوں میں نوکر
جو بینک کے قرضے کو ادا کر نہیں پاتا

لائیسنسوں کا بیوپار جو کرتا ہے وہ میرے
سرکار نے لاکھوں میں زمیں جس کی خریدی

ٹھیکے جو کروڑوں کے کیا کرتا ہے نیلام

کرتا ہے گلہ وہ مرا سالا تو نہیں ہے
ہم زلف کے ماموں کا وہ بھانجا تو نہیں ہے

ناکارہ وہ میرا ہی بھتیجا تو نہیں ہے
وہ دشمنِ جاں خود مرا بیٹا تو نہیں ہے

پی اے[1] سے مرا کوئی بھی رشتہ تو نہیں ہے
بہنوئی کا میرے کوئی ماما تو نہیں ہے

داماد کے داماد کا ابا تو نہیں ہے
بہنوئی کا مری وہ کوئی نانا تو نہیں ہے

وہ میرے کسی دوست کا چچا تو نہیں ہے

یہ سلسلہ بزنس کا حکومت کا طریقہ
سب دُنیا میں ہے عام بس اپنا تو نہیں ہے

---

[1] P.S. پرائیویٹ سکریٹری

ناخدا اور خدا دونوں کو دے رہی ہے صدا — دیکھ اب دے کے خود اپنے کو کبھی آواز کبھی

نہ اُٹھا دستِ دُعا۔ یہ بھی ہے دریوزہ گری — تو خدا کو بھی سمجھ ہمدم و ہمساز کبھی

تیری خاموشی کو سمجھے ہیں غلط اہلِ جہاں — اُٹھ کے افلاک میں ہو غلغلہ انداز کبھی

عاجزی کنج نشینی و فقیری کب تک — تازہ کر شورِ انا الحق کا بھی انداز کبھی

موت اور تیرے لئے؟ زندۂ جاوید ہے تو — اُس کا انجام؟ ہوا جس کا نہ آغاز کبھی

جنم دن مبارک ہو

جنم دن تجھے اے سُوریہ مبارک ہو

ہوئی ہے رنگیں سرِ رشتۂ زندگی تجھ سے — ملی ہے ماتا کو ایمان کی روشنی تجھ سے

کھلی ہے گلشنِ اُمید کی کلی تجھ سے — پتا کے دل میں بھر آئی ہے تازگی تجھ سے

جنم دن تجھے اے سُوریہ مبارک ہو

ہوئی ہے شمعِ رہِ شبابِ حق کی لیلا رحمت — ملی ہے اُن کو مسرتِ حیات کی دولت

تو ساتھ لایا ہے لپٹی سعادت و برکت — بنے خاندانِ نرائن کے دن کی تو راحت

جنم دن تجھے اے سوریہ مبارک ہو

دُعا ہے عمر تری ست گرو دراز کرے — درِ محبت و شفقت کبھی تجھ پہ باز کرے

جہاں میں عزت و دولت سے سرفراز کرے — ہو فخر ماں کو تری، باپ تجھ پہ ناز کرے

جنم دن تجھے اے سوریہ مبارک ہو

+ دینا بیچ کا سپوترا ۔ سوریہ

بسائے سرمگیں آنکھوں میں تو نے میخانے
بنی ہیں بانہیں سبو، سرخ لب ہیں پیمانے

تو اپنی اُبھری جوانی کو دے کے اور اُبھار
بنا رہی ہے جوانانِ قوم دیوانے

مٹک مٹک کے جو نکلی گذر رہی ہے تو
جلیں گے کتنے جوانوں کے گھر خدا جانے

یہ کر رکھی ہے جو قائم ہوس کی لو تو نے
نہ جلنے سوختہ جاں ہوں گے کتنے پروانے

ہر ایک بات نرالی ہے تیری ہوس آموز
یہ چال ڈھال یہ اطوار سارے بیگانے

یہ نقش ہندی بہن بیٹیوں کے نقش نہیں
تُو اپنی وضع پہ آ جا اگر مری مانے

تیرا ہر رند نئے دور میں اے پیر مغاں
مے کشی چھوڑ کے ہشیار ہوا جاتا ہے

مت کرو کم نگہ لطف ذرا دیکھو تو
کیسے اچھا ترا بیمار ہوا جاتا ہے

عشق توہین کو برداشت کیے جاتا ہے
بہ سرِ دار شرمسار ہوا جاتا ہے

حُسن رسوائی پہ آمادہ نظر آتا ہے
ہر طرف مصر کا بازار نظر آتا ہے

درد نے بیبس دیا غم نے کچھ ایسا گھیلا
میں اگر رونا بھی چاہوں تو نہیں رو سکتا

بارِ عصیاں سے کمر ٹوٹ رہی ہے لیکن
اتنی فرصت نہیں اک لمحہ کبھی لوں سستا

لڑکھڑاتے ہیں قدم سر مرا چکراتا ہے
تازیانہ نہیں رکنے کی اجازت دیتا

جسم کے زخم ہرے جلتے ہیں تا سر تمام
خونِ دل میرا نہیں آنکھ سے ہی اب رستا

مجھکو مجبوریاں سرگرم سفر رکھتی ہیں
جانے کب طوقِ غلامی سے ملے چھٹکارا

ملجا و ماوا مرا کمل چرن ہیں تیرے
منتظر ہوں ترے چرنوں میں ملیگی کب جا

ہوں مست چشم مست غرض میکدے سے کیا
محتاج مے و مینا و ساغر نہیں ہوں میں

یہ لطف یہ کرم یہ عنایت یہ قرب خاص
اس پر بھی تم کہو گے "ستمگر نہیں ہوں میں"

پاتا ہوں تیرے ذکر میں وہ لطف خود بخود
لگتا ہوں گنگنانے سخنور نہیں ہوں میں

یارب مجھے ہی کیوں یہ مسلسل خزاں ملی
رنگین و دلنواز بہاروں کو کیا ہوا

ارمان کہاں ہیں میری امیدیں کہاں گئیں
اس زندگی کے چند سہاروں کو کیا ہوا

یہ کھیل ہے رنگینی چلی جاتی ہے اب حیات
اب تند و تیز زیست کے دھاروں کو کیا ہوا

میں جانتا ہوں کل صبح نکلے گا آفتاب
لیکن یہ میری رات کے تاروں کو کیا ہوا

اپنی خودی میں ڈوب کے اک بار دیکھ تو
کھل جائے گا یہ راز حیات و ممات کا

صد شان سے ہے دیدہ و دل میں وہ جلوہ گر
لیکن بیاں میں آتا نہیں حسن ذات کا

کوئی کبھی بتا نہ سکے گا نہ پوچھئے
گزری کسی پہ عشق میں کیا کیا نہ پوچھئے

دیتا ہے رازِ عشق کا کچھ کچھ پتہ سکوت
یہ راز لب پر آ نہیں سکتا نہ پوچھئے

پا ؤ جو دل کی بات نظر سے ہے اور بات
منہ سے تو کچھ کہا نہیں جاتا نہ پوچھئے

وہ رات کے کالے پردے آہستہ آہستہ اٹھنے لگے
اک اک کر کے تارے سارے شرما شرما کر چھپنے لگے

ہلکی ہلکی تاریکی میں آنکھوں کو دکھائی دینے لگا
میٹھی نندیا کے پہلو سے سب نیند کے ماتے اٹھنے لگے

انگڑائی لے کر بیٹھ اٹھے سوتے پنچھی بھی جاگ اٹھے
میٹھے میٹھے سُر حمد و ثنا کے چاروں جانب اٹھنے لگے

تازہ ٹھنڈی جاں بخش ہوا دامن میں مہک لہکرائی — پھل پھول نے سر شکر لئے میں سو بار زمیں پہ جھکنے لگے
تاریکیاں غم کی دور ہوئیں کرنیں خوشیوں کی جاگ اُٹھیں — نغماتِ مسرت ہر دل کے گوشے گوشے میں اُٹھنے لگے

ہر شے میں بس رہے ہو مگر جلوہ گر نہیں — تم دل کی روشنی ہو یہ حسنِ نظر نہیں
یوں تو فضا میں لاکھوں ستاروں کا نور ہے — ہے رات۔ رات ہی ہے رنگِ سحر نہیں
کچھ آگہی ہے علم و ہنر سے تجھے مگر — اپنی خبر نہیں تجھے تیری خبر نہیں
کب سے تڑپ رہا ہوں تہِ دام۔ کیا کروں — اُڑ جائیں لے کے دام جو وہ بال و پر نہیں
دیر و حرم ہیں سجدہ طلب چار سو مگر — سر خود بخود جہاں نہ جھکے تیرا در نہیں
حد سے گزر بھی جائے گا بڑھتا رہا ہے درد — کیا کم ہے یہ علاج اگر چارہ گر نہیں

دل نوازیاں دیکھیں — بندہ پروری دیکھی
دل فروزیاں پائیں — شانِ دلبری دیکھی
اُن کے روئے روشن پر — اصلِ خاوری دیکھی
چشمِ مست و خنداں میں — ساری ساحری دیکھی
میں نے اُن کے قدموں میں — شانِ سروری دیکھی
عشق کی دو عالم میں — سب سے برتری دیکھی
بے نیازِ آئین و آدا — بس قلندری دیکھی
سیدھی سادھی باتوں میں — جانِ شاعری دیکھی
اپنی جنبہ بانی میں — اک سخنوری دیکھی

مسکراتی ہے کائنات تمام
اک ذرا تیرے مسکرانے سے

لاکھ جلوہ گری کے پردے ہوں
حسن چھپتا نہیں چھپانے سے

آشیاں میں ہے طور کا عالم
برقِ جلوہ کے کوند جانے سے

زندگی پیار کی فریب سہی
جی رہا ہوں اسی بہانے سے

تشنگی بڑھ کے خود پیئے تو ہے بات
وہ بھی کیا پی جو پی پلانے سے

ہوتی ہے حسن و عشق کی توہین
بات روداد کی لب پہ لانے سے

زندگی بنتی ہے سرودِ نشاط
پیار دینے سے پیار پانے سے

"نہ ہوتے ہم تو یہ لبریز پیمانے کہاں جاتے" (مخمور دہلوی)

تری محفل میں شمعِ عشق کی لو اب بھی قائم ہے
عنایت ہے نہ ہوتی یہ تو پروانے کہاں جاتے

مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ پروانے نہ ہوتے تو
یہ شعلے شمع کے تیری خدا جانے کہاں جاتے

ترے جلووں سے رنگیں ہے جہاں لیکن نظر اپنی
نہ ہوتی حسن بیں تو آئینہ خانے کہاں جاتے

ہمارے ظرف، سوزِ عشق کی بھی داد دو ساقی
"نہ ہوتے ہم تو یہ لبریز پیمانے کہاں جاتے"

یقیں لاتے نہ ہم گر بت پرستی اور رندی پہ
تو میخانے کہاں جاتے صنم خانے کہاں جاتے

کوئی کب مانتا تیرے کرم، تیری عنایت کو
نہ ہوتے ہم تو تم دنیا میں پہچانے کہاں جاتے

نہ کہہ جاتے جو دیوانے ترے رازِ حقیقت تو
تلاشِ حق میں دنیا کے یہ فرزانے کہاں جاتے

مجھے عمر بھر کی تلاش میں نہ کہیں خوشی کا پتا ملا
جو ملا تو تیرے ہی نام میں مجھے کیفِ جام لبالب ملا

میں بھٹک رہا تھا اندھیری راہوں میں دخترِ رز کی محبت کی
مجھے کہکشاں اور ملی مجھے نقشِ پا جو ترا ملا

میں تری تمنّا کروں، مجھے یہ مجال یہ تاب تھی کہاں
تری چشمِ ذرہ نواز سے مجھے درسِ عشق و وفا ملا

"جو ہزاروں سجدے تڑپ رہے تھے مری جبینِ نیاز میں"[1]
اُنہیں آستانِ سکوں ملا مجھے نقشِ پا جو ترا ملا

مرے دل کو وہ سرخوشی ملی مری آنکھ سے جو ٹپک پڑی
مری روح رقص میں آ گئی مجھے تجھ سے اپنا پتا ملا

جنہیں ڈھونڈتی تھا ازل سے میں، ترے حُسن کی وہ تجلّیاں
مری ہر نظر میں سما گئیں مرے دل کو نورِ بقا ملا

ہے نشاطِ زیست کا راز کیا ہے غمِ جہاں کا جواز کیا
یہ تمام ماجرا کھُل گیا جو تری رضا کا پتا ملا

ہے تماشۂ خوب و زشت کیا ہے ظہورِ پست و بلند کیا
نہ رہا یہ راز بھی راز جب مجھے سب میں جلوہ ترا ملا

مری آرزو سے طویل تر ہے ترے کرم کا یہ سلسلہ
"ترے در سے جو بھی ملا مجھے مرے حوصلے سے سوا ملا"[2]

حُسن میں وہ ادا نہیں باقی
عشق میں وہ وفا نہیں باقی

دل میں صدق و صفا نہیں باقی
آنکھ میں کچھ ضیا نہیں باقی

آدمی آدمی کا دُشمن ہے
دوستی کا پتا نہیں باقی

دل میں خاموش سازِ ہمدردی
لب پہ سوزِ دُعا نہیں باقی

مٹ چلی ہیں پرانی قدریں سب
اب خلوص و صفا نہیں باقی

پھیکی پھیکی گلوں کی رنگت ہے
مہکی مہکی فضا نہیں باقی

سہرا

گلِ تر نے اپنی مہک پیش کی
کلی دوڑی آئی چٹک پیش کی

ستاروں نے اپنی چمک پیش کی
تو سورج نے اپنی دمک پیش کی

صہ۱ "اقبال" صہ۲ "کامل"

محبت نے سب کو اکٹھا کیا ۔۔۔ پرو دیا اُنہیں دے کے سو سو دُعا
پھر اس میں دین شُبھ کا مناتیں سجا ۔۔۔ ترا سہرا ایسے بنایا گیا
مبارک ہو خوش بخت سہرا ترا

خوش آمدید

تم گھر پہ آج آئے ہمارے ۔ خوش آمدید
آنکھیں بچھائیں راہ میں تمہارے[1] ۔ خوش آمدید
تازہ گُلوں کو لا کے کرے ۔ فرشِ راہ بہار
برسائیں نور سر پہ ستارے ۔ خوش آمدید
وابستہ تم سے لاکھ اُمیدیں ہوئی ہیں آج
ــــ کی زندگی کے سہارے خوش آمدید
اے نورِ چشم راج دُلارے خوش آمدید

اشعارِ پریشان

رحمت کا بار بار خیال آ رہا ہے آج ۔۔۔ گن گن کے پھر گناہ کئے جا رہا ہوں میں
پھر آیا چاہتے ہیں شاید انوارِ عقیدت مرکز یہ ۔۔۔ اک شعلگی طور کی مجھ کو نظر کیوں ہر دم ہر سو آتی ہے

صلہ ضرورتِ شعری کے لئے 'راہ' کو مذکر باندھا ہے۔

نیا نیا وہیں ہم آشیاں بناتے رہے — جہاں جہاں تپشِ برقِ آشیاں پہنچی
ہجومِ غم سے نشاطِ دوام تک آئی — کہاں سے چل کے مری زندگی کہاں پہنچی
لبِ رقیب سے پہنچی ہے دیدۂ نم تک — کہاں سے چل کے مری داستاں کہاں پہنچی

نظر میں حسن اتر لے یہ پہلے تو بات ہے ورنہ — کہنے میں تو یونہی ہر شے حسیں معلوم ہوتی ہے

ازل سے ڈھونڈتی ہیں وسعتیں مکاں کی تجھے — "مری تلاش میں ہیں گردشیں زمانے کی"
سراپا شعلہ ہویاں ہے آشیاں میرا — کریں نہ بجلیاں کوشش اسے جلانے کی

یادِ رنگیں کی تازگی سے ہم — اہتمامِ بہار کرتے ہیں
عنبریں زلف کے تصور سے — زندگی مشکبار کرتے ہیں
روٹھتے ہیں وہ بار بار ہم سے — پیار ہم بار بار کرتے ہیں

بہاروں کو کیا تخلیق میں نے — رخِ روشن کی تیرے تازگی سے
وہی پایا ہے نافرمانیوں سے — ملائک کو ملا جو بندگی سے

کیوں چھیڑ دیا ٹوٹا ہوا ساز پھر اپنا — نغموں کی تڑپ روح میں بیدار ہوئی ہے
کیوں ہاتھ میں پھر جام دیا ہوش و خرد کا — اک گھونٹ سے سب تشنہ لبی جاگ اٹھی ہے

قدم قدم پر دیئے ہیں روشن تری عنایت تری کرم کے
کچھ ایسے مٹتے ہی جا رہے ہیں نشاں ستم کے بھرم کے

ملی تیرے خدمتوں میں آرہا ہوں کہ لئے اب نہ ہی کہہ دے
یہ اونچے نیچے اُلٹے سیدھے تمام رستے دھرم کرم کے

کہیں کہیں کوئی کوئی بندہ کبھی کبھی نعرہ زن ہوا ہے
وگرنہ سر بستہ ہی رہے ہیں یہ راز سب دیر کے حرم کے

تمہارے وعدۂ فردا کا اعتبار تو ہے
پر اپنی عمر دو روزہ کا اعتبار رہی کیا

اچھا ہے گُل ہو ہاتھ میں گلچیں مگر کبھی
اس رنگ و بو کو شاخِ گُل تر پہ چھوڑ دے

نظر مستانہ اُٹھ کے تیرگی سے نور لے آئی
تماشائے جہاں کا راز عریاں کر دیا میں نے

خودی کو غرق بیخودی غم کو نشاطِ زندگی کر کے
شبِ تاریک کو اپنی چراغاں کر دیا میں نے

حسیں سایوں کو نگہہ چشم حیراں کر دیا تو نے

ہم پہ ہونا ہے ترا لطف دو کرم آئے دن
کیا ہوا تو جو کبھی پیار سے بیداد کرے

تو نے مجھے خدائی نہ بخشی نہ بیخودی
بے چارگی سے کام لئے جا رہا ہوں میں

میں نہ کہتا خواب ہوں خواب حقیقت ہے مری
جاگ اُٹھوں تو سمجھ پاؤں کہ افسانہ ہے

میں سمجھتا ہوں کہ اپنے ہیں جہاں والے سب
پر جہاں والے مجھے کہتے ہیں بیگانہ ہے

منزلِ عشق تو ہے ایک کئی رستے ہیں
راہ کعبہ ہے گزرگاہِ صنم خانہ ہے (خیام)

جادۂ زعمِ خرد - راہِ کمالِ مستی — مکتب و مدرسہ ہے بادہ و میخانہ ہے

اک قیامت سی ہو گی قیامت بپا — جب جوانی کسی کی مچل جائے گی
یوں نہ دیکھو مجھے - ہر زباں پر یہاں — داستاں بن کے یہ بات چل جائے گی

یہاں کا راز بالآخر وہاں سے ملتا ہے — مکاں کا سلسلہ یہ لامکاں سے ملتا ہے
اُنہی سے اب مجھے ملتی ہے کچھ خبر اپنی — نشاں مرا مجھے اس آستاں سے ملتا ہے
یہ مانا عرش ہے کرسی ہے اور عرش نشیں — پتہ تو سب کا دلِ رازداں سے ملتا ہے

کھیلا کئے مکان و زماں مجھ سے آج تک — اب کھیلتا ہوں شام و سحر بحر و بر سے میں
مرکز بنا ہوا ہے وہی مستبروں کا آج — بیزار تھا کبھی اسی شوریدہ سر سے میں
ملتی گئی ہے قوتِ پرواز اور بھی — جو بے نیاز ہوتا گیا بال و پر سے میں

فرصت کے دن گئے گئیں شب کی فراغتیں — خُلدِ خیال یا ربّ چمن در چمن کہاں

زندگی ہو چلی بہت مغموم — نغمے اُٹھیں گے روح سے منظوم
معنیٔ انبساط وہ جانے — درد کی انتہا ب جیسے معلوم

سمٹ کر اپنے مرکز کی طرف آنے کو آ جاؤں — مگر انوارِ جلوہ کی فراوانی نہیں جاتی

جو تم ہو جلوہ فشاں رنگِ جہاں کا حسن و جمال — بشانِ دلبری و آب و تاب جھوم اٹھے
جو دل سے نکلے مرے لا الٰہ الا اللہ — رسول وجد میں آئے۔ کتاب جھوم اٹھے

دعا کا ہو یا دوا کا اثر ہو اصل میں تو — ترے کرم سے ہی مٹتے ہیں سارے رنج و الم
تری نگاہ کے تبسم کا جاں نواز لباس — پہن کے آئیں اگر آسماں کے ظلم و ستم (ق)
تو خستہ جسم و شکستہ دل و دریدہ دماغ — قبول اُن کو کریں گے سمجھ کے لطف و کرم

"سازِ مغرب" میں شامل ترجمے ✤

ترجمہ	صفحہ "سازِ مغرب"
بادِ سحر	۱۵ - ۱۴ حصہ دوم
بچے کی دعا	۱۹ - ۱۸
حسنِ تصور	۲۶ - ۲۵
سچا پیار	۳۱ - ۳۰
قوس و قزح	۳۴ - ۳۳
ننھا پودا	۴۳ - ۴۲
فلسفۂ محبت	۴۷ - ۴۶
دولتِ بے بہا	۵۱ - ۴۹
نشاط و غم	۵۴
آرام طلب	۵۹ - ۵۸
بتِ رعنا ⊗	۹۸ - ۹۷
دعا	۹۹
دعائے صحت ⊗	۱۵۶ - ۱۵۵
درۂ سمیلان	۲۵۱ - ۲۴۹
سرودِ شام	۳۱۸ - ۳۱۵
قربِ فطرت	۳۲۲ - ۳۲۱

✤ شاعروں کے نام اور نظموں کے عنوان اس فہرست کے بعد بالترتیب انگریزی میں درج ہیں

صفحہ ساز مغرب

	صفحہ سازِ مغرب	
وہ نور برس رہا ہے مجھ پر	۲۹۱	حصہ اوّل
نغمۂ زیست	۳۰۱	
شاعر کا دل	۳۰۳	
نورِ ازل	۳۱۱ - ۳۰۷	
شاعر کی دُنیا	۲۵۵	

⊛ موضوع کی اہمیت اور مناسبت کے خیال سے یہ نظمیں اس مجموعے میں بھی شامل کر دی گئی ہیں۔ "دُعائے صحت" کا عنوان "موسیقارِ ازل" میں بدل دیا ہے۔

LONGFELLOW : DAYBREAK.

METILDA BETHAM : A CHILD'S PRAYER.

SHELLEY : MUSIC WHEN SOFT VOICES DIE.

MILTON : TRUE LOVE.

WORDSWORTH : RAINBOW.

ANONYMOUS : A LITTLE PLANT.

SHELLEY : PHILOSOPHY OF LOVE.

SHAKESPEARE : A CONSOLATION,

NASREEN ALI : PLEASURE AND SORROW.

TENNYSON : THE SONG OF THE LOTUS EATERS.

SHELLEY : EXCLUDED STANZA OF THE ODE TO LIBERTY

VIOLET ALLEYN STOREY : A PRAYER AFTER ILLNESS.

WORDSWORTH : THE SIMPLON PASS.
EVENING VOLUNTARIES.
INFLUENCE OF NATURAL OBJECTS (EXTRACT)
INTIMATIONS OF IMMORTALITY.
A SLUMBER DID MY SPIRIT SEAL.

SHELLEY : MUTABILITY.
THE FLIGHT OF LOVE.
I FEAR THY KISSES.
LINES WRITTEN IN DEJECTION NEAR NAPLES.

MRS. C. BROWNING : IF THOU MUST LOVE ME.

Z.W. BOARDILON : THE NIGHT HAS A THOUSAND EYES.

S.G. ROSETTE : WHEN I AM DEAD.

MRS. BARHAULD : LIFE I KNOW NOT WHAT THOU ART.

KEATS : A THING OF BEAUTY IS A JOY FOR EVER (EXTRACT)

WILLIAM COWPER : GOD THE AUTHOR OF NATURE.

SHRI AURIBINDO : ROSE OF GOD.

BROWNING : RABI BEN EZRA.

SWAMI VIVEKANANDA : SMADHI.

LONG FELLOW : A SLAVES' DREAM.

SWAMI VIVEKANANDA : TO WINTER VIOLET.

SWAMI VIVEKANANDA : THE CUP
ADONAIS (EXTRACT)
PROMETHEUS UNBOUND (EXTRACT)

WORDSWORTH : IF THOU INDEED.
HELLAS (EXTRACT)
PROMETHEUS UNBOUND (EXTRACT).

"غلط نامہ "سازِ مغرب"

"ان نظموں کی کتابت میں کئی غلطیاں ہیں اور کہیں کہیں تو مصرعے ہی کتابت سے رہ گئے ہیں۔ اپنی تسلّی کے لئے اور ان قارئین کی خاطر جو کسی خاص نظم کے ترجمے کے لئے سازِ مغرب کی طرف متوجہ ہوں غلط نامہ ذیل میں درج ہے۔ عیاں بالذات معمولی غلطیاں جنہیں پڑھنے والا آسانی سے خود ہی ٹھیک کرلے۔ اس میں شامل نہیں ہیں"

سازِ مغرب حصہ ہشتم

سطر/صفحہ	غلط	صحیح
بہارِ حسن کی رنگینیاں ہیں سب فانی		
۳۰/۵	آندھی	اندھی
ناپائیداریٔ عشق		
۴۴/۸	بجے	بجیں
محبت ہی کی خاطر جانِ من مجھ سے محبت کر		
۵۸/۱۱	سایوں میں	سایوں کی
اُداسی		
۷۵/۱	غم	نم

	سطر/صفحہ	غلط	صحیح
اُداسی	۷۶/۹	کہ	کوئی
خالقِ فطرت	۱۰۷/۱۷	ہر گھڑی	ہمدمی
	۱۰۵/۲	کے لیں	کے لئے رہیں
گلابِ حق	۱۱۰/۴	تو نورِ شعلہ بدامن سرودِ نغمہ بدوش	تو نورِ نغمہ بدامن سرودِ شعلہ بدوش
	۱۱۱/۱۲	قوت	قدرت
ربی بن عذرا			
	۱۳۴/۴	...... نشاط روح کی منزل ہے اس کا کیف [illegible]	
	۱۳۶/۱	آسان	آرام
	۱۳۶/۴	عیش	عشق
	۱۳۶/۱۷	گھٹنے تک	کتنے تک
	۱۳۷/۳	آتے ہیں	آتی ہے
	۱۳۸/۱۷	جیسے	ویسے
		ہے گو	تو ہے
	۱۳۹/۵	ہوگا	ہوگا یہ
	۱۳۹/۱۵	پڑھے	بڑھے
	۱۴۷/۱۳	جلانا مارنا	جینا مرنا
	۱۴۸/۱۲	کا کام	سے کام

ساز مغرب حصہ دوم

	سطر/صفحہ	غلط	صحیح
باد سحر	۱۴/۱۳	پکار	پچکار
حسن تصور	۲۵/۶	گر	گُل
سچا پیار	۳۰/۸-۹	......	تو پیار تازگی و فرحت بہار سے کر
فلسفۂ محبت	۴۶/۲	جو اپنے	ہوائیں
	۴۶/۱۰	بغل گیر د	بغل گیر وہاں
	۴۷/۱	نور	اور
آرام طلب	۵۶/۳	ڈھونڈے	ڈھونڈے سے
	۵۶/۴	حفاظت	نفاست
دُعا	۹۹/۱۰	کرسی	رسی
	۹۹/۱۱	جلالی	جلال
دُعائے نصرت	۱۵۵/۱	دے	اے
	۱۵۵/۳	کسی کے	کسی کسی کے
	۱۵۵/۸	نہیں	بنیں
	۱۵۶/۱	ترنم	تبسم
		کو	کا
	۱۵۶/۶	جاں اُبھر	جاں میں اُبھر
	۱۵۶/۷	کے پھر	کے

	صفحہ/سطر	غلط	صحیح
حدہ سمپلان	۲۴۹/۶	جرانی ہوا ہے یا بستر	روانی ہوا ہو یا بستہ
	۲۴۹/۷	فضائیں	فضامیں
	۲۵۰/۱۳	بھرتی اور	بھرتی ہوئی
	۲۵۱/۳	کیا	بیک
	۲۵۱/۷	و	اور
	۲۵۱/۹	حقیقت ہی	حقیقت کے
سرود شام			
	۳۱۶/۵	بہ تختہ کو	بہ تختہ کو
	۳۱۷/۸	پاکیزہ	پاکیزگی
قرب فطرت	۳۲۲/۱۲	ہلال	جلال
نوید حیات جاوید	۳۲۵/۲	جال	جلال
	۳۲۶/۳	......	اب بھی چہرہ اہے جیرا گاہوں میں ہیں مست سرود جانے کیوں حیراہی لیکن ہو گیا تھا دل اداس
	۳۲۹/۱۶	جدھر	مدھر
	۳۳۱/۹	آملے گی	آملے گا
	۳۳۱/۱۴	......	خود رو درخشاں ہے اسے ممکن نہیں ہے اختلاط
	۳۳۱/۱۷	ہیں	میں
	۳۳۴/۱	خود صنعت	خود صفت

نوید حیاتِ جاوید	سطر/صفحہ	غلط	صحیح
	۳۳۲/۹	ارتقائے روح	کشفِ روحِ پاک
اُداسی	۳۳۸/۱	دل	دل
	۳۳۸/	-------	غم اسی نوع کا جو محسوس کیا ہے بیدل نے
	۳۳۹/۲	مقرر	قدر

سازِ مغرب حصہ ہفتم

	سطر/صفحہ	غلط	صحیح
سمادھی	۲۱۵/۱۰	خیالی نقوش	نقوشِ خیالی
	۲۱۶/۶	خلد	خلا

سازِ مغرب حصہ پنجم

	سطر/صفحہ	غلط	صحیح
حبشی غلام کا خواب	۴۱/۱		نائیجر
	۴۲/۸	قدم	غلام
	۴۲/۱۲	زرہ تکبر	زرہ بکتر
	۴۳/۲	ڈھینگوں	لم ڈھینگوں
	۴۳/۱۶	اک جھنڈ / بچھے	جھنڈ / بجھتے
	۴۵/۱۳	لیے	گئے
	۴۵/۱۵	مژدہ	مردہ

آغازِ موسم کے گُلِ بنفشہ سے خطاب

	سطر/صفحہ	غلط	صحیح
	۵۶/۶	اگر ----	اگر رائیگاں

ساز مغرب حصہ اوّل	سطر/صفحہ	غلط	صحیح
شاعر کی دنیا	۲۵۶/۲	زاد	زرد
	۲۹۱/۱۴	ہے	ہست
عنوان	۳۱۷/	جام	یہ ترا جام ہے
	۲۹۷/۱	-------	یہ ترا جام ہے
ذیلی عنوان	۲۹۹/۷	-------	یہ تری راہ ہے
ذیلی عنوان	۲۹۹/۱۷	-----	یہ ترا کام ہے
شاعر کا دل	۳۵۳/۱۰	دلوں	دیوں
نورِ ازل	۳۰۷/۱۰	سپرد	زمرد

غلط نامہ "صدائے بازگشت"

اس بات کی پوری کوشش کی گئی تھی کہ کتابت میں کوئی غلطی نہ رہے لیکن پھر بھی چند غلطیاں رہ ہی گئیں۔ علاوہ بریں جا بجا چھپائی پھیکی پڑنے کی وجہ سے متعدد لفظ صاف طور پر نہیں پڑھے جا سکتے۔ ان کی نشاندھی اس غلط نامے میں کر دی گئی ہے۔ عیاں بالذات غلطیوں کو نظر انداز کر دیا ہے۔

سطر/صفحہ	غلط	صحیح
۶/۱۱	ڈابر	ڈائیر
۲/۱۲	MACLETHI	MACBETH
"	HAMBET	HAMLET
۱۵/۹	SHALLEY	SHELLEY
۳۳ فٹ نوٹ	رباں	جان
۳۶/۱۹	....	بیاں عرفانِ حق کا
۴۵/۱۴	جنت...	جنتِ اُمید
۷۴/۱۱	رکنار	درکنار
۷۴/۱۲	وارین	والدین
۸۴/۷	صورتش	صورتیں
۸۵/۱۰	روشی	روشن
۸۶/۴	نکس	عکس
۸۶/۱۰	جو	ج

سطر/صفحہ	غلط	صحیح
9/13	REULUAE	RECLUSE
9/18	SOLITODE	SOLITUDE
14/5	GEORAGE	GEORGE
۳۲/۶	اٹھیں	اُنھیں
۳۳/۳	پہنیری	پینیزی
۴۵/۲	خوش	خموش
۴۹/۱۳	لط	نظر
۸۵/۱۲	رم	ہرم
۸۵/۴	کری	کرن
۸۵/۱۴	ربی	عربی
۸۶/۶	خودی روح	روح
"	کیف	کیفِ خودی

صفحہ/سطر	غلط	صحیح
۸۷/۱۹	صدا	سدا
۹۷/۱	گویا وہ	گویا
فٹ نوٹ ۱۲۳	—	ٹیٹا پرتی۔ بھگوان کی جائے پیدائش
فٹ نوٹ ۱۳۱	ششہ	شعشہ
۱۴۶/۱۲	نیاز وا	نیاز و ناز کی
۱۴۵/۱۸	منت ان	مت اب اُن
۱۶۹/۴	ز نہ	تشویش و
۱۶۰/۱۲	حیا	حیات کی
فٹ نوٹ ۱۶۳	BACCHAS	BACCHUS
۲۴۶/۱۷	سرساری	سرشاری
۲۶۸/۳	آرام	آلام
۲۷۲/۳	موت آئے گی	موت جو آئیگی
۲۷۴/۷	وکشادہ	جوکشادہ
۳۳۴/۱۳	اُسے ہے	ہے
۳۷۷/۱۳	گُل	گِل
۳۸۶/۲	جسموں	جنموں
۳۸۹/۱۱	ہے ڈرتا	ہے تو ڈرتا
۴۳۰/۱۶	ایک	اک
۴۳۶/۱	.....	سوبار
۴۴۰/۴	اُتر	اُترے

صفحہ/سطر	غلط	صحیح
۹۷/۱۷	کوہ نور	کوہ نورد
۱۱۶/۱۸	.....	کون ہے جو روند دے
۱۲۶/۱۳	پیار ہیں	پاک ہیں
۱۳۴/۶	یہ دکے س	یہ دن کے ہیں
۱۴۶/۱۳	کم ا	کم آئیگی
۱۵۷/۱۵	لطیف و پا	لطیف و پاک
۱۶۰/۷	زیادا	زیاد
۱۶۳/۱۲	پا جاؤں اِک	پا جاؤں میں اِک
۲۳۷/۶	پر	پہ
۲۵۲/۸	—	میری پلکوں پہ اُتر آئے خوشی کے آنسو اور حال نے مجھے آغوش میں اپنی جا دی اس کے نینوں سے پلا پریم کا امرت مجھ کو
فٹ نوٹ ۳۲۲	بینہ پرور	کینہ پرور
۳۴۵/۷	گُل	گِل
۳۸۶/۴	سایوں ہیں	سایوں پہ ہیں
۴۰۱/۴	کا...	کا مقصد
۴۳۱/۵	سے	ہے
۴۳۷/۱۶	—	رہ کہکشاں ابد ملی مجھے نقش پا جو ترا ملا
۴۴۹/۲	ADONAIS	SHELLEY-ADONAIS